

ادب لطیف لاہور



ادبِ لطیف لاہور

ایڈیٹر: چوہدری برکت علی بی اے

جلد ۲۴	ستمبر۔ اکتوبر۔ نومبر ۱۹۴۶ء	نمبر شمارہ ۹-۱۰-۱۱

سخن ہائے گفتنی	ادارہ	۲
حالی اور پیروئ مغربی	ڈاکٹر عندلیب شادانی	۳
مستقیم و منحنی (نظم)	احمد ندیم قاسمی	۱۱
غزل	عبدالحمید عدم	۱۲
پیپ پینتی ہوئی ناسور دل سے (افسانہ)	صدیقہ بیگم سیوہاروی	۱۳
غبار (نظم)	مظفر سلیم	۱۸
نیا ماحول (افسانہ)	کشمیری لال ذاکر	۱۹
تین غزلیں	فارغ بخاری، رضا ہمدانی، خورشید انصاری	۲۴
مردم خور (افسانہ)	پرکاش موہن	۲۵
ایک تاثر (نظم)	کرشن موہن	۳۲
دوام (نظم)	کیف عرفانی	۳۳
غزل	انور قریشی	۳۴
ٹیڑھی مانگ (افسانہ)	امجد الطاف	۳۴
یاس	حاجیہ ظفر	۴۰

شمارہ نومبر کا ہے: میعادِ خریداری میں توسیع کر دی گئی ہے: ادبِ لطیف کے خریدار صاحبان کو ستمبر و اکتوبر بوجہ عدم اشاعت کے باعث نہیں بھیجے جا سکے۔ اسلئے انکی میعادِ خریداری میں دو ماہ کی توسیع کر دی گئی ہے۔ آئندہ ہر مہینے کی یکم تاریخ کو ادبِ لطیف کو شائع کرنے کے انتظام کر لئے گئے ہیں۔ منیجر

چوہدری برکت علی بی۔ اے پبلشر و پرنٹر نے نامی پریس میں چھپوا کر دفتر رسالہ ادبِ لطیف سے شائع کیا

ادارہ

سخنہائے گفتنی

یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر آپ کو اُن رخنوں سے جھانکنے کے لئے اپنے ساتھ نہیں لے جاتے۔ جو ادبِ لطیف کی دیواروں میں نمودار ہو گئے تھے۔ اور جن کو پاٹنے کے لئے ہم مسلسل طور پر غور کر رہے ہیں۔ تو آپ ہماری معروضات کو حسبِ معمول "قرار دے کر اپنی تیوری کو ماتھے پر چڑھائے رہیں گے۔ لیکن یہ ستم بالائے ستم والا معاملہ ہوگا۔ اور یہ سلوک بھی ہماری مجروح نگاہی کو برابر اذیت دیتی رہیں گی۔ چنانچہ آج ہم "سخنہائے گفتنی" سے کام لے رہے ہیں۔ تاکہ ہمارے قارئین کرام ہماری مشکلات کا جائزہ لے سکیں۔ اور ہماری قلم کاہلوں پر اظہارِ تأسف کرتے ہوئے ہماری کوتاہیوں کو مجبوریوں کا رنگ دے سکیں۔

ادبِ لطیف کی خدماتِ ادب کا اعتراف کرانے بیٹھیں۔ اور اپنی لگاتار مساعی کا ذکر کرنے لگیں۔ تو آپ یہی کیا سمجھیں گے۔ یہی کہ خودستائی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ادبِ لطیف جدید اور جدید تر ادب کا اولین اور نمائندہ ہے۔ اور اپنے مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر گذشتہ بارہ سال سے گامزن ہے۔ اس مجلے کو حالات کی ناسازگاری اور حکومت کے اعتصار سے [illegible] ایک ادارہ ہی نہیں "مکتبِ خیال" بنانا کچھ آسان کام نہ تھا۔ اس سلسلے میں جو قدم اُٹھے۔ اور جس عزم کے ساتھ ہم آگے بڑھے وہ آپ کے سامنے وقتاً فوقتاً آتا رہا۔ اور ہم نے کبھی آپ سے اپنی مصیبتوں کی داد نہیں چاہی۔ لیکن اب جو حادثہ پیش آیا ہے۔ وہ یقیناً آپ کی تمام ہمدردی اور خیرخواہی کا مستحق ہے۔ اور ہم اس کے متقاضی ہیں۔

ادبِ لطیف کا جبری التواء ان نامناسب کلام جو اذیت [illegible] سے ہے جو کبھی کبھی کاروباری شرکت میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہم نے بہتیرا چاہا کہ اس قضیہ کا جلد از جلد تصفیہ ہو سکے۔ اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود یہ کام دنوں کی جگہ ہفتوں اور ہفتوں کی جگہ مہینوں میں جا کر ختم ہوا۔ چنانچہ ادھر ادبِ لطیف کا تصفیہ ہوا۔ ادھر زیرِ نظر شمارہ تیار ہونے لگا۔ ہم نے رسالہ کو کم سے کم مدت میں زیادہ سے زیادہ بہتر بنانے کی جو کوشش کی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ آئندہ پرچہ ہم پوری تیاریوں کے ساتھ مقررہ وقت پر نکال رہے ہیں۔

ادبِ لطیف کے ساتھ جن لکھنے والوں کا تعلق رہا ہے ان سے ہمیں پوری پوری توقع ہے۔ کہ وہ ادبِ لطیف پر بدستور مہربانیاں فرماتے رہیں گے تقریباً دو مہینوں سے ہم ادبِ لطیف کی ڈاک پر پوری توجہ نہیں دے سکے۔ اس لئے ہم ادبِ لطیف سے کسی نہ کسی طرح وابستہ حضرات سے معافی چاہتے ہیں کہ ہم ان کے ارشادات کی تعمیل نہ کر سکے۔ اور نہ ہی ان سے مزید مراسلت ہو سکی۔ ہماری انتہائی کوشش ہوگی کہ ہم جلد از جلد ہر مراسلت کی تعمیل کریں۔ لیکن اگر بعض احباب کی مراسلت کی تعمیل نہ ہو سکی تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ ان کے گرامی نامے اس دوران میں ضائع ہو گئے۔

ہم آپ حضرات کو یقین دلاتے ہیں۔ کہ ادبِ لطیف پھر اسی شان و شوکت کے ساتھ ادب کی خدمت کرے گا۔ اور اس کے انتظامی نقائص کو دور کر دیا جائے گا۔ اگر آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اردو ادب کو "ادبِ لطیف" کی ضرورت ہے تو ایک مرتبہ پھر اپنے تعاون کا ہاتھ بڑھائیے اور ادبِ لطیف کو ایک مثالی ادبی پرچہ بنانے میں ہماری مدد فرمائیے۔

قارئین کی خدمت میں گزارش ہے کہ چودھری نذیر احمد، جناب قتیل شفائی اور جناب ظفر تونسوی "ادبِ لطیف" کے انتظامی، ادارتی اور [illegible] سے الگ ہو چکے ہیں۔ اس لئے ادبِ لطیف سے متعلق معاملات میں ان حضرات سے کسی قسم کی خط و کتابت نہ کی جائے۔

آئندہ تمام خط و کتابت ایڈیٹر یا منیجر ادبِ لطیف ۳۰ لوئر مال لاہور کے پتے پر فرمائیے۔

ڈاکٹر عندلیب شادانی

"حالی اور پیروی مغربی"

حالی اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے!

علامہ سیماب اکبرآبادی، علامہ عبدالماجد دریابادی فلسفی نیم صوفی علامہ سالک بٹالوی، مدیر انقلاب لاہور اور اسی قسم کے چند اور علامے کہتے ہیں کہ ہندوستانی [redacted] کے پروفیسر محمود الال چیکٹر کے خاندان سے ہیں: علم سے بے بہرہ اور عقل سے محروم۔ اور قطعی دلیل اس دعوے کی یہ ہے کہ ایک پروفیسر نے حالی کے مندرج بالا شعر میں "پیروی مغربی" کے معنی "یورپین شاعری کی تقلید" بتائے اور دو اور پروفیسروں نے اس کی تائید کی۔ حالانکہ ان علاموں کے خیال کے مطابق اس شعر میں لفظ "مغربی" ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے اور مولینا حالی اس کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

ان پروفیسروں اور "دکاترہ" کے شجرۂ نسب اور مبلغ علم سے قطع نظر کر کے دیکھنا یہ ہے کہ انہوں نے جو بات کہی ہے وہ کس حد تک قابل قبول ہے۔ چونکہ علامہ لوگوں کے نزدیک حالی کے زیر بحث شعر میں لفظ "مغربی" سے وہ ایرانی شاعر مراد ہے جس کا تخلص "مغربی" ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے مغربی کا کچھ حال جان لینا ضروری ہے۔

مسٹر عبدالرحیم شبلی۔ بی۔کام۔ نے ۸ر جون ۱۹۴۴ء کے خیام میں "مغربی" کے حالات لکھے ہیں۔ مگر کچھ اس انداز سے لکھے ہیں کہ نہ صرف ناواقف لوگ بلکہ تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والے بھی ان کے مطالعے سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:۔

"مغربی کا مختصر تذکرہ شبلی نعمانی نے شعرالعجم حصہ پنجم میں کیا ہے..... لیکن جب مجھے تفصیلات کی جستجو ہوئی تو معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل تصانیف میں مغربی اور اس کی شاعری پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے:۔

(۱) نفحات الانس جامی۔ (۲) حبیب السیر خواندمیر۔ (۳) ہفت اقلیم امین احمد رازی۔ (۴) آتشکدۂ آذر۔ (۵-۶) مجمع الفصحا و ریاض العارفین از رضا قلی خاں ہدایت (۷) تاریخ ادبیات ایران، براؤن۔ جلد سوم۔ ان تمام تصانیف کے اوراق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی کا اصلی نام محمد شیرین تبریزی تھا.... ۷۴۹ھ ۱۳۴۵ء میں پیدا ہوا۔ تقریباً ساٹھ برس کی عمر پائی۔ رضا قلی خاں کا بیان ہے کہ وہ اصفہان کے قریب ایک موضع "نائین" میں پیدا ہوا...... فارسی شاعری میں اس کا وہی درجہ ہے جو سنائی، رومی، عراقی اور عطار کو دیا جاتا ہے"۔

مسٹر شبلی۔ بی۔کام۔ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی کے حالات مرتب کرنے کے لئے انہوں نے بذات خود مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ کیا۔ مگر درحقیقت ایسا نہیں ہے انہوں نے صرف تاریخ ادبیات ایران (براؤن) کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور براؤن نے مغربی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے انہوں نے اس کے بعض حصوں کا ترجمہ کر دیا ہے۔ اس

دعوے کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ مجمع الفصحا میں مغربی کا مقام پیدائش "نائین" تحریر ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ مسٹر شبلی نے "تا عین" لکھا ہے۔ مگر ایران میں "تا عین" نامی کوئی مقام نہیں۔ اگر انہوں نے مجمع الفصحا کا مطالعہ بچشم خود کیا ہوتا تو لازمی طور پر وہ "نائین" لکھتے۔ "تاعین" ہرگز نہ لکھتے۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے براؤن کی کتاب میں (NAIN) لکھا دیکھا۔ اور ذرا سی غفلت سے اُسے "تاعین" بنا دیا۔

اور بالفرض یہ سہو کاتب ہے تو دوسرا ثبوت یہ ہے کہ مسٹر شبلی کے ماخذ بھی فارسی کی صرف وہی کتابیں ہیں جن کا براؤن نے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں کے علاوہ اور بھی متعدد تذکروں میں مغربی کا حال درج ہے لیکن مسٹر شبلی نے براؤن کے ماخذوں کے سوا اور کسی کتاب کا نام نہیں لیا۔ اس کے علاوہ براؤن اور مسٹر شبلی کی تحریروں کا مقابلہ کرنے سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ مسٹر شبلی نے لفظ بلفظ براؤن کی نقل کی ہے۔

مسٹر شبلی کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے کہ "مندرجہ ذیل تصانیف میں مغربی اور اس کی شاعری پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے" اگر انہوں نے ان کتابوں کو بچشم خود دیکھا ہوتا تو انہیں معلوم ہوتا کہ نفحات الانس جامی کے علاوہ اور کسی کتاب میں مغربی کا حال دو تین سطروں سے زیادہ نہیں۔ اور نفحات میں بھی مغربی اور اس کی شاعری پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو نہیں کی گئی بلکہ دو حکایتیں درج ہیں جن میں سے ایک میں کمال خجندی کے شعر پر مغربی کا اعتراض اور کمال کا جواب مذکور ہے۔ اور دوسری میں یہ کہا گیا ہے کہ مغربی کے پیر شیخ اسمٰعیل سیسی نے ایک مرتبہ درویشوں کو چلے میں بٹھایا تھا۔ اور مغربی کو بھی بلایا تھا۔ اس موقع پر مغربی نے یہ غزل کہی تھی۔

تا مہر تو دیدیم ز ذرات گذشتیم
از جملہ صفات از پے آں ذات گذشتیم

کیا یہ مغربی اور اس کی شاعری پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو اسی کا نام ہے؟۔ بہر حال اس محل پر براؤن کا یہ قول دلچسپی سے خالی نہیں کہ "اگرچہ مغربی کا ذکر اکثر تذکرہ نویسوں نے کیا۔ لیکن اس کے حالات زندگی کچھ بھی معلوم نہیں۔"

مسٹر شبلی کا یہ قول بھی سراسر بے بنیاد ہے کہ "فارسی شاعری میں مغربی کا وہی درجہ ہے جو سنائی، رومی، عراقی اور عطار کو دیا جاتا ہے۔" آج تک کسی مستند اہل قلم نے مغربی کو رومی وغیرہ کا ہم پایہ قرار نہیں دیا۔ مسٹر شبلی نے مندرجہ بالا عبارت کو رضا قلی خاں ہدایت صاحب مجمع الفصحا کے ایک قول کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے کہ گویا یہ بھی ہدایت کے بیان کا ایک حصہ ہے۔ اور جیسا کہ ہم پیشتر اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ طرز بیان بے حد مغالطہ انگیز ہے چنانچہ علامہ سالک بٹالوی دھوکا کھا ہی گئے۔ اور بے اختیار کہہ اُٹھے کہ:۔

"مغربی کے متعلق راقم الحروف کی معلومات تو صرف شعر العجم اور براؤن کی تاریخ ادبیات ایران تک محدود تھیں لیکن شبلی صاحب نے مغربی اور اس کے انداز فکر پر ایک مفصل مقالہ لکھ دیا ہے جس میں ثابت کیا ہے۔ کہ مغربی اکابر شعرائے عجم سے تھا اس کا عارفانہ کلام بہت کم مثالیں رکھتا ہے اور وہ رومی، سنائی، عراقی اور عطار کا ہم پایہ ہے۔"

علامہ سالک بٹالوی کے اس بیان میں کئی باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ مسٹر شبلی نے مغربی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ کسی حال میں بھی "مفصل مقالہ" کہلانے کا مستحق نہیں کیونکہ "مفصل مقالہ" غیر متعلق باتوں کو چھوڑ کر خیام کے کل دو کالموں پر مشتمل ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر علامہ سالک بٹالوی نے واقعی شعر العجم اور تاریخ ادبیات ایران میں مغربی کا حال پڑھا ہوتا تو انہیں مغربی کے متعلق علامہ شبلی نعمانی اور پروفیسر براؤن کی رائے ضرور معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ مسٹر شبلی نکام نے جو کچھ لکھا ہے وہ تمامتر براؤن کی تاریخ ادبیات ایران سے ماخوذ ہے۔ اور اس صورت میں وہ ہرگز یہ نہ کہتے۔ کہ

مسٹر شبلی نے "ثابت کیا ہے کہ مغربی اکابر شعرائے عجم سے تھا۔ اور وہ رومی، سنائی، عراقی اور عطار کا ہم پایہ ہے"

جاننے والے لوگوں کی نظر میں مسٹر شبلی نے کوئی بات بھی ثابت نہیں کی۔ ناواقف جو کچھ بھی سمجھ لیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ علامہ سالک بٹالوی نے بھی یونہی اٹکل پچو جو جی میں آیا کہہ مارا، تحقیق کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔

مسٹر شبلی۔ بی کام۔ نے مغربی اور رومی کے ہم پایہ ہونے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل براؤن کی ایک عبارت کا غلط ترجمہ ہے۔ براؤن کے الفاظ یہ ہیں۔

He belongs essentially to the same class of mystical poets as Sanai, Rumi,

یعنی وہ (مغربی) لازمی طور پر صوفی شعرا کے اسی طبقے سے تعلق رکھتا ہے جس میں سنائی، رومی، عراقی اور عطار شامل ہیں (SAME CLASS) کے معنی ہم پایہ نہیں ہیں۔ ایک ہی طبقے یا جماعت سے تعلق رکھنے والے سب لوگ ایک ہی پائے کے نہیں ہوا کرتے۔ مسٹر شبلی نے یہ غلطی نادانستہ کی ہے یا جان بوجھ کر بہرحال براؤن اسی سلسلے میں لکھتا ہے:-

Yet though of the same category as these, he seldom reaches their

یعنی مغربی اگرچہ انہیں لوگوں (یعنی رومی وغیرہ) کے زمرے کا آدمی ہے۔ مگر وہ شاذ و نادر ہی اُن کی سطح تک پہنچتا ہے۔

مغربی کے متعلق پروفیسر براؤن کی رائے آپ کو معلوم ہو چکی۔ اب علامہ شبلی نعمانی کا تبصرہ بھی سن لیجئے:-

"مغربی کا کلام سرتاپا مسئلہ وحدت کا بیان ہے اور چونکہ تخیل و جدت کم ہے اس لئے طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ ایک بات کو سو سو بار کہتے ہیں، اور ایک ہی انداز میں کہتے ہیں"

رضا قلی خاں ہدایت صاحب مجمع الفصحا نے بھی مغربی کی شاعری کے متعلق تشکیک بھی خیال ظاہر کیا ہے۔ ہدایت کے الفاظ یہ ہیں:-

"بجز یک معنی در ہمہ گفتارش نتواں یافت" یعنی مغربی کے سارے کلام میں صرف ایک ہی معنی (یعنی مسئلۂ وحدت وجود) کی تکرار ہے اور بس۔

اس محل پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مولینا جامی یا لطف علی بیگ آذر صاحب آتش کدہ نے ایک لفظ مغربی کی شاعری کی تعریف میں نہیں کہا۔ نہ انہیں رومی یا عطار و سنائی کا ہم پایہ قرار دیا۔

راقم الحروف نے دیوان مغربی کا مطالعہ کیا ہے اور نہایت دیانت داری کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ مغربی کا کلام بے کیف، خشک اور بے مزہ ہے۔ روحانیت، تصوف اور درویشی میں مغربی کا پایہ خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو لیکن جہاں تک شاعری کا تعلق ہے۔ انہیں زیادہ سے زیادہ اوسط درجے کا شاعر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور جو شخص مغربی کو رومی کا ہم پایہ قرار دیتا ہے وہ نہ رومی کے مرتبہ سے واقف ہے نہ مغربی کے درجے کو پہچانتا ہے۔

ذیل میں ہم مغربی کی ایک مشہور غزل نقل کرتے ہیں جو اُن کے کلام کا ایک صحیح نمونہ ہے اس کے مطالعے سے قارئین کو خود ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مغربی کس پایہ کا شاعر ہے۔

ز دریا موج گوناگوں برآمد ز بے چونی برنگ چوں برآمد
چو نیلی از پئے قومے آب گردید برائے دیگراں چوں خوں برآمد
گر از ہاموں بسوئے بحر شد باز گہے از بحر بر ہاموں برآمد
چو ایں دریا ہموں موجزن شد حباب آسا بہ گردوں برآمد
ازیں دریا بدیں امواج ہر دم ہزاراں گوہر مکنوں برآمد
چو یار آمد ز خلوت خانہ بیروں ہمو نقش در دل بیروں برآمد
گہے در کسوت لیلیٰ فرو شد گہے بر صورت مجنوں برآمد
بصد دستاں بکام دوستاں شد بصد افسانہ و افسوں برآمد
بدیں کسوت کہ می بینیش اکنوں یقیں می داں کہ او اکنوں برآمد

[illegible] کو روزی کی کشائش اور زندگی کا آرام ملا جاویگا اس میں اور بھی زیادہ ہو

شرک میں پڑینگے - کہ جوں جوں ہم ان کو ملتے ہیں - مرادیں ملتی ہیں - اس حدیث سے معلوم ہوا - کہ آدمی کیسا ہی گناہوں میں ڈوب جائے - اور محض بے حیا

بن جاوے - اور بیرا یامال کھانے میں کچھ قصور نہ کرے - اور کبھی بھلائی اور برائی کا امتیاز نہ رکھے - تو بھی شرک سے اور اللہ کے سوا اور کسی کو مت

سے بہتر ہے - غرض سب بدتر کاموں سے شرک بدتر ہے - کوئی یہ نہ سمجھے - کہ شرک نہ کرو - اور سب بدتر کام کیا کرو - یہ مضمون ایک حدیث

کی سطر کا ہے - سو یہ کہ یا ابن آدم لو انک اتیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا اتیتک بقرابہا مغفرۃ

اسکی پوری حدیث کو ترمذی نے اور بغوی نے الس سے اپنی کتابوں میں لایا ہے - غرض سب بدتر کاموں سے شیطان کو شرک بہت پسند ہے - کیونکہ شرک کا

بخشا ہی نہیں جاتا - اس واسطے شیطان کی خاطر جمع نہیں ہے - کہ اگر وہ شرک کے حال میں مرے - تو یقیناً جہنمی ہوا - برخلاف بدکار کے اسکی بھی نہیں

کیونکہ بعض اگرچہ گنہگار گناہ کو کرتا ہے - جان کے نفس کی شومی سے اس میں گرفتار رہکے مرجاوے تو بھی دائمی جہنمی رہنے کا یقین نہیں - اس واسطے

شیطان یہ بات - یعنی بدکاریاں حقیر اگرچہ یہ بات یعنی شرک ہو سکتا ہے - اخرج الشیخان عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم لا تقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصۃ - مشکوٰۃ کے باب لا تقوم الساعۃ میں

لکھا ہے - کہ بخاری اور مسلم نے ذکر کیا - کہ نقل کیا ابو ہریرہ نے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا - کہ نہیں آئیگی قیامت یہاں تک [illegible]

ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ اِيْمَانٍ اِلَّا
قَبَضَتْهُ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِيْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
فَيَقُوْلُوْنَ فَمَا تَاْمُرُنَا فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ؛ مشکوٰۃ کے باب لا تقوم الساعۃ
میں لکھا ہے۔ کہ مسلم نے ذکر کیا عبد اللہ بن عمرو نے نقل کیا۔ کہ فرمایا پیغمبر خدا صلعم نے کہ نکلیگا دجال اور رہیگا چالیس تک پھر بھیجیگا اللہ عیسیٰ بن
مریم کو سو وہ ڈھونڈھیگا اس کو اور ہلاک کریگا اس کو پھر بھیجیگا اللہ ایک باد ٹھنڈی شام کی طرف سے اور باقی نہ رہیگا زمین پر کوئی
کہ اس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو مگر مار ڈالے اس کو۔ سو باقی رہ جاوینگے برے لوگ سبکی میں جیسے پکھیرو۔ ف۔ یعنی ہاتھ والے
وہ اور رہ جائیں بے حیا پھاڑ کھانیوالے جانور کی طرح یعنی بدچالی اور بدکاری میں ایسے ہلکے جیسے اڑجانیوالے جانور۔ اور ظلم و خونریزی میں ایسے
مضبوط اور بیباک جیسے چارپائے درندے اور نہ اچھی سمجھینگے کسی اچھی بات کو۔ نہ بری سمجھینگے کسی بات کو۔ پس صورت پکڑ کر آویگا ان پاس شیطان اور
کہیگا تم کو شرم نہیں کچھ ایسے کاموں سے۔ تو کہینگے تو کیا بتاتا ہے ہم کو سو تبا۔ سو پھر شیطان بتاویگا ان کو پوجا بتوں کا اور اون میں آئی گی
روزی اچھی طرح گذرے زندگی۔ ف۔ یعنی آخر زمانے میں ایمان دار لوگ مر جاوینگے۔ اور محض بے وقوف لوگ رہ جاوینگے۔ ان کو کچھ دین
کی سمجھ نہیں۔ رات دن پرایا مال کھانے کی فکر میں۔ نہ بھلا سمجھیں نہ برا۔ دین کی تحقیق کا شوق ہو گا مگر اللہ اور رسول کے کہنے پر نہ چلینگے کبھی تعصب سے

بمعنی یکے دیگر گوں نگر دید بصورت گرچہ دیگر گوں برآمد
چو شعر مغربی در بر لباسے بغایت دلبر و موزوں بر آمد

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ مغربی زیادہ سے زیادہ ایک اوسط درجے کے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں مسئلہ وحدت وجود کی بے کیف تکرار کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ اور وہ کسی طرح بھی رومی یا عطار و سنائی کے ہم پایہ قرار نہیں دئے جا سکتے۔ ہم اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

علامہ نوگ جو یہ کہتے ہیں کہ "پیروی مغربی" سے مولینا حالی کی مراد مغربی تبریزی کی پیروی ہے وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں دو دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ پہلی تو یہ کہ:۔
"دیوان حالی کے اکثر ایڈیشنوں میں مغربی، مصحفی و میر جلی حروف میں لکھے ہوئے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی و میر کی طرح مغربی بھی کسی شاعر کا تخلص ہے"۔

اوّل تو یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ حالی کے "اکثر" ایڈیشنوں میں لفظ مغربی جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ کیونکہ دیوان حالی کا دوسرا ایڈیشن جو ظفر الملک صاحب علوی نے لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔ اُسے چھوڑ کر۔ دیوان حالی کے اور کسی ایڈیشن میں لفظ مغربی جلی قلم سے تحریر نہیں۔ اور بالفرض اگر دیوان حالی کے ہر ایڈیشن میں "مغربی" جلی قلم سے لکھا ہوا ہو تب بھی محض جلی قلم سے لکھے ہونے کی بنا پر اُسے کسی شاعر کا تخلص قرار نہیں دیا جا سکتا غزل کے آخری شعر میں یا کسی شعر میں کسی لفظ کا جلی قلم سے لکھا ہونا اس امر کی دلیل ہرگز نہیں کہ وہ لازمی طور پر شاعر کا تخلص ہے۔ دیوان حالی کے ظفر الملک صاحب والے ایڈیشن کی یہ خصوصیت ہے۔ کہ اس میں جا بجا مختلف الفاظ کو خواہ مخواہ جلی قلم سے لکھا گیا ہے اور بعض اشعار میں معمولی الفاظ کا جلی قلم سے لکھا ہونا نہایت مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً صفحہ ۵۷ پر اس شعر میں:۔

تا چیز نہیں وہ کام، نہیں جن پہ کچھ الزام
جو کام ہیں اُن کا یہی انجام ہے گویا

لفظ "کام" دوسرے مصرعہ میں جلی قلم سے لکھا ہے اور اس شعر میں:۔

یہ لطف بشارت میں دیکھا نہ سنا قاصد
ان پڑھ تو ہے تو پر کچھ۔ پڑھتا تو بلا ہوتا

لفظ "قاصد" جلی قلم سے لکھا ہوا ہے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہے کام اور قاصد کسی شاعر کا تخلص نہیں اور اگر ہو بھی تو ان اشعار میں یہ الفاظ بطور تخلص استعمال نہیں کئے گئے۔ جلی قلم سے لکھا ہونا کاتب یا مرتب کی "ذہانت" کا ثبوت ہے اور بس۔

اسی قسم کی ایک اور عجیب مثال سنئے۔ "مجمع الاشعار" کا ایک پرانا نسخہ جو مطبع الطافی کانپور کا چھپا ہوا ہے اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ غالباً اس مجموعے کے مرتب کو بعض غزلوں کے مصنف کا نام معلوم نہ تھا۔ لہذا اپنی جہالت کو چھپانے کے لئے یہ حکمت کی۔ غزل کے آخری شعر میں کسی ایک لفظ کو جلی قلم سے لکھوا دیا۔ گویا یہی شاعر کا تخلص ہے۔ اور غزل کے شروع میں جو سرخی لکھی اس میں بھی اس امر کا اظہار کر دیا کہ یہ غزل فلاں شاعر کی ہے۔ مثلاً صفحہ ۵ پر جلی حروف میں لکھا ہے:

غزل التجا۔ اور اس کے نیچے یہ غزل درج ہے:۔

فرطِ شوق اُس بت کے کوچے تک لئے جائے گا
کعبۂ مقصود تک مجھ کو خدا لے جائے گا

اس غزل کا آخری شعر یہ ہے

اے مرے مشکل کشا مشکل کشائی کیجئے
تم بغیر اب کون میری التجا لے جائے گا

اس شعر میں لفظ "التجا" جلی قلم سے لکھا ہے گویا یہ شعر مقطع ہے۔ اور لفظ التجا شاعر کا تخلص ہے۔ ایک معمولی استعداد اور معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ لفظ "التجا" یہاں شاعر کا تخلص ہرگز نہیں۔ بلکہ دوسرے الفاظ کی

اس آیت سے سمجھا۔ کہ اس سچے دین کا زور قیامت تک رہیگا۔ پھر حضرت نے فرمایا۔ کہ اس کا زور تو مقرر ہوگا۔ مگر جب تک وہ چاہیگا۔ پھر اللہ آپ
ہی ایک باؤ بھیجیگا۔ کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا بھی ایمان ہوگا۔ مر جاوینگے۔ اور وہی لوگ رہ جاوینگے۔ کہ جنہیں کچھ بھلائی نہیں
نہ اللہ کی تعظیم نہ رسول کی راہ پر چلنے کا شوق بلکہ باپ دادوں کی رسموں کی سند پکڑنے لگینگے۔ سو اسی حال سے شرک میں پڑ جاوینگے
اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ آخر زمانے میں شرک قدیم رائج ہوگا۔ سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔ یعنی مسلمان لوگ اپنے نبی اور
ولی امام شہیدوں کے ساتھ معاملہ شرک کا ویسا ہی کرتے ہیں۔ جس طرح کافر اپنے بتوں کو جانتے ہیں۔ اور انکی رسموں پر چلتے ہیں جیسا برہمن
پوچھنا۔ شگون لینا۔ ساعت ماننا۔ سیتلا مسانی کا پوجنا۔ کالی دیوی کا بکرا چڑھانا۔ ہنومان اور جلوا بیر کی دہائی دینی۔ ش جیسے مشرکوں میں اور
دیوالی کو تہوار کرنا۔ ش جیسے اکثر ہندوستان کے سوداگر مسلمان بھی کیا کرتے ہیں۔ اور نوروز اور مہرجان کی خوشی کرنی۔ ش جیسے اکبر کے وقت میں
رواج تھا۔ اور اب بھی کئی امیر بے تدبیر کیا کرتے ہیں۔ اور قمر در عقرب تحت الشعاع کا لحاظ کرنا۔ جس نے تو اکثروں کی راہ ماری ہے سو یہ سب
رسمیں ہنود اور مجوس کی ہیں۔ مسلمانوں میں رواج پا گئی ہیں۔ اور یہ سب بھی اس حدیث سے معلوم ہو۔ کہ مسلمان میں شرک کی راہ اسی طرح
کھل گئی۔ کہ قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر باپ دادوں کی رسموں کے پیچھے پڑینگے۔ اَخرَجَ مُسلِمٌ عَن عَبدِ اللّٰہِ بنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَخرُجُ الدَّجَّالُ فَیَمکُثُ اَربَعِینَ فَیَبعَثُ اللّٰہُ عِیسَی ابنَ مَریَمَ فَیَطلُبُہٗ فَیُھلِکُہٗ

دیکھکر ذبح کیا وہ بھی مردار ہوا۔ کیونکہ غیر اللہ کی تعظیم کے واسطے ذبح کیا گیا ہے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہو۔ اخرج مسلم عن عائشۃ
رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لا یذہب اللیل والنہار حتی تعبد
اللات والعزیٰ فقلت یا رسول اللہ ان کنت لاظن حین انزل اللہ ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ و
دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون ان ذلک تام قال انہ سیکون من ذلک ما شاء اللہ ثم یبعث
اللہ ریحا طیبۃ فتوفی کل من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فیبقی من لا خیر فیہ فیرجعون
الی دین آبائہم ؛ مشکوۃ کے باب لا تقوم الساعۃ میں لکھا ہے۔ کہ مسلم نے ذکر کیا کہ بی بی عائشہ نے نقل کیا سنا میں نے
پیغمبر خدا سے کہ فرماتے تھے۔ کہ نہ تمام ہونگے رات اور دن یعنی قیامت نہ آویگی یہاں تک کہ پوجینگے لات وعزیٰ کو۔ کہا میں نے اے پیغمبر
خدا میں جانتی تھی جب اتاری اللہ نے یہ آیت ہو الذی ارسل رسولہ الی آخرہ کہ بت پرستی تمام ہونیوالی ہے۔ فرمایا کہ
ہوگا اسی طرح جب تک چاہیگا اللہ پھر بھیجیگا اللہ ایک باد اچھی۔ سو جان نکالیگی جس کے دل میں ہوگا ایک رائی کے دانے بھر ایمان اور
رہ جاوینگے وہی لوگ جن کے دل میں کچھ بھلائی نہیں۔ سو پھر جاوینگے اپنے ماں باپ کے دین پر یعنی اللہ صاحب نے سورہ برأت میں فرمایا ہے کہ اللہ
نے بھیجا رسول کو سچا دین دیکر اور سچا دین دیکر اسکو غالب کرے سب دینوں پر اگرچہ برا مانیں مشرک لوگ تو اس سے سمجھیں سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

واسطے - مردوں کی نذر حرام ہونے کی دلیل رد المختار سے ہے - کہ اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یؤخذ من الدراہم
والشمع والزیت ونحوہا الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فہو بالاجماع باطل وحرام ما لم یقصدوا صرفہا لفقراء الانام
وقد ابتلی الناس بذلک ولا سیما فی ہذہ الاعصار وقد بسطہ العلامۃ قاسم فی شرح درر البحار - نذر کے غیر کا
تقدیر اسکے معنی کی طرف لام سے ہونے کی دلیل اسی کتاب سے - ثم قال ولو نذر لفقراء مکۃ جاز الصرف الی فقراء غیرہا لما تقرر
فی کتاب الصوم ان النذر غیر المعلق لا یختص بشیء بخلاف النذر المعلق فانہ لا یجوز تعجیلہ قبل وجود الشرط - انتہی - نہاں ایک
بیان واجب ہو پہنچے - اللہ تعالی نے فرمایا - یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ - یعنی چھپا چاہتے ہیں لوگوں سے اور چھپا نہیں سکتے
اللہ سے - یعنی اپنے برے کاموں کو لوگوں سے چھپاتے ہیں ان کو یہ آگے ظاہر کرتے شرماتے - پر خدا تو دیکھتا ہے - یہاں سے شرم اور حیا پر دھیان کرتے خدا سے
شرما کے بزرگ برے کام نہیں چھوڑتے - خیر اگر ہم کسی چھپی بات کو لوگوں سے چھپاویں - پر خدا سے نہیں چھپا سکتے - شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے
در بستہ بروی خود ز مردم + تا عیب نگسترند مارا + در بستہ چہ سود عالم الغیب - دانای نہان و آشکارا + الا انہم یثنون صدورہم لیستخفوا منہ + واللہ
یعلم اسرارہم وما یعلنون + تم بھی لکھنے میں ہیں جو لوگ غیر اللہ کے جانور کرتے تھے - چنانچہ کسی شخص کی گائے کرتے کسی کے نام کا بکرا - اور کسی کے نام کا مرغ
اور انکی باتوں سے اور انکی نشانیوں سے ان کے دل کا عقیدہ صاف ظاہر ہوتا ہے - کہ اس جانور کو فلانے کے نام پر چھوڑنے سے یہ بزرگی پیدا ہوئی - کہ جو کوئی اسکو
ستاوے - یا چھڑا کے کھا جاوے - تو ترت سزا پاوے - اور وہ بزرگ اس جانور کو چھوڑنے کے سبب خوش ہوتے ہیں - اور ہمارے کام بناتے ہیں - پھر ان

دلبا آمیں شد ہزار نشیمنی - وہی بات کہ ہمارے مرغ کی ایک ہی بانگ - نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا - اور لطیفہ ۱۷

ملا جیون کی تفسیر احمدی سے اس بات کی سند ہوتی ہے کہ بعض ضعفائہم ان یعتقد المنۃ وتقرب للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال

طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح وان کانوا ینذرونہ لہ انتہی - سو ان کو اس میں کچھ دلیل نہیں بلکہ اس کے

معنی ان کے مقصد کے خلاف ہیں - اس واسطے کہ عبارت دلالت کرتی ہے - کہ یہاں معلوم ہوتا ہے - کہ جو گائے نذر کی جاتی ہے - اولیاء کے لئے جیسی کہ اس

زمانے میں عادت ہے - سو حلال طیب ہے - گو کہ یہ معنی ہو گیا ہے نام غیر اللہ کا اس پر ذبح کرتے وقت کے اگرچہ نذر کئے ہوں اسکو غیر اللہ کیلئے تو

مراد یہ ہے - کہ لوگوں میں جو یہ بزرگ مشہور ہوتے ہیں - سو ان کے فائدے کے واسطے کوئی بہلانے کو واسطے اللہ کی جناب میں کرتے ہیں - اس

گائے کو عوام یہ سمجھتا - کہ جب اسکو ذبح کرتے ہیں - تو اللہ ہی کے نام سے ذبح کرتے ہیں - نہ اس بزرگ کے نام سے - اگرچہ اللہ سے عہد کرتے ہیں

میں گائے کو پہنچانے کا اس بزرگ کو یہاں وہ بزرگ نذر کی ہوئی گائے کا مصرف ہے - نہ منذور لہ - پھر اگر یہ حدیث سچی - تو وہ نذر

غیر اللہ کے تقرب کے لئے ہوتی ہے - اس کا گوشت حلال نہ ہوتا - نہ طیب گو کہ یہ غیر اللہ کی نذر - اور نذر کی یہی چیز کو در مختار اور عالمگیری وغیرہ

میں اجماع سے حرام کہا ہے - اور یہ بات بزرگ بات حضرت کی ہے - اور یہ مسئلہ ظاہر ہے - اور نذر کے مصارف کا تذکرہ بھی کی

خیر کی طرف ہی لازم - اس طور پر کہ نذرت ہذا الشیء للہ لفقراء مکۃ مثلاً - میں نے نذر کی یہ چیز اللہ کی جناب کے [illegible]

سولہ برس کی عمر تک آپ نے فرمایا۔ لوگوں نے سوال کیا کہ گوشت نہ کھاؤ گے اہل خیر الہیہ

اور ابن عباس کی حدیث سے ظاہر ہے۔ کہ لا تاکلوا من معاقرة الاعراب۔ الحدیث تیسرا یہ کوئی سمجھ بھی نہ اس طرح کا ذبح کیا ہی نہ کریگا مگر

بالفرض کرے تو اس کا ذبیحہ صنم کے نام پر کیا ہوا بھی حلال ہو۔ کیونکہ وہ تو صنم کے باب میں الوہیت کا اعتقاد نہیں رکھتا۔ اور مسلمان معاذ اللہ

نہ کہ بلکہ ذبح کرے۔ تو وہ ذبیحہ تم حلال سمجھتے ہو۔ پھر اس واسطے مسلمان کا ذبیحہ صنم کے نام سے بھی تمہارے عقیدہ میں حلال ہوا۔ ۵

تعقید وہ مقلد بے معنی۔ مقام نہ بندرا جواں مرداں ہرا۔ اور یہ جو کہیں کتب ملا نے لکھا ہے کسی بزرگ کا جانور اس کے ہاتھ میں کھانا جائز ہے یا نہیں

فاتحہ عرف عادت میں یا مردوں کے دن تہوار کی بابت لکھتے ہیں۔ یہ بات تو ہم پری بدعتوں اور اسراف اور ریا اور سمعہ اور کسی چھوٹی سی قرآن اوزار

کھانے اور لینے کے باعث جٹے ہیں۔ تمہیں انہوں نے بہتیرے واسطے لی لیے ملکوں کے جائز ہونا فتوی دیا۔ اور لیتے ہیں اپنے ہم مشربوں کے

مردار خواری کی راہ کی۔ مگر ان ملوں کے دوست گرہا ریتہ تو جیداں اتباع سنت کے موافق یہ کرکے اپنا جنبہ چاہیے تو دوں تو نہ ہا

۱۵۱ الغرض ماہل نذر ایسی کے کھانے کی کوئی وجہ عجب طبیعتی اسکا حرام ہونا اور دلیل سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ تو کوئی اس کے کھانے کو ترک نہ کیا

کرتے۔ مگر یہ حیلہ لاتے ہیں۔ کہ اگر چہ کسی بزرگ کا جانور کہا نذر ان وہ نام حرام ہو۔ لیکن اگر کا گوشت اس نیت سے حرام ہوگا۔ کہ اس کا نذر

کر دیا اس بزرگ کی تعظیم و تقرب سے نہ ذبح کیا۔ دیکھو اس حوزہ عالمگیری کا مقابر ہے۔ کہ مسلم ذبح شاة للمجوسی لبیت نارھم

صلیب کے نام پر الوہیت کے اعتقاد سے نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے اس صورت میں کہ بت کے لئے ذبح کیا گیا ہو گنجائش ہے۔ پھر بھی کہ بعض [illegible]
اس پہلی قسم کے ذبیحہ کو نہ کھانا چاہئے۔ پر اس دوسری قسم کے ذبیحہ کو کھایا جائے۔ نعوذ باللہ منہا۔ اور یہ جو کہا ہے۔ کہ اگر کوئی مسلمان تقیہ اللہ یا رسول اللہ
کے نام پر ذبح کرے تو وہ ذبیحہ کھایا جائے۔ اور اگر صنم کے نام پر کیا۔ تو نہ کھایا جائے۔ کیونکہ مسلمان رسول اللہ کے حق میں الوہیت کا اعتقاد نہیں رکھتا
اس قیاس فاسد کا جواب یہ ہے۔ کہ اکثر بے سبب مسلمان [illegible] جو آپ کو بڑے فقیر کہلاتے ہیں۔ سو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عین اللہ مانتے
اور اپنے عقیدہ میں بیان مقصود فاسد پر اولیا کا اجماع نقل کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ [illegible] یہ متواتر [illegible] بھی سند لاتے ہیں۔ کہ انا عرب بلا عین
اور انا احمد بلا میم۔ اور اپنے عقیدے کا اظہار نظم و نثر سے بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کا اکثر آگاہ [illegible] ہیں اور یہ بیت [illegible] کہ سے
اپنے تئیں ظاہر غریب بلد یا [illegible]۔ عین رب در حقیقت ذاتی۔ اور یہ بھی سے محمد ظاہر آمد [illegible] مگر عین رب آمد۔ اگر علما میں ایسے عقیدے [illegible]
دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہا۔ کہ ایسے مسلمان حضرت کا نام مبارک لیکر ذبح کریں۔ تو اس کا ذبیحہ حرام ہے۔ یا وے مسلمان ہی نہیں ہیں مگر
مشرک ہیں۔ ان کا ذبیحہ مردار ہے۔ دوسرا یہ کہ ایسے ذبح مخالف نص آیت اور حدیث اور اجماع اور قیاس کے ہیں۔ کیونکہ وما اہل لغیر اللہ کی
آیت اور ملعون من ذبح لغیر اللہ کی حدیث مطلق واقع ہے۔ اس میں یہ قید مفہوم نہیں ہوتا کہ صنم غیر کے نام سے ذبح کرنا [illegible]
[illegible] اور صحابہ کا اجماع ہے۔ کہ غیر اللہ کوئی ہووے۔ اس کا نام پر ذبح کرنا جائز نہیں۔ اور وہ ذبیحہ مردار ہوتا ہے۔ اور حضرت [illegible] نے فتوی بھی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رضائے اہل قبور کیلیئے - یا جن وپری کے واسطے ذبح کرنا یہ سب حرام ہیں اور تقرب و تعظیم کی وجہ سے تو کفر ہوتے ہیں چنانچہ یہ مسائل تمہارے علماء بھی
لکھے ہیں اب بعضے علماء نے اپنے مذہب کی معتبر کتابوں سے ایسے ذبح اور ذبیحوں کے جائز اور حلال ہونے کے فتوی دیئے پھرتے ہیں ہم ان مفت خوار مفتیوں
سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے عالموں نے کہا ہے کہ سنت سنیہ میں اس طرح ذبح کرنا اور ایسے ذبیحے کا کھانا رواج تھا - یا یہ کہتے ہیں کہ اس ڈھب کے
ذبح اختیار کرنے سے توحید اور اتباع سنت کو قوت ہے یا انتہا ہے - عالموں نے یہ تجویز کی ہے کہ جاننے دو جانیوں سے عوام کالانعام شرک و بدعت میں
اس ڈھب کے ذبح اور ذبیحوں کے آسرے میں شرک و بدعت کر سکیں ارمان نکال لیتے ہیں ہم اس بات کو حرام کیوں نہیں اس ان بیچاروں کی
آرزو بر آنے کے مانع کیوں ٹھیریں - یقین جانو کہ سب تمہارے سچے عالم تھے - تو ایسی نتیش نہ کرتے ہونگے - کیونکہ ان کا ارادہ یقینی یہی ہوگا کہ اتفاقا کسی
مسلمان کے ہاتھ سے ایسا ذبح ہو جائے - تو ہم اس کو برا جاننا جب تک ہو سکے - نہ کہ اس کے کام کو بے وجہ ہرگز حلال کرکے سمجھنا یا اس کے باطنی اعتقاد کو
عالم الغیب پر سونپ دینا - نہ یہ کہ بد معاملگی اور بد اعتقادی معلوم مشہور ہوتے ہوئے اس کے ذبیحے کو کہ وہ صاحب خطا تھا تم مقام علم سکتے - سو غور کیجیے
اس کے شرک و بدعت کے روادار اور شرک [illegible] ذبح کسی حال بدستور ہی - تم خوش ہو کہ ناخوش - باقی نصرانی وغیرہ کا ذبح مسیح اور مخلوق
کے نام پر نص آیات سے حرام ہے - کسی عالم کا کہا اس نص کو منسوخ نہیں کر سکتا - ایسے نص صحیح کے مقابل کسی قول کا ماننا اس بات سے بھی کہ تحریم و تحلیل میں
غیر اللہ کا کہا مان کے اتَّخَذُوا اَحبَارَهُم وَرُهبَانَهُم اَربَابًا مِن دُونِ اللّٰه کی وعید میں داخل ہونا ہے - اور یہی جانیے کہ جب

طرح اپنے لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس قسم کی مثالیں کتابت میں کتنی ہی موجود ہیں۔

مستقبل کو مستقلی بنا دیا تو کاتب کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن حال ہی میں ایک کاتب صاحب نے اس سے بڑھ کر ذہانت کا ثبوت دیا۔ دیوانِ غالب لکھ رہے تھے۔ اسی زمانے میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی۔ فرمانے لگے۔ میں نے دیوانِ غالب کے متعلق ایک نئی بات دریافت کی ہے جو آج تک کسی کو معلوم نہیں اور لوگ جس وقت سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔ دوست نے پوچھا وہ کونسی نئی بات ہے؟ کہا جس طرح نور الٰہی اور محمد عمر صاحبان نے مل کر ناٹک ساگر لکھی ہے اُسی طرح دیوانِ غالب کی تصنیف میں آتش کا بھی ہاتھ ہے اور اگر پورا دیوان نہیں تو کم سے کم ایک غزل ضرور دونوں نے مل کر کہی ہے ثبوت اس کا یہ ہے کہ مقطع میں دونوں کا تخلص موجود ہے اور وہ مقطع یہ ہے:

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

کاتب کا دوست بھی کاتب ہی تھا۔ اس نئی تحقیق پر دل کھول کر داد دی۔

مولینا حالی کے شعر میں لفظ "مغربی" کا جلی قلم سے لکھا ہونا محض اس امر کا مزید ثبوت ہے کہ کاتب اور گدھا ایک ہی خاندان سے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ علامہ لوگ ایک علمی بحث میں عقلِ سلیم کو چھوڑ کر ایک "کالحمار" کو اپنا رہنما کیوں بناتے ہیں۔ دوسری دلیل ان حضرات کی یہ ہے کہ:

"پیروی مغربی" کا مفہوم وہ نہیں ہے جو "پیروی مغرب" کا ہے۔ معقول ہے اگر مغربی شاعر مراد نہیں لیا جائے گا تو پھر ترکیب اضافی کے بجائے اپنی موجودہ شکل میں یہ مرکب توصیفی ہو جائے گا اور پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسی پیروی جو مغربی ہو یعنی مغربی انداز کی ہو۔ اس مقام سے یہ مطلب بالکل ہی غیر پیدا ہے۔ اب یہ امر کہ "پیروی مغربی" مغربی

سلہ الکاتب کالحمار

انداز فکر کے لئے استعمال کر دیا گیا ہو تو نئے ادیبوں کے یہاں اس قسم کی ترکیبوں کی گنجائش خواہ کتنی ہی نکلے مگر حالی سے مسلم الثبوت استاد کے یہاں ایسی بھونڈی ترکیبوں کا گذر نہیں۔"

خلاصہ اس گفتگو کا یہ ہے کہ اگر مولینا حالی کو یہ کہنا ہوتا کہ "آؤ مغرب کی پیروی کریں" تو وہ "پیروی مغرب" لکھتے۔ پیروی مغربی نہ لکھتے۔ کیونکہ پیروی مغربی سے یہ مطلب ادا نہیں ہوتا۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ حالی نے "پیروی مغربی" کو "پیروی مغرب" کے مفہوم میں استعمال کیا ہے تو قواعد کی رو سے یہ ترکیب اس معنی میں غلط ہے اور غلطی حالی سے ہو نہیں سکتی کیونکہ وہ ایک مسلم الثبوت استاد تھے۔

(۱) حالی ایک مسلم الثبوت استاد تھے اس میں کوئی شک نہیں

(۲) پیروی مغربی اور پیروی مغرب کا مفہوم جدا جدا ہے اس میں بھی کلام نہیں

(۳) مغربی سے مراد اگر مغرب ہے تو حالی کو پیروی مغرب کہنا چاہئے تھا۔ یہ بھی درست ہے۔

(۴) پیروی مغرب کے معنی میں پیروی مغربی لکھنا قواعد کی رو سے غلط ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں۔

ان تمام امور میں ہم علامہ لوگوں کے ساتھ ہیں لیکن ان کا یہ کہنا کہ مولینا حالی سے ایسی غلطی نہیں ہو سکتی۔ موصوف کو سہو و خطا سے ترکیب پائی ہوئی انسانی فطرت سے محروم کرکے ایک معصوم فرشتہ بنا دینا ہے۔ اور یہ علامہ لوگوں کے امکان میں نہیں۔

مولینا حالی سے فقط یہی ایک تسامح نہیں ہوا بلکہ ایسی اور بھی کتنی ہی فرو گذاشتیں ان کے کلام میں موجود ہیں اور جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ ہمارا مضمون "مسند" مطبوعہ سالنامہ شاعر (آگرہ) بابت ۱۹۴۵ء ملاحظہ فرمائیں۔ لیکن اس قسم کی فرو گذاشتوں سے مولینا حالی یا کسی دوسرے مسلم الثبوت استاد کی بزرگی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ بھول چوک بڑے انسان سے ہوتی ہے۔ اور مولینا حالی بھی آخر

کی ہے۔ سو اب ہی کیا کریں۔ یا وہی عمل ارواح لوگوں کو اس سے منع کرنا کچھ ضرور نہیں۔ خیر یوں تو کسی نے نہیں کیا۔ کیونکہ یہ کہے کہ حقیقت
میں اس طرح ذبح کرنا بدعت قبیحہ ہے۔ کہ عہد نبوی سے لیکر آئمہ مذہب کے زمانے تک کہیں ایسا واقع نہیں ہوا۔ رواج کا تو کیا ذکر بلکہ
جن فقیہوں نے ایسے مسئلوں کو لفظاً اگر لکھے ذکر کیا ہے۔ سو دلیل اس بات کی یہ کہ اگر بعض اتفاقی صورت واقع ہو تو اس کا حکم حل و حرمت
اور جواز و کراہت بیان ہوئے ہیں۔ یہ مقصود نہ تھا کہ ارادہ ہرگز یہ نہیں کہ ایسی ایسی بدعتیں عملوں میں جاری رہیں۔ یا اس زمانے میں کوئی شخص
غیر اللہ کے واسطے ذبح کیا کرے۔ اور مخلوق کا سجدہ بجا لاوے۔ مگر اس زمانہ فاسد میں کہ لوگ غرق شرک و بدعت ہیں سو کسی فقیہ نے
جان بوجھ کے ایسی ایسی فعلی باتیں کہ جن سے لوگ شرک و بدعت میں چل بچے تو نہ رہ سکے۔ لکھ کے عوام کے ہاتھ میں ہتھیار فساد
دیوے۔ سو بیشک خطرہ ایمان ہے اور ماہل کی عادتیں محلہ آتوں ہے۔ ورلا تاکلوا من معاقرة الاعراب فانی لا آمن
ان یکون مما اہل لغیر اللہ کی حدیث سے اور حضرت علی کے اثر سے کہ آپ نے عجم کے فخر سے ذبح کئے ہوئے اونٹوں کے گوشت حرام
ہونے کا فتوی دیا تھا۔ سو ہمارے علماء نے یہی پایا۔ کہ جس ذبیحہ کے ذبح کا موجب کھانے کھلانے کے سوا اور ہو تو وہ
قدیم اور ذبیحہ مما اہل لغیر اللہ کی جنس میں داخل ہو کے حرام ہوتا ہے۔ اس واسطے انہوں نے فرما دیا ہے کہ بادشاہ کے تشریف لانے کی تعظیم پر ذبح
یا اس کے بیٹوں کے واسطے یا اس کی سرکار سے خلعت ملی پر اسکی عزت کے واسطے ذبح کرنا یا کسی کی خاطرداری کے واسطے ذبح کرنا جیسا

ان کے بدگویوں کے حق میں اس سے زیادہ کیا کہوں ــ حسدوا الفتی اذ لم ینالوا سعیه ۔ فالکل اعداء له

وخصوم ۔ معترض کو اس اعتراض سے اپنی ناموری مقصود تھی تا لوگ کہیں ۔ کہ دیکھو یہ ایسا بڑا عالم ہے کہ مولٰنا عبد العزیز کی تفسیر

پر اعتراض کرتا ہے ۔ یہ نالائق ایسا ہی ہے جیسا کسی نے اپنی ناموری کے واسطے زمزم کے پاس [illegible] تھا جس کا نام تاریخوں میں آج تک باقی ہے [illegible]

اے مردار خوارو ۔ تمہارے کٹ ملا نے تم کو مردار خواری کا فتوی دیا ہے ۔ وما اہل بہ کے اصنام سب چٹ کیا کرو ۔ مگر ایک ہی قسم ہمارے یہاں کو [illegible]

وہ جو کوئی نام مسلمان شرک سے اپنی نیت سے فقط غیر اللہ کا نام پکارے کوئی جانور ذبح کرتا ہو ۔ سو یہ صورت الا ما ذکیتم

باقی الوداع وما اہل بہ لغیر اللہ کی تھی کے اس کا تو اب اس نیم ملا نے نام اہلال میں لکھا کر ۔ اور اس سے موی یہ کسی سے کو ٹھہرایا کر

تو شنہ عاقبت ہمیشہ کیں ۔ ف ــ سوال جب نظم قرآنی دلالت کرتا ہو کے معنی اعم پر ایک جنس کی محرمات کی ۔ اور وہی نظم محمول ف ١٨٠

ہو سکتا ہو ۔ معنی اخص پر یعنی ایک نوع محرمات پر تو حمل ایسے نظم کا معنی اعم پر لازم ہے ۔ یا صرف اس کا معنی اعم سے معنی اخص طرف

اور اہمال و تعطیل اس معنی اعم کی ۔ یہاں تک کہ بعضے نوع کی حرمت مفہوم ہو ہے ۔ جواب ۔ دو ای ہدی عالم کہلانے والے محسن تو ۔ فان لم

تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار الخ اللھم اجرنا من النار ۔ اور یہ بھی جان رکھو ۔ کہ کہنے والوں نے یوں لکھا ہے کہ اگر ذبح کے

وقت قوم نے ایسا کہا ۔ تو ذبیحہ حرام ہو ۔ کیونکہ ملحد ہیں ہرگز نے یوں نہیں کہا ۔ کہ لوگوں نے جو ذبح کے وقت ایسی ایسی باتیں کہتے ہیں ذبح کر چکی تھی

وبدعت کو نور نے اٹھے - تو عرق حمیت جاہلیہ علمائے سو کی حرکت میں آئی - سو ان کے رد میں قلم پکڑا ہاں حسنی اسکو کہتے ہیں سکہ
مردہ دو درم میں جائے یا بہشت میں ملا کو حلوا سانڈ سے سے کام - جب حلوا ماند امسک کرد - تو ملا کے منہ میں خاک پڑی - اس واسطے وہ البتہ
خاک چھانتا پھر گیا - چنانچہ اس زمانے میں یہی کیفیت نظر آتی ہے - ان بیہودہ اعتراضوں کے رد میں اپنی قلم فرسائی ہمنے جو کی ہے اس کا سبب
کہ اس معترض و لدف اپنی طالب علمی کہتا ہے - اگر کوئی صرف جاہل اعتراض کیا ہوتا - تو ہم اس کا جواب لازم نسمجھتا - چنانچہ الخیرات الحسان
میں جو امام ابوحنیفہ کے مناقب میں ہے لکھا ہے کہ کسی بیوقوف نے اس جناب پر اعتراض کرکے معذرت خواہی کی - تب آپنے اسکو معقول کیا تو وہ
عذر خواہی کرنے لگا - اور معافی چاہی آپ نے فرمایا کہ جب علم میرے جنس کا ہی جانتا ہے - سو اسکو میں نے بخشا - جو کوئی علم والے نے مجھی دوش لگایا
ہو میں نے اسکو نہیں بخشا - کیونکہ علم والے کے دوش لگانے سے آدمی بر ملک رہ جاتا ہے - ہمنے حاصل قصہ کہہ دیا - پھر کوئی کم فہم یہ کہے
کہ یہ مذکورہ قصے کا لفظی ترجمہ نہیں ہے دوسری بات یہ ہے - کہ جو ترجمہ میں خوض کرنا اور ان کے دقائق و لطائف کو پہنچانا نصیب ان
لوگوں کا ہے - کہ حنفیہ پیشوا کے حق میں یہ حدیث آئی ہے - کہ لو کان العلم معلقا فی الثریا لناله رجال من قوم ھؤلا
او کما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم - گویا ہیں ان کے حق میں امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا - کہ الناس عیال علی ابی
حنیفۃ فی الفقہ - مولینا عبد العزیز کو اور ان کے شاگردوں کو اللہ تعالیٰ نے فقہ حنفی کی برکت سے سرفراز کیا ہے لیکن

کہ مولٰنا کی عبارت جو آواز برآوردہ شد اور شہرت دادہ شد سے خلاف لغت ہے۔ کیونکہ اہلال کے معنی فقط آواز کرنا کرنے کے لکھے ہیں

شہرت دینا کرکے کوئی نہ لکھا۔ ندا کرنے میں اور شہرت کرنے میں بڑا فرق ہے۔ انتہی جواب اس کا یہ ہے کہ مولٰنا نے کب لکھا ہے

کہ اہلال کے معنی شہرت دینا ہے۔ بلکہ اہلال کے معنی آواز برآوردہ شد فرما کے اس کے بعد لازم کو ذکر کیا ہے کیونکہ شہرت دادہ شد

کیونکہ تمہارے کاٹ ابرا کا نام مرغ پر پکار دینے سے اس کا شہرہ بھی لازم آتا ہے۔ چنانچہ ہم سب لوگ کہتے ہیں کہ دیکھو کاٹ بابا کا

مرغ ہے اسکو کوئی نہ ہانکو نہ چیراؤ۔ علی ہذا القیاس۔ اب اہلال شہرت کا مستلزم ہے۔ مگر جو ٹے طالب علم بدعتی مردہ پر تو ہاں

سوال جانوروں پر جیسے چیلنغ الیہ کا اہلال کرتے ہیں۔ اور ان مردار جانوروں کو آپ کھاتے اوروں کو کھلاتے ہیں ایسی صورت میں البتہ

اہلال کی شہرت نہ ہوگی۔ جب کوئی عالم کہلانے والا کسی نوع بدعت کے باب میں سہل انگاری کرکے جواز کے وجوہ نکالے تو ان بدعتوں کی

وہ بدعت اور اس قسم کی بدعت کرنے پر جرأت ہوتی ہے۔ اور ان کی اور ان کے اقران و امثال کی شہرت اور مقصدی اور بدعت ایجادی زیادہ

ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسی ہی سہل انگاریاں کرتے کرتے بدعتوں کی نوبت یہاں تک پہنچی۔ اس سبب میں مُصِر بدعتی سے اتنا ضرر نہیں پہنچتا جتنا

مداہن اور مسائل جاننے عالم سے۔ کسی جانور بزرگ مرکر سو اسکو ان کے فاتحہ میں خرچنا کسی سچے محدث اور مفتی نے تو نہیں لکھا مگر بہتیرے بدعتی ہمیشہ کا

لوگ شرک اور بدعت کے کام کرتے ہیں سالہا سال دراز گذرے مفت خوار مفتیوں نے ان کا رد و قدح نہیں کیا۔ جب اہل سنت نے شرک

کیواسطے ذبح کر کے کھلاتے کھلاتے ہیں سب جانوروں سے مقصود ذبح ہے اور تعظیم غیر اللہ کی تو کوئی معترض نے یوں کہا۔ کہ وما اہل لغیرہ

یعنی ما ذبح لغیر اللہ۔ کیتوں نے یوں کہا۔ کہ وما اہل لغیر اللہ ای رفع الصوت بہ لغیر اللہ بان ذبح علی اسمہ وغیرہ۔ کیتوں نے یوں لکھا۔ کہ وما اہل

لغیر اللہ بہ یعنی ما ذبح للاصنام والطواغیت مولانا نے عام تر رکھا۔ اور کسی نے جو یوں کہا۔ کہ صحاح جوہری میں ما اہل بہ لغیر اللہ کے معنی ۱۹

ما نودی علیہ باسم غیر اللہ لکھا ہو تو تفسیر عزیزیہ والے کے لکھنے کو مفید نہیں بلکہ ما نودی فیہ لغیر اسم اللہ ہوتا۔ تو ان کے لکھنے کو مفید ہوتا کس

واسطے کہ انہوں نے لکھا ہے۔ کہ وما اہل بہ دیگران جانور کہ آواز برآوردہ شد و شہرت دادہ شد در حق آں جانور۔ کہ لغیر اللہ یعنی برائے

غیر خداست خواہ آں غیریت باشد الی آخر قولہ ملعون من ذبح لغیر اللہ۔ جواب اس معترض کا یہ ہے۔ کہ اگر کوئی کہے نادیت علی ہذا العبد

انہ لفلان۔ اس کا مفہوم یہی ہے۔ کہ میں نے مشہور کر دیا۔ اس غلام کو کہ وہ فلانے کا ہے۔ یہ بات اس قوہ میں ہے۔ کہ میں نے شہرہ کیا

اس کے حق میں کہ وہ زید کا ہے۔ اب ایسی ترکیب میں فیہ کا واجب ہونا تم نے کہاں سے نکالا۔ اور علیہ کو ممنوع کیونکر سمجھا یہاں علی

کلمہ استعلا اور فوقیت حقیقت کے واسطے نہیں ہے۔ اگر فیہ ہوتا۔ تو بھی ظرفیت حقیقت کے واسطے نہ ہوتا مگر علی تحقق نسبت

کے واسطے ہے۔ اگر فیہ ہوتا تب بھی اسی تحقق کے واسطے ہوتا۔ پھر اس محل کو فیہ من علی پر ترجیح دینا خوش فہمی سے ناشی ہے

مگر اس میں فیہ ہی ہو یا تمہاری نادانی ہے یا تعصب اور حسد بدعتیوں کی خوشامد یا لذت نیاز کھانے کا شوق۔ اور معترض نے جو کہا ہے

اور علمائے حقانی مگر مومن مستور الحال حسن ظن اگر اپنے جانور کو کسی بزرگ کا جانور کہے۔ تو اس کو غیر اللہ کا ناسک اور ناذر نہ کہا جائے

جب تک کہ اس کا ارادہ معلوم نہ ہو۔ پھر جب اس کا ارادہ معلوم ہو۔ کہ اُسے غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کا ارادہ کیا ہے تو بیشک شرک ہے

جو تمامی فقہا کے اتفاق سے پھر یہاں سے منافق نما مومن کا حکم ظاہر ہو گیا۔ باقی رہا فاسق مومن۔ سو اگر وہ اپنے جانور کو کسی محترم کا

جانور کہے۔ تو البتہ محل تہمت ہے۔ ویسے جانور سے کہانیکا احتراز کرنا ضرور لیکن جب اس کا صاف ارادہ غیر اللہ کی تعظیم اور تقرب کا معلوم

ہووے تو اس جانور کے حرام ہونے میں اور اس شخص کے فاسق مشرک ہونے میں کیا تردد۔ باقی رہے وہ لوگ جو مسلمان کہلا کے غیر اللہ کو پوجا کرتے

ہیں۔ اور کلمات کفر بکا کرتے ہیں۔ پھر جب انہوں نے کسی بزرگ کے نام کا جانور کیا تو وہ جانور حرام اور اس کا چھوڑنا شرک کا کام کیوں نہ سمجھا جائے

سب ظاہر حال مقام علم کے ہے۔ باوجود اس کے اوپر نیک گمان کر کے ان کے کئے ہوئے جانور کو حلال ٹھیرانا محض مردار کھانا اور مردار کھلانا

ہے۔ اور لوگوں کو شرک کے کام کی جرأت دینی نعوذ باللہ۔ وبیان کرو کہ ما اهل به لغير الله میں اطلاق ظاہر ہے۔ اس قسم کے سب

چیزوں کو شامل خواہ جانور ہوویں یا سوائے اس کے کچھ سوائے ان کے اور جب بلاغت قرآنی سب بلاغتوں سے منتہائی درجے میں واقع ہے

اور لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ قرآن کریم کی شان ہے۔ اس واسطے غیر اللہ کے نام کے منذورات اور مذبوحات کسی ایک

قسم کے ہوویں۔ سوائے چیزوں ما اهل به لغير الله میں داخل ہیں جب ما اهل به لغير الله مذبوح کی قسم سے ہووے۔ تو مشرکوں کے ذبیحوں

کیس واسطے اس عاجز نے اس کے خلاصۂ مطالب کو بربانیات کے طور پر لکھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ باقی رہا یہاں ایک

مسئلہ جواب طلب۔ کہ اگر کوئی مومن اپنے جانور کو کہے کہ یہ جانور فلانے بزرگ کا ہے۔ تو اس کا کیا حکم۔ جواب۔ مومن اقسام

پر ہیں مومن حق منصوص علیہ۔ مومن مشہود لہ بالخیر۔ مومن مستور قابل حسن ظن۔ مومن مستور منافق البطن۔ مومن مجاہر

بالفسق۔ مومن مرتکب کفریات۔ مدعی ایمان۔ ہر ایک کا حکم اس کے حال کے موافق ہے۔ کیونکہ مومن حقانی منصوص علیہ

جو جماعت صحابہ کرام کی اور اہلبیت اطہار کی ہے سو انہوں نے تو کبھی ایسے جانور نہ کئے ہاں حضرت علی نے حضرت علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی نیابت سے حضرت کی قربانی کی ہے۔ کیونکہ آپ نے انہیں یہ وصیت کی تھی۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے باب الاضحیٰ کی

دوسری فصل میں ہے۔ کہ عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ فَقُلْتُ لَہٗ مَا ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْہُ فَاَنَا اُضَحِّیْ عَنْہُ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ

نحوہٗ۔ نہ اپنے بھائی جعفر طیار کی۔ نہ اپنے چچا سید الشہدا کی۔ العقیقہ الیسی قربانی کرنی جانور کرنے کی قسم سے نہیں کیونکہ

انہوں نے اس قربانی کے گوشت کو اچھوتا تبرک نہیں ٹھیرایا۔ اور اس قربانی کر لینے کو کوئی حاجت اور مراد نہ مانگی۔ اسکو آنحضرت

کی نذر نیاز نہ جانا۔ اور اسی طرح مومنین مشہود لہم بالخیر نے بھی ایسے جانور نہیں کئے۔ جیسے تابعین اور مجتہدین [illegible]

باسمہ غیر اللہ۔ ان مختلف تعبیروں سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے کبھی تیسری نوع کا کبھی چوتھی نوع کا لحاظ کر کے اس اس طرح
سے لکھا ہے۔ ان کے ویسے لکھنے سے دوسری نوعوں کا موجود ہونا یا مقصود ہی نہ ہونا کہاں سے لازم آتا ایسی ہی جگہ پا
تو ہم حنفیوں کے اصول میں لکھا ہے۔ کہ فہم الصحابی لیس بحجۃ وفہم غیرہ بطریق اولی۔ یعنی اطلاق نص کو تقیید کرنے میں یا عموم
ایسے ہی مقدمات میں جس میں نص کے حکم سے کچھ بڑھ جانا کچھ گھٹ جانا لازم آتا ہووے سو ویسی صحابی کی سمجھ کی وجہ سے
نص کے مطالب کو کم زیادہ نہ کرنا چاہئیے۔ کیونکہ ایسی جگہوں میں صحابی کی سمجھ اوروں پر حجت نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اس صحابی کو وہ سمجھ
حجت ہو سکتی ہو۔ دوسروں کی سمجھ بطریق اولی حجت نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جیسا وما اہل تواتر ہو کر اپنے اطلاق پر اور ظاہریت پر باقی ہے؛
ویسا ہی اس کو ظاہریت اور اطلاق سے پھیرنے کو ویسی ہی متواتر دلیل چاہئیے۔ نہیں تو فقط ان تعبیرات سے اس اطلاق اور ظاہریت کا
امتناع محض خیال ہے۔ یا تو صب بھر اگر کوئی شخص اپنی کم فہمی سے اس اطلاق کا اور ظاہریت پر مانع ہو کر وما اہل بہ لغیر اللہ کے معنی کو ذبح
علی اسم غیر اللہ ٹھیراوے۔ اور باقی اطلاق اور ظاہریت کا منکر ہووے۔ تو ایسی صورت میں قریب ہے۔ کلام اللہ کی تحریف معنوی کی
تامل کرو انصاف سے۔ لیکن اس بیان کو حضرت مولانا عبد العزیز علیہ الرحمۃ نے مصلحت عام کیواسطے اور خاصوں کی سمجھ کے اعتماد پر
خطابیات کے نہج پر لکھا تھا اور تمام خصوصیات اور قیود (جو اس مقدمے میں ہم نے لکھے ہیں سو) مولینا ممدوح کی عبارت میں موجود
ہیں صاحب عقل سلیم منصف طبیعت اس بات کا منکر نہ ہو گا۔ لیکن بعضے طالب العلموں نے مولینا کی عبارت میں کچھ بیچ پیچ

پھر مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ۔ کلام اللہ میں اپنے اطلاق لوظاہریت کی جہت سے گویا اس مفہوم پر منطبق ہوا ہے۔ جو بتوں کی تعظیم سے اہلال کرنیوالوں
کے پاس منزلۂ جنس کے ہے۔ کیونکہ بعض چیزوں کے اہلال کرتے ہیں انکو استعمال میں نہیں لاتے۔ چنانچہ بیلوں کو سانڈ کرتے ہیں بتوں کے
نام پر اور بعضے عورتوں کو بھی انکے نام پر اسیطرح چھوڑتے اور بعضے کھانے میوے کپڑے وغیرہ بلکہ زمین کو بھی سو یہ وما اہل کی ایک
نوع ہے۔ دوسری یہ کہ غیر اللہ کے نام پر اہلال کرتے اور انکی تعظیم کیواسطے انکو چھوڑتے اور اس کو استعمال بھی کرتے اور اسکو پرشاد یعنی
تبرک جانتے جیسے نرسو کے گلگلے اور پریوں کے ملیدہ کا میوہ اور کھیر وغیرہ اور شیو کا آٹا اور آتے کا چراغ اور ایسی ہی چیزیں تیسری
وے جانور ہیں جو بتوں کے نام پر اہلال کرتے اور انکو تعظیم کے واسطے چھوڑتے اور ان ہی کے نام پر نام پکار کے ان کو ذبح کرتے جیسے
کالی وغیرہ کے نام پر بکرا مارتے ہیں اور بل دیتے ہیں۔ چوتھی غیر اللہ کے نام پر جانور کرتے اور غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کے واسطے اس
جانور پر اس غیر کا نام پکار دیتے اور جانور اس غیر کے نام سے مشہور کرتے۔ اور اللہ کے نام سے ذبح کرواتے مگر باطن میں اس غیر اللہ کی
تعظیم جیسی کی تیسی باقی ان پہلی دونوں نوعوں میں ذبح مَا اُہِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ کی ماہیت کا خارج لازم ہے۔ اسی واسطے بعض مفسروں نے
ان دونوں نوعوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ سوانہوں نے کسی نے وما اہل کی تعبیر یوں کی کہ وما رفع بہ الصوت باسم الاصنام والطواغیت
اور بعضوں نے تعظیم غیر اللہ کا قید بھی لگایا۔ اور بعضوں نے یوں تعبیر کی کہ وما ذبح للاصنام اور بعضوں نے یوں کہا کہ وما رفع بہ الصوت عند ذبحہ

ایک انسان ہی تھے۔ چوک ہو گئی۔

حالی کے استاد مرزا غالب جو امیر خسرو کے سوا کسی ہندی نژاد کی فارسی دانی کے قابل نہ تھے جنہوں نے حزیں، صائبؔ، نظامیؔ، خاقانی، جلال اسیرؔ، اہلی شیرازی، اور خواجہ حافظ جیسے مسلم الثبوت ایرانی اساتذہ کی گرفت کی اور اکثر بجا کی۔ جنہوں نے صاحب برہان قاطع کو مردود، قتیل کو کھتری بچہ اور اُلو کا پٹھا۔ مُلا غیاث الدین صاحب غیاث اللغات کو ملانے مکتبی (اور غیاث اللغات کو کتہ "حیض") عبد الواسع ہانسوی کو گھاکس اور دوسرے ہندی نژاد فارسی دانوں کو ان کی "جہالت" کی بنا پر اسی قسم کے رکیک الفاظ سے یاد کیا۔ جنہیں اپنی فارسی دانی پر بڑا ناز تھا۔ جو ایک ایک لفظ کو پورے غور و فکر اور کامل تحقیق کے بعد استعمال کرتے تھے ذرا اُن کی پنج آہنگ سامنے رکھیے اور اُن کی ٹھوکریں کھانے کا تماشا دیکھیے۔ جن غلطیوں پر دوسروں کو ٹوکتے تھے خود اسی قسم کی لغزشوں کا شکار ہوئے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

پنج آہنگ صفحہ ۱۳۳۔ مصارف راہ۔ مصارف یعنی اخراجات کا ٹھیٹھوں کی فارسی ہو تو ہو ایرانیوں کی نہیں وہ خرچ اور اخراجات بولتے ہیں۔

صفحہ ۱۴۰۔ نوید فراق دائمی۔ نوید اچھی خبر کو کہتے ہیں۔ فراق دائمی یعنی موت اور وہ بھی ایک دوست کی موت کی خبر کو نوید کہنا مرزا صاحب ہی کا حصّہ ہے۔

صفحہ ۱۴۴۔ ورق اشتہار۔ فارسی میں اعلان کہتے ہیں۔ اشتہار نہیں کہتے۔

صفحہ ۱۴۸۔ مثل مقدمہ۔ اس معنی میں مقدمہ ہندوستانی ہے ایرانی مرافعہ کہتا ہے۔

صفحہ ۱۶۵۔ در عرصۂ سہ روز۔ عرصہ یعنی مدت اُردو ہے۔ فارسی میں عرصہ کے معنی میدان کے ہیں۔

صفحہ ۱۶۹۔ شادی جواہر سنگھ۔ شادی یعنی بیاہ اُردو ہے۔ فارسی میں عروسی کہتے ہیں۔

صفحہ ۱۵۷۔ ملازمت۔ یعنی نوکری اُردو ہے۔ فارسی میں خدمت، نوکری اور استخدام کہتے ہیں۔

اس کے ساتھ مرزا صاحب کا یہ شعر بھی رکھنے کے قابل ہے۔

غلطہائے مضامین مت پوچھ ۔ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

غلطی فارسی میں نہیں آتا۔ اردو میں البتہ بولتے ہیں مرزا صاحب نے غلطی کی جمع فارسی کے قاعدے سے غلطیہا بنائی یہ ایک غلطی۔ اور پھر اسی پر اکتفا کی بلکہ اس کے ساتھ اضافت کا استعمال بھی جائز رکھا اور "غلطہائے مضامین" کہا یہ دوسری غلطی۔

اب اگر ان علامہ لوگوں سے کوئی پوچھے کہ مرزا صاحب جیسے مسلم الثبوت استاد سے کہ وہ حالی جیسے مسلم الثبوت استاد کے استاد تھے اس قسم کی غلطیاں کیونکر سرزد ہوئیں تو سوائے اس کے کہ وہ بغلیں جھانکنے لگیں اور کوئی جواب اُن سے نہ بن پڑے گا۔ لیکن یہی سوال اگر کوئی ہم سے پوچھے تو ہم بلا تامل کہہ دیں گے۔ کہ مرزا غالب انسان تھے۔ اور سہو و خطا لازمۂ بشریت ہے۔ لہٰذا اُن سے غلطی ہو گئی لیکن اس غلطی سے عظمت و بزرگی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

اس محل پر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ پیروی مغرب کے بجائے پیروی مغربی کہنا کوئی ایسی باریک غلطی نہیں کہ مولینا حالی کے لئے اُن کا سمجھنا دشوار ہو۔ یہ ایک بالکل اتفاقی امر ہے کہ مولینا کی نظر اس طرف نہیں گئی اور وہ اپنی لاعلمی میں پیروی مغرب کے بجائے "پیروی مغربی" لکھ گئے۔

جو حضرات "پیروی مغربی" کے معنی ایران کے مشہور شاعر "مغربی تبریزی کی پیروی" لیتے ہیں۔ وہ یا تو مولینا حالی کے حالات و خیالات سے واقف ہی نہیں۔ یا جان بوجھ کر انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نہ صرف اس قدر بلکہ وہ اس حقیقت کو بھی بھول جاتے ہیں کہ مولینا حالی کی شاعری کا ایک معتد بہ حصّہ ایسا ہے جس میں یقیناً مغرب کی

اُجِق کسی پر نیا چاند ہوا۔ جب جاہلیت میں عرب ستاروں کی تعظیم بلکہ ستارہ پرستی کرتے تھے۔ تو ہر مہینے کے چاند کے دیکھنے سے خوشی ہو کر اسکی تعظیم

کر کے آواز بلند کرتے تو کبھی اس میں اپنے بتوں کے نام بھی لگاتے۔ تو اس واسطے ایسے پکارنے کا نام اہلال ہو۔ پس چاند دیکھ کے ان کے پکارنے کے

باب میں اہلال کا استعمال لغوی ہے۔ اور پیدا ہوئے بچے کے پہلے چلا رونے کے باب میں اہلال کہنا مجازی علاقے سے تشبیہ کے نئی حالتی

جہت سے۔ اسی طرح لبیک پکارنے کے مقدمے میں اہلال مجاز ہے۔ تو تعظیم و تقرب کے علاقے سے بکثرت استعمال سے اہلال عام ہوا۔ تعظیم و تقرب

سے پکارنے کے باب میں اور وہ متعدی ہوتا ہے۔ تین مفعول طرف ہوتا وہ لفظ جس کو اہلال کرنے کے وقت میں بولتے ہیں دو مراد وہ شی جس

پر اہلال ہوتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کی تعظیم کے واسطے اہلال ہوتا ہے۔ پس اہلال ما تقدیر مفعول اول کی طرف باء سے ہوتا ہے۔ اور دوسرے کی طرف علیٰ

تیسرے کی طرف لام سے۔ جیسا کہ اہل بالسنۃ علی الذبیحۃ لاللہ۔ تب ان کے عرف میں اہلال کی تمام ماہیت یہ ٹھیری۔ کہ کسی چیز پر کسی کا نام

پکارنا۔ اسکی تعظیم و تقرب سے۔ پھر اگر کوئی شخص کسی گائے کو زید کی گائی کہے اور پکارے۔ اور مشہور کرے بھی یا بھوتی اضافہ و نسبت سے بتانا

مقصد اسکی تعظیم و تقرب کے تو یہ کام اہلال نہ ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص جانور وغیرہ کو غیر اللہ کی تعظیم کے واسطے چھوڑے لیکن بالکل اظہار نام

تو ظاہر میں اہلال نہ ہوا۔ اسی طرح اگر کوئی تخصیص کرے تو سمجھے۔ کہ نفس الامر میں حرام اور شرک ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص غیر اللہ کی تعظیم و تقرب کیلئے

نذر و نیاز کرے۔ یا جانور پالے۔ ظاہر میں لوگوں کو بتلانے خالص اللہ کا نام لے تو یہ بھی ظاہراً اہل لغیر اللہ نہ ہوا۔ اگرچہ نفاق و شرک ہوا

کے طور پر اللہ کا نام کہا جاوے۔ حقیقت میں ذبح غیر اللہ کے نام ہوا۔ ظاہر میں اللہ کا نام لیا گیا۔ باطن میں غیر اللہ کا۔ اور ظاہر ہے کہ نیت پر

انحصار عمل ہے۔ کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ایک کتاب میں کئی حدیثیں

پیغمبر خدا کی لکھوا کر رکھی تھیں سو تھی لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ غَیَّرَ مَنَارَ الْاَرْضِ۔ یعنی لعنت کرے اللہ اسکو جس نے لعنت کی اپنے ماں

باپ کو۔ اور لعنت کرے اللہ اس کو جسنے ذبح کیا اللہ کے غیر کیلئے۔ اور لعنت کرے اللہ اسکو جسنے جگہ دی شرع کے خلاف بدعتی کو

مارے کو۔ لعنت کرے اللہ اس کو جس نے بدل دیا زمین کی حد بندی کو۔ روایت کی اسکو امام احمد اور مسلم اور نسائی نے جیسا

انہیں میں کی یہی ہے۔ ف یعنی لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا

یہ بھی انہیں کاموں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اپنی تعظیم سے ٹھیرائے ہیں۔ اور یہ ف غیر کی تعظیم کیلئے ذبح کرنا ہی شرک کی بات ہے

ش۔ اور اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَمَا اُھِلَّ

لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّیَةُ وَالنَّطِیْحَةُ وَمَا اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ۔ وما اہل لغیر اللہ کی حرمت کو اللہ تعالیٰ نے اس سے چار جگہ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے دوسرے جزو کے

پانچویں رکوع میں اور آٹھویں جزو کے پانچویں رکوع میں اور چودھویں جزو کے اکیسویں رکوع میں۔ فائدہ جاننا چاہیئے۔ کہ اہلال مشتق ہے ف ١٢٩

خاص یہ کہتے ہیں کہ اَھَلَّ فُلَانٌ نیا چاند دیکھا فلانے نے اُھِلَّ الشَّھْرُ ہلالی مہینے کا چاند نظر آیا۔ مہینا شروع ہوا

حق کے اس بد رسم کے جاری ہونے کے باعث ہوتے ہیں۔ اور رسول کے دشمن اس وجہ سے کہ آپ کی دعوت کو جو اصل توحید اور اتباع سنت ہے

تھا اس کو اچھی طرح چلنے نہیں دیتے۔ اس وقت اس سے بڑھ کر اور کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ دشمن کئی طرح کے ہوتے ہیں ایک تو جان لینے کے۔

دوسرے مال ضائع کرنے کے۔ تیسرے آبروریزی کرنے کے۔ چوتھے منصب اور عہدے اور حکومت کے لوازم چلنے نہیں دینے کے۔ پانچویں دین کے

قاعدے کی باتیں چلنے نہیں دیتے۔ کہ منکر کے شعار بنتی جاتی ہیں۔ سو چوتھے اور پانچویں قسم کے دشمن ہیں آنحضرت کے۔ کیونکہ نبوت کے

حکموں کو اور دین کے قاعدوں کو اچھی طرح چلنے نہیں دیتے۔ جیسے اخرج مسلم عن ابی الطفیل ان علیا رضی اللہ عنہ اخرج صحیفة

فیها لعن الله من ذبح لغير الله مسلم نے ذکر کیا۔ کہ ابو طفیل نے نقل کیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک کتاب نکالی

اس میں لکھا تھا۔ کہ لعنت کرے اللہ اس شخص پر۔ کہ ذبح کرے واسطے غیر اللہ کے ف یعنی جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور کے نام کا جانور

ذبح کرے۔ سو وہ ملعون ہے۔ ف جانور ذبح کرنا انکی اصطلاح میں دو معنی پر بولا جاتا ہے۔ کہ کسی جانور کو کسی بزرگ کے نام پر نذر کر کے ذبح کرنا

میں اس کو ذبح کرنا مقصود نہیں۔ دوسرا یہ کہ کسی جانور کو کسی بزرگ کے نام پر نذر کر کے چھوڑنا پھر اس بزرگ کی خوشنودی کیلئے

ذبح کرنا اور جن قیدیوں سے اس بزرگ کی روح کو خوش ہونا اپنے عقیدے میں مقرر ہو اسی تفصیل سے کرنا کہ تا مقصد پایا جاوے

کسی بزرگ کے نام کا جانور کرتا ہے سو اسی بزرگ کی تعظیم اور تقرب کی نیت سے ذبح کرنا اور کروانا ہے اگرچہ ذبح کے وقت مقرری عادت

[illegible]

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِکِیْنَ وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ
مِنْ اُمَّتِی الْاَوْثَانَ۔ مشکوٰۃ کے کتاب الفتن میں لکھا ہے۔ کہ ترمذی نے ذکر کیا۔ کہ نقل کیا ثوبان نے کہ فرمایا پیغمبر خدا نے کہ نہیں آئیگی قیامت
یہاں تک کہ مل جاوے کئی گروہ میری اُمت میں سے مشرکین میں اور یہاں تک کہ پوجنے لگیں میری امت میں سے تھانوں کو۔ ف یعنی
شرک دو طرح ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کسی کے نام کی صورت بنا کر پوجے۔ جس کو عربی زبان میں صنم کہتے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ کسی کا تھان
مانیے۔ یعنی کسی مکان کو درخت کو یا کسی پتھر کو یا لکڑی کو یا کاغذ کو کسی کے نام کا ٹھہرا کر پوجے۔ اس کو عربی زبان میں وثن کہتے ہیں جیسے
وثن ہے۔ قبر کا اور کسی کا چلہ اور لحد رکھنا کسی کے نام کا چھڑی اور تعزیہ اور علم اور شدہ امام قاسم کی اور پیر دستگیر کی مہندی امام کا مقبرہ اور شادہ اور
پیروں کے بیٹھنے کا چلہ اور سالار کی چھڑیاں کہ لوگ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور منتیں چڑھاتے ہیں۔ اور منتیں مانتے ہیں۔ اور اسی طرح سب کے نام کا
طاق اور نشان اور اسی طرح اپنے مکان ہر ایک کے نام سے جیسے سیتلا کا تھان یا بھوانی یا کالی کا تھان۔ غرض پیغمبر خدا نے خبر دی ہے کہ ان
جو قیامت کے نزدیک ہو جاوینگی۔ تو اول شرک اسی قسم کا ہوگا ایسی چیزوں کو ملینگے۔ بخلاف ان شرکوں کے جیسے ہندو یا مشرکین
عرب کہ اکثر صنم پرست ہیں۔ یعنی مورتوں کو مانتے ہیں۔ اللہ سے پھرے ہوئے اور رسول کے دشمن تھے وہ اگلا فرقہ بھی ان کا پچھوڑا بنا ہوا ہے ١٨٦
ہے کہ من وجہ اللہ سے پھرے ہوئے ہیں۔ اسکی توحید میں تھانوں وغیرہ کے پوجنے سے آپ خلل ڈالتے ہیں اور آئندہ

کو نقل کیا معاویہ نے کہ رسول خدا نے فرمایا کہ جس شخص کو خوش آوے یہ کہ تصویر کی طرح کھڑے رہیں لوگ اس کے روبرو سو ٹھیرالیوے اپنا ٹھکانا دوزخ
میں ف یعنی جو شخص چاہے کہ اس کے روبرو لوگ ہاتھ باندھ کر کھڑے رہیں نہ ہلیں جلیں نہ بولیں نہ ادھر ادھر دیکھیں بلکہ تصویر کیطرح کھڑے رہیں
سو وہ شخص دوزخی ہے۔ کیونکہ یہ تعظیم اللہ کی خاص ہے۔ کہ اس کے بندے اس کے سامنے نماز میں ہاتھ باندھے ادب سے کھڑے رہتے ہیں موافق اس ارشاد
کے بموجب کہ وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ مر سو وہ اپنے لئے چاہتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ کسی کی محض تعظیم کے واسطے اس کے روبرو ادب سے
کھڑے رہنا انہیں کاموں سے ہے۔ کہ اللہ نے اپنی تعظیم کیلئے ٹھیرائے ہیں۔ سو اور کسی کیلئے نکیا چاہئے۔ ف۔ اس واسطے صحابہ کی بہت
میں ثابت نہیں ہوا۔ کہ وے اس طرح سے ہاتھ باندھکر حضرت کے سامنے کھڑے رہا کرتے تھے حالانکہ ان بزرگوں کے پاس کوئی آدمی حرمت
اور بزرگی میں حضرت کے برابر نہ تھا۔ اور وے سب حضرت کی جناب سے تربیت پائے اور ادب سیکھے ہوئے تھے جب انہوں نے ایسا نہیں کیا
پھر جو لوگ ان کے بعد ایسی رسمیں نکالیں کے شہرت دینی ہو سو سند پکڑنے کے لائق نہیں۔ بدعتیوں کا اعتراض ہے۔ کہ کسی مکرم بزرگ کے
پاس اگر ہاتھ باندھکر نہ کھڑے رہے تو کیا بیٹھ جاتے یا لیٹ جاتے۔ انکا جواب یہ ہے کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملاقات میں بعض
جو کچھ صحابہ کرتے تھے۔ اور روایت صحیح سے ثابت ہوا ہے۔ وہی بزرگوں کی ملاقات اور زیارت میں بھی کرنا اس سے زیادہ کا حکم
شریعت مقدسہ میں نہیں ہے۔ لوگوں کی تراشی ہوئی بدعت سے ہم کو کچھ کام نہیں ہے۔ اَخْرَجَ التِّرْمَذِیُّ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ

پھر پادری نہ پنڈت کے ماننے کی کیا کہئے۔ اس کے کفر میں کس کو شک ہے۔ مگر جو نام کے مسلمان نصاری اور ہندؤوں کی صحبت میں
پرورش ہوئے ہیں۔ سو ان کے پادریوں اور پنڈتوں کی پوچ باتوں کو معقول سمجھا کرتے ہیں۔ خصوصاً پنڈتوں کی نجوم کی باتیں اور ٹونوں کی
اور چھینکوں کی فال اور دوسرے مبارک نامبارک کے مقدمات جو شادیوں اور غموں میں ہند کے مسلمان کہلانے والوں کے بیاہ شادی میں
زیادہ رواج رکھتی ہیں اور انکی شرارت کا نتیجہ بھی انہی رسموں پر پڑا ہے۔ اس واسطے سب کفر کے کام ہیں۔ اسی مضمون مصنف نے تو ہر سال ف ۱۷۴
کے فروع کا یہ درجہ بیان کیا ہے۔ اور اس کے ماننے کی ایسی تاکید لکھی ہے۔ پھر وہ لوگ جو اس کو رسول کی توہین کرنے والا کرکے
بدنام کیا ہے سو بیشک جھوٹے اور عاقبت خراب ہیں۔ مسلمان پر جھوٹے بہتان کرنے کی برائی حدیث کی رو سے پہلے لکھی گئی
دیکھ لیجئے۔ اور اس کے سوا یہ حدیث ہے کہ ۱۔ اِعفُوا السنتکم عن المسلمین واذا مات احد منھم فقولوا فیہ
خیراً رواہ الطبرانی فی معجمۃ الکبیر عن سھل بن سعد۔ یعنی اٹھا لیو اپنی زبانوں کو یعنی بند کرو اپنی
زبانوں کو مسلمانوں سے یعنی ان کو برا کہنے سے اور جب مر جائے۔ ان میں سے کوئی ایک تو کہو اس کے باب میں بھلا اخرج الترمذی
وابوداؤد عن معاویۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من سرہ ان یتمثل لہ الرجال
قیاماً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ مشکوۃ کے باب القیام میں لکھا ہے کہ ترمذی اور ابوداؤد نے ذکر کیا۔ کہ

ہر کرن خواں خلاف شرع اشعار کو کسی بزرگوں کی طرف نسبت دیکھے اسی کو اپنا امام بنائے۔ اعتقاد ٹھیرا لیا ہے۔ افسوس شریعت برباد ہو تو

ہو پر ان کے اعتقاد میں فرق نہ آوے اور بعضے کچے طالب العلم جنہوں نے فقہ کا نام سیکھ کر رکھا ہے۔ سو سمجھتے ہیں کہ مجتہدوں کے استحسان اور استصحاب کے آگے

بلکہ ان کے خطائی اجتہاد کے مقابلہ میں حدیث صحیح صریح غیر منسوخ نہ قبول کیجے۔ اس سے زیادہ عجب یہ ہے کہ غیر مجتہد فقہ نویسوں کی

الٹی باتیں اور ضعیف کتابوں کے غلط مسئلے اور خوشامد گو اور حاسد اور دنیا طلب اور الٹے فتوے دینے والے بدعت پسند ملاؤں کے

فتوی پیغمبر کے معتبر حدیثوں سے بھی زیادہ معتبر جانتے ہیں۔ اور آج ان پر عمل جاری ہے۔ سبحان اللہ کیا نفع والی ہے امام اعظم نے

تو فرمایا ہے۔ کہ لا یجوز لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا۔ یعنی جائز نہیں کسی کو ہمارے

کہے پر فتوی دینا جب تک کہ نہ جانا ہو کہ ہم نے کہاں سے کہا۔ اور اس امام سے اور امام شافعی سے صحیح روایت ہے فرمایا کہ اذا

صح الحدیث فاضربوا بقولی هذا الجدار یعنی جب صحیح حدیث آوے۔ تو میرے کہے کو دیوار پر پھینک مارو اور

امام ابو یوسف نے اپنے آخر وقت میں فرمایا کہ میں نے جو جو فتوے دیے ہیں۔ سب سے پھر گیا پر ان فتووں سے نہ پھرا جو

قرآن و حدیث کے موافق ہیں۔ بس علما کی بہت سی سندیں ہیں۔ یہاں اتنی بس ہیں۔ یہاں سے بدعت اور بدعت کو سنت

نبوی کے مقابل میں ٹھہرانے کی برائی اور بادشاہی دستور العمل کو شرعی قاعدوں پر برسائی دینے کی قباحت ظاہر ہے

کی یا ماں باپ کی یا دادوں کی یا کسی بادشاہ وزیر کی یا پادری پنڈت کی بات کو اور کسی راہ و رسم کو اللہ و رسول کے فرمانے سے مقدم سمجھے
اور آیت و حدیث کے مقابلے میں اپنے پیر استاد ماں باپ دادا کے قول کی سند پکڑے اور خود پیغمبر ہی کو یوں سمجھے کہ شرع انہیں کا حکم ہے۔ ان کا جو جی چاہتا تھا
اپنی طرف سے کر دیتے تھے۔ اور وہی بات انکی امت پر لازم ہو جاتی تھی۔ سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ ش یعنی شرک فی التشریع
بلکہ یوں جانیے۔ کہ اصل حاکم اللہ ہی ہے۔ اور پیغمبر ش کا مفہوم ہے جو خبر دینے والا ہے۔ پھر جو کسی کی بات اس کی خبر کے موافق ہو تو مانیے،
اور جو موافق نہ ہو تو نہ مانیے۔ ش از بسکہ مصنف نے ہر مسلمان کو توحید اور شرع اور اتباع سنت پر اطلاع دینے کے واسطے یہ کتاب لکھی ہے اس واسطے ف ١٧٣
اس میں ایسی باتیں لکھیں کہ ہر طور ہر مسلمان کے کام آوے۔ جب رافضیوں کا فرقہ اماموں کے قولوں کو اپنی جھوٹی بھی روایتوں سے ثابت ٹھہرا کے
حدیث صحیح صریح غیر منسوخ پر بیش جانتے ہیں بلکہ امام مہندی کے جعلی دستخط کے رقعوں میں جو فتوے ہیں جو ایسی حدیثوں میں اور خلاف سمجھتے ہیں
چنانچہ مولانا عبدالرشید نے اسبات کو شیعہ کے سفیروں کے احوال میں بیان فرمایا ہے۔ اس واسطے مصنف نے یہاں امام کی بات کو رسول کی بات پر بڑا
جاننے کی برائی بتلادی۔ اسیطرح پیر پرست لوگ اپنے پیروں سے خلاف خواہ نقلیں روایتیں مشہور کرکے حدیث صحیح اور صریح غیر منسوخ سے بھی زیادہ
سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ پیر سچ مچ غوث قطب ہو دیں یا جعلی جیسے مداریے اور جلالیے اور ملحد تمام آزاد اور کئی پوش زندیق۔ عجب یہ ہے کہ
کہ بعضے چشتیے کہتے ہیں۔ کہ نظام الدین اولیا نے الست بربکم کے خطاب کو عالم ارواح میں پوربی کی راگنی میں سنا تھا۔ اور کئی ملا میں

میں کہا ہے فرقۂ دوازدہم از غلاۃ آنہا نصیریہ اند گویند کہ حق تعالیٰ بعد از پیدائش دنیا امور دنیا را تفویض بہ پیغمبر فرمودہ و ہر چہ در دنیاست برائے او مباح ساخت

وطائفہ ازیشاں قائل اند کہ بر بعضے و بعضے بر ہر دو انتہی گویا انہوں نے یہ عقیدہ نصرانیوں سے لیا ہے جو عیسیٰ کو خدائی کا مختار سمجھتے ہیں اور بت پرستوں سے

چنانچہ ہندو برہما بشن مہیش کے باب میں ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور یونان کے بت پرست جوپیٹر وغیرہ کے باب میں اور آتش پرست یزدان وغیرہ عقول و نفوس

ف ١٧١ اور ستاروں کے باب میں مراد جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی کام کے مختار نہیں۔ سو ایسا شخص کہ اس کا نام محمد یا علی ہو اور اس کے اختیار میں عالم

کا سب کاروبار ہو حقیقت میں کوئی ایسا شخص نہیں۔ بلکہ محض اپنا خیال ہے سو اس قسم کے خیال باندھنے کا اللہ نے تو حکم نہیں دیا پھر

اور کسی کا حکم اس کے مقابل معتبر نہیں بلکہ اللہ نے تو ان سے خیالات باندھنے سے منع کیا ہے۔ پھر وہ کون ہے اور کہاں کے کہنے

سے ایسی باتوں کا اعتبار ہو۔ یہی اصل دین ہے۔ کہ اللہ ہی کے حکم پر چلیئے۔ نفس۔ یعنی رسول کی تابعداری پر کہ وَمَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ

فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔ اور کسی شخص کا حکم اس کے سامنے ہرگز نہ مانیئے۔ لیکن اکثر لوگ یہ راہ نہیں چلتے۔ بلکہ اپنے بڑوں کی رسموں کو اللہ

کے حکم سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی راہ و رسم کو ماننا اور اس کے حکم کو اپنی سند سمجھنا یہ بھی انہیں باتوں

میں سے ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائی ہیں۔ پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے۔ تو اس پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے

سو اللہ کے حکم پہنچنے کی راہ بندوں تک رسول ہی کی خبر دینا ہے۔ پس جو کوئی کسی امام یا مجتہد کی یا غوث و قطب کی یا مولوی و مشائخ

اور سید الاولیا کے بارے میں کارخانہ الٰہی کے مختار ہونے کی رسول سے خبر نہیں آئی - تو اور کس سے خبر آئی - پھر جس جوان کا مول کا مختار ہے
اس کا نام اللہ ہے - محمد یا علی نہیں - اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کے فقرہ صادقہ سے اور کُلُّ عَبْدٍ لَیْسَ بِفَاعِلٍ
مُخْتَارٍ کے واجب الاعتقاد مقدمہ سے یہ نتیجہ نکلا - کہ خود سید المرسلین فاعل مختار نہیں - پھر سارے کارخانہ الٰہی کے فاعل مختار ہونا تو
جدی بات ہے - پھر حضرت علی کیونکر مختار ہو سکیں اس جہت سے رسول مختار کا معنی پیغمبر برگزیدہ ہے - نہ کارخانہ کے مختار - اسی مضمون
میں کسی بزرگ نے کہا ہے کریم لعبدہٖ رسولہٗ مختلف اقرار + ہر بندہ بفعل خود نباشد مختار - پس معنی اصلی رسول مختار این
کہ پیغمبر گزین واوار پھر جو بعضی لوگ نہایت غلو کرکے ان حضرتوں کو کارخانہ الٰہی کے مختار سمجھتے ہیں سو محض خیال ہے - اور اپنے
خیال میں ایسے مختار بزرگوں کو بغیر الیکر مشہور بزرگوں کے نام ان پر رکھ دیتے ہیں چنانچہ رافضی لوگ امام علی موسیٰ رضا کو رزق دینے
سلامتی کے نگاہبانی کے ضامن ٹھہراتے ہیں اور اکثر سالگرہ کرنے والے بدعتی خواجہ خضر کو عمر درازی کے مالک تصور کرکے ان کا نام
پیر عمر دراز رکھتے ہیں اور گرہ کے وقت عمر کی درازی کے واسطے ان کو مناکر مٹھائی اور انکی ضعیفی سے منہ میں دانت نہ رہنے کے خیال سے
مالیدہ اور لونڈیاں انکی نیاز کرتے ہیں اور اکثر بدعتی سنی کہلانے والے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور شیعہ غالی اور نصیری نے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کو سبھی کارخانہ جات الٰہی کے مختار سمجھتے ہیں جو یوں نہ سمجھے اس کو کافر کہتے ہیں چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز قدس سرہٗ نے تحفہ اثنا عشریہ

مثالاً ہی یعنی انگریزی شاعری کی تقلید کی گئی ہے اسکے برعکس اُن کے پورے کلام میں چند شعر بھی ایسے نہیں ملتے جن میں مسئلہ حدوث وجود کو نظم کیا گیا ہو کہ صرف یہی مسئلہ مغربی تبریزی کا سرمایہ افتخار ہے اور جب تک کوئی اس مسئلہ خاص کو اپنی شاعری کا موضوع نہ بنائے اُسے مغربی کا مقلد کہنا مذاقِ صحیح کی آنکھوں میں خاک جھونکنا ہے۔ آئیے اب ہم آپ کو مختصراً وہ حالات بھی سنائیں جو حالی کی روائتی شاعری میں انقلاب کا باعث ہوئے اور انہوں نے میر و مصحفی کی پیروی ترک کرکے یورپ کی تقلید شروع کی۔

"شیفتہ کی وفات کے بعد حالی جہانگیر آباد کو چھوڑ کر لاہور چلے گئے اور یہاں گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازم ہو گئے یہیں وہ تراجم کے ذریعے مغربی ادب سے روشناس ہوئے اور اُنکی طبیعت پر اس کا نہایت خوشگوار اثر پڑا۔ یہیں سے اُن کی ادبی زندگی میں انقلاب شروع ہوا۔ انگریزی شاعری کی وسعتیں اور اس کی سادگی، پاکیزگی اور بلندی انہیں بہت بھائی اور انہوں نے ان چیزوں کو اردو میں رائج کرنے کا تہیہ کر لیا" (تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ۔ صفحہ ۲۱۳۔ انگریزی)

"مولینا بحیثیت ایک شاعر کے اول اول ۱۸۷۴ء میں پبلک سے روشناس ہوئے جب کہ آپ نے پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو کی ملازمت کے زمانے میں چار مثنویاں۔ برکھارت، نشاطِ امید، حب وطن، اور مناظرہ رحم و انصاف اُس مشہور و معروف تاریخی مشاعرے میں پڑھیں جس کو کرنل ہالرائڈ صاحب بہادر ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی زیر سرپرستی شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے قائم کیا تھا اور جس میں بجائے مصرع طرح کے مختلف مضامین دیے جاتے تھے جن پر شعرا طبع آزمائیاں کیا کرتے تھے" (دیباچہ جواہرات حالی۔ از خواجہ غلام الحسنین)

یہ ہیں اُن حالات میں سے بعض جو مولینا حالی کے خیالات میں انقلاب کا باعث ہوئے۔ اب خود مولینا کی زبان سے اُن کے خیالات سنیئے

"باغ جوانی کی بہار اگرچہ قابل دید تھی مگر دنیا کے مکروہات سے دم لینے کی فرصت نہ ملی نہ خود آرائی کا خیال آیا نہ عشق و جوانی کی ہوا لگی نہ وصل کی لذت اٹھائی نہ فراق کا مزا چکھا البتہ شاعری کی بدولت چند روز جھوٹا عاشق بننا پڑا۔ ایک خیالی معشوق کی چاہ میں برسوں دشتِ جنوں کی وہ خاک اڑائی کہ قیس و فرہاد کو گرد کر دیا۔۔۔ کبھی نالۂ نیم شبی سے ربع مسکوں کو ہلا ڈالا۔ کبھی چشم دریا بار سے تمام عالم کو ڈبو دیا۔۔۔ بارہا تیغ ابرو سے شہید ہوتے۔ بارہا ایک ٹھوکر سے جی اٹھے میدانِ قیامت میں اکثر گذر ہوا۔ بہشت و دوزخ کی بارہا سیر کی۔ بادہ نوشی پر آئے تو خم کے خم لنڈھا دئے اور پھر بھی سیر نہ ہوئے۔۔۔ کفر سے مانوس رہے، ایمان سے بیزار رہے، پیر مغاں کے ہاتھ پر بیعت کی برہمنوں کے چیلے بنے۔ بت پوجے۔ زنار باندھا۔ قشقہ لگایا۔ زاہدوں پر پھبتیاں کہیں۔ واعظوں کا خاکہ اڑایا۔ دیر و بیت خانہ کی تعظیم کی کعبہ و مسجد کی توہین کی خدا سے شوخیاں کیں۔ نبیوں سے گستاخیاں کیں۔۔۔ بیس برس کی عمر سے چالیسویں سال تک تیلی کے بیل کی طرح اسی ایک چکر میں پھرتے رہے اور اپنے نزدیک سارا جہان طے کر چکے جب آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ جہاں سے چلے تھے اب تک وہیں ہیں۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو دائیں بائیں آگے پیچھے ایک میدان وسیع نظر آیا جس میں بیشمار راہیں چاروں طرف کھلی ہوئی تھیں اور خیال کے لئے کہیں عرصہ تنگ نہ تھا جی میں آیا کہ قدم آگے بڑھائیں اور اس میدان کی سیر کریں۔ مگر جو قدم بیس برس تک ایک چال سے دوسری چال نہ چلے ہوں اور جن کی دوڑ گز دو گز زمین میں محدود رہی ہو اُن سے اس وسیع میدان میں کام لینا آسان نہ تھا اسکے سوا جن کلوں کا بیکار اور نکمی گردش میں ہاتھ پاؤں چور ہو گئے تھے۔ اور طاقتِ رفتار جواب دے چکی تھی لیکن پاؤں میں چکر تھا اسلئے نچلا بیٹھنا بھی دشوار تھا چند روز اسی تردد میں یہ حال رہا کہ ایک قدم آگے بڑھتا تھا دوسرا پیچھے ہٹتا تھا۔۔۔ زمانہ کا نیا ٹھاٹھ دیکھ کر پرانی شاعری سے جی سیر ہو گیا تھا اور جھوٹے ڈھکوسلے باندھنے سے شرم آنے لگی"۔ (دیباچہ مسدس حالی)

"کچھ تعجب نہیں کہ اس مجموعے کو اور نیز اُن نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں دیکھ کر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہو کہ ان میں نئی بات کونسی ہے نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں اور نہ طرز بیان ہی میں کوئی ایسی جدت ہے جس سے کبھی کان آشنا نہ ہوئے ہوں پس اُن کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ بیشک طرز ادا میں وہ بہت کم فرق پائیں گے اور گو پیالے وہی ہیں مگر شراب اور ہے (دیباچہ دیوان حالی)

ضمناً یہ بھی جان لینا چاہئے کہ مولینا حالی ۱۸۳۷ء میں پیدا

مَن تَشَاءُ وَتُعِزُّ تَنزِعُ المُلكَ مِمَّن تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الخَيرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ

تُولِجُ اللَّيلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيلِ وَتُخرِجُ الحَيَّ مِنَ المَيِّتِ وَتُخرِجُ المَيِّتَ مِنَ الحَيِّ وَتَرزُقُ مَن تَشَاءُ

بِغَيرِ حِسَابٍ ۔ تو کہہ اے بار اللہ مالک ملک کے خاوند پادشاہی کے دیتا تو پادشاہی جس کو چاہتا اور چھین لیتا پادشاہی جس سے چاہتا اور

بڑائی دیتا تو جس کو چاہتا ہے ۔ اور بے عزت کرتا ہے ۔ تو جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ بھلائی ہے ۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

گھساتا ہے رات دن میں اور گھساتا ہے دن کو رات میں اور نکالتا ہے تو جیتے کو مردے میں اور نکالتا ہے تو مردے کو جیتے میں سے تو

جس کو چاہتا ہے ۔ سو اس کو روزی دیتا ہے بے گنتی ۔ حاصل ان سب آیتوں کا یہ نکلا ۔ کہ جن لوگوں کو اقسام کی حرص طمع ہے

غیب معلق کی تلاش پادشاہی اور حکومت کی خواہش عزت طلبی اور ذلت کا دفع ہر طرح کی خوبی کی توقع ۔ بہبودی کی امید مقصد مراد دل کے

پوری کر دینا زمانے کو خاطر خواہ بنا دینا ۔ اچھی اولاد دینی یا بدخواہوں کی اولاد کو برے بنانا اور روزی کی ترقی کرنی یہ سب اللہ ہی کے اختیار

میں ہیں حضرت نے اللہ کے حکم سے امت کو یہ سب باتیں کہہ سنا دیں اس پر بھی کوئی شعبدہ طالع بن بیٹھے ۔ تو حضرت کی بات سے ۵

باب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد ۔ گلیم بخت کسے کہ بافتند سیاہ + تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان

تشنہ می آرد سکندر را + اور اسی طرح آنحضرت نے حضرت علی کے باب میں بھی کارخانہ الہی کے مختاری کی خبر دی جب حبیب سید الانبیاء اور

خیال میں پڑے ہیں اور یوں نہ اللہ کے سوا کوئی کوئی ہے۔ اور نہ کسی کا یہ کام۔ اور جو کسی کا یہ نام ہے تو اس کو کسی کا رو بدل میں کچھ دخل نہیں ش
اس قاعدے میں مصنف نے کئی قاعدے صراحۃً سے یا اشارے سے بیان کئے ہیں۔ پہلا قاعدہ اللہ کا حکم بندوں تک پہنچنے کی راہ رسول ہی کا خبر
دینا ہے۔ اور کسی کا خبر دینا نہیں پھر جو کسی کی بات رسول کی خبر کے موافق ہو تو مانیئے جو موافق نہ ہو تو نہ مانیئے چنانچہ متن کے مقدمہ میں
بھی اس بات کی تصریح کی ہے۔ اور کہا ہے کہ اللہ و رسول کے کلام کو اصل رکھے اور جو اس کے موافق نہ ہو اسکی سند نہ پکڑیئے۔ انتہی دوسرا قاعدہ
جو کوئی کسی اور کے کہے کو رسول کے فرمودے پر مقدم سمجھے۔ اس پر شرک ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے خدا کے یہاں سے آیا۔ سو حکم پیاوے کی بات کو
مقدم یا برابر سمجھا۔ اور اس کو اختیار کیا۔ یہ تو عین شرک ہے۔ تیسرا قاعدہ جو کوئی یوں کہے کہ شرع خود پیغمبر کا حکم ہے الخ جو جی میں آیا تھا
اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے۔ اور وہی بات انکی امت پر لازم ہو جاتی تھی سو ایسا سمجھنے والے پر بھی شرک ثابت ہوتا ہے چوتھا قاعدہ
پیغمبر نے امت کو نہیں خبر دی ہے۔ کہ خدا نے مجھے اپنے کارخانہ کا سونپ دیئے۔ اور ہر کام کا مختار بنایا۔ اگر یہ خبر آئی ہوتی تو ساری
امت پر اس کا ماننا واجب ہو کر ایمان میں داخل ہوتا اور اہل سنت کے عقیدوں کی کتابوں میں مذکور ہوتا ہے جب یہ نہیں ہے تو وہ
بھی نہیں۔ علاوہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت کو فرماتا ہے۔ کہ قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ تو کہہ
کہ میں نہیں کہتا ہوں پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور میں غیب کو نہیں جانتا۔ اور یہ بھی ارشاد کیا ہے۔ کہ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي

ف ۱۴۴ ٹھہر چکے۔ ای سفو خدا کے واسطے ان باتوں کی داد دو۔ قال اللہ تعالیٰ یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ
الواحد القہار ما تعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموہا انتم وآباؤکم ما انزل اللہ بہا من سلطان
ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون اور کہا
اللہ صاحب نے سورہ یوسف میں کہ حضرت یوسف نے قید خانے میں او قیدیوں سے کہا کہ ای رفیقو قید خانے کے کئی مالک جدے بہتر ہیں
یا ایک اللہ زبردست ف یعنی یوسف علیہ السلام نے رب کو سنا کے بات کی دو شخص کے ساتھ سو کہا۔ کہ ہر چیز نہیں مانتے ہو۔ تم ورے اس کے
مگر کئی ناموں کو ٹھیرائے ہیں تمنے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے انکی کچھ سند نہیں حکم کسی کا سوای اللہ کے سوا اسنے
تو یہی حکم کیا ہے۔ کہ کسی کو اس کے سوا مت مانو سو یہی ہے۔ دین مضبوط۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ف یعنی اول تو غلام کو حق ہے
کئی مالک کا ہونا بہت برا۔ او نقصان رکھتا ہے بلکہ ایک مالک زبردست چاہئے۔ کہ سب مرادیں اس کی پوری کرے اور سب کام بنا
اس کے بنادے اور دوسرے یہ کہ ان مالکوں کی کچھ حقیقت ہی نہیں ہے کچھ ظہور اصل میں نہیں ہیں بلکہ آپ ہی لوگ خیال کرتے ہیں
کہ فلانے کام کے مختار کا نام ہے۔ اور فلانے کا یہ پھر آپ ہی ان کو مانتے ہیں۔ اور کاموں کے وقت پکارتے ہیں پھر یہی طرح ایک مدت
میں یہ رسم جاری ہو جاتی ہے اور پچھلے لوگوں کا خیال باپ دادوں سے سنتے سنتے زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے حالانکہ وے سب محض لغو

سو اس جانور کو اس جانور یا اس روح کیلئے چھوڑے اور کہے کہ میں نے اسکی نذر نہیں کی ہے۔ تو قرینہ دلالت کرتا ہے کہ صاف اسکی نذر کی ہے
کیونکہ احمد کبیر کی نذر گائی مقرر ہے اور شیخ سدو کی نذر بکرا پھر جو کوئی ادھر کی گائی ادھر کا بکرا کرے۔ اور کہے کہ میں نے نذر نہیں کی ہے
تو قرینے کی دلالت سے اسکی بات سننے کے لائق نہیں مگر یہ کہ دیسی گائی یا بکرے کو اور کام میں لگاوے۔ تاکہ اسکی سچائی ظاہر ہووے
اور یہ تو کہتے ہیں کہ یہ جانور ہم نے فلانے کی نذر نہیں کی ہے مگر ان کا جانور کہتے ہیں۔ سو اس واسطے کہ اس جانور کو ذبح کر کے محتاجوں کو کھلا دینگے
تاکہ اس بزرگ کو ثواب پہنچے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ بزرگ تمہارے کچھ محتاج نہیں۔ نہ تمہارا محتاج ثواب کے۔ لیکن تم انکے مرادیں بر لانیکی توقع
رکھتے ہو اس واسطے ایک جانور ویسے سبب کہہ کہہ اپنے کس طرح اشعب طماع کی سی رکھتے ہو۔ نہیں تو انبیاء کے بعد سب امت سے افضل ابوبکر صدیق
ہیں اور حضرت کے ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں اور امام ابو حنیفہ اور دوسرے امام مذہب کے پیشوا ہیں جب لوگوں کے مقصد بر لانیمیں مشہور نہیں ہیں
تو تم نہ انکی گیارہویں کرتے نہ چراغاں نہ جھنڈے نہ علم نہ ان کے نام کے جانور نہ بیڑی نہ بدھی نہ طوق نہ چوٹیاں نہ اور کچھ حالانکہ ان کے حق جو ہم میں
بہت ہیں سو اور بزرگوں سے بہت زیادہ ہیں۔ باوجود اس کے آپ ان سے منتیں نہیں کرتے۔ پھر کوئی بزرگ کیسی منت نہ مانے۔ تو اس کو
اس بزرگ کا منکر ٹھیراتے ہو۔ حالانکہ تم آپ تمامی انبیاء اور صحابہ اور امہات المومنین اور مجتہدین کی منت نکرنے سے بقول اپنے ہی سب کے منکر
ہو بیٹھے پھر دوسروں کو کیا کسی کے منکر کہوگے۔ تمہارے ہی قاعدے سے محمد یا چار یار پنج کے منکر نہیں ٹھیرے جب تک تم انکو کچھ نہ کھلاؤ

کام بن جاوے۔ تب وہ جاہل اتنا سونا روپا اس نیک مرد کے پاس لا کر کہے کہ حضرت شیخ آپ کی منت مانی تھی سو یہ لا دیا آپکی

یہ سونا روپا نذر ہے۔ وہ نیک مرد پھیرے تو یہاں علت اس جاہل ہی میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ سونا روپا کچھ کسی نذر کیلئے خاص نہیں ہے

وہ نیک مرد نذر چڑھنے کا علم نہیں کبھی ایسی علت چڑھانے کی چیز میں ہوا کرتی ہے۔ جیسا کوئی جاہل کسی گائے کے ماتھے کو صندل لگا کے

اس کے سینگوں اور گلے میں پھول باندھ کے کسی گمنام قبر کنبے کے لا کے ذبح کرے۔ تو یہ گائے کے نذر چڑھانے کی غرض سے اور وہ گائے نذر

کی صورت بن گئی۔ اہل دنیا اس کو قبول نہ کرینگے۔ اگرچہ وہ قبر نذر نیاز منت کرنے کی جگہ نہیں اور وہ بھیجنے والا کہتا ہے کہ یہ نذر نہیں کی ہے

کبھی یہ علت اس میں ہوا کرتی ہے جبکو سب لوگوں نے نذریں نیازیں منتیں چڑھانے کا علم ٹھیرا رکھا ہے پھر کوئی ویسے ہی کا مخصوص جانور

کیا ہو جیسا کہ سید احمد کبیر کی گائے اور شاہ مدار کی گائے اور حبیب یار کا مرغ اور شیخ سدو کا بکرا تو شبہ اس نے نذر کی ہے۔ کوئی دنیا والے

اس کو کھا لیگا۔ مگر یہ دنیا والوں کی بات نیاری ہے۔ اور انکو غیر اللہ کی نذر نیاز پیاری۔ اس تقریر سے صاف معلوم ہو چکا کہ جو مشکوۃ

وغیرہ کی روایت کے موافق سعد بن عبادہ انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ مرحومہ کے بعد ~~جو مشکوۃ وغیرہ کی روایت~~ کے موافق

ایک کنواں کھدوا کے ھذا لام سعد کہہ کر کے فرمایا تھا سوا یہ غیر اللہ کو نذر نیاز چڑھانے والو ہرگز تمہارے مدعا کے موافق نہیں

کیونکہ سعد رضی اللہ عنہم شرک و بدعت سے بہت دور تھے۔ اور انکی والدہ مرحومہ بھی۔ پھر یہ فرزند کے حق میں غیر اللہ کی نذر چڑھانے کے کسی ان کا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ملتا ہے ۔ و نیز گو اہل لغات حمزہ اور مردم کی اسمیں بہت سی پڑا اعتراض ہے کیونکہ ان کے کلام سے یہ نکلتا ہے ۔ کہ لغیر اللہ کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کر گیا ہو یہ لفظ کے واسطے کرکے تعبیر کی

جائے غیر کے نام سے ذبح پکار کے کہاں سے نکلا ۔ جو اعتراض کہ ان پر اہل کا ہوا تھا کہ بعینہ یہی اہل کے معنی سے تعبیر کر لینا اور لغیر اللہ کو اللہ کے غیر کے نام سے کر کے معنی کرنا اللہ کے کلام کو بدلنے کے ترجیح

یعنی معنی تو اپنے بات کے لازم پر نظر کر کے نئے معنی لئے ہیں کیونکہ کسی جانور پر کسی کا نام تعظیم سے پکارا جانا یہ ہے کہ یہ جانور فلانے بزرگ کا ہے ۔ تو اگر یہی لازم تھا کہ اس جانور کو ذبح کر کے

اس بزرگ کی نیاز میں صرف کیجئے ۔ بنا بریں یہ معنی عرب کے مشرکوں میں مروج تھا ۔ اور اسکے کئی بت پرستوں میں اور اکثر بدعتیوں میں مروج ہے ۔ اسی لحاظ سے اہل کا معنی ذبح کیا گیا کر کے کہتے

ہیں کیا اہل کا اصلی معنی وہی ہیں کیونکہ جہاں ذبح کیا گیا کہا ہے ۔ سو اہل اتنا نہیں کہتے ۔ عرب کے محاورہ میں نہ قرآن مجید کے نہ شریعت کے عرف میں ۔ غیر اللہ کے ایسے معنی

غیر اللہ کی نذر کیا ہوا جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے سے حلال ٹھیرانا خدا کے کلام کو بدل دینا ہے ۔ اور ایک بات جاننا چاہئے ۔ کہ ہمارے لوگ حنفی علما کہتے ہیں کہ جو مسلمان ذبح

کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنے کو بھول کر نہ کہے اور ذبح کر ڈالے ۔ وہ جانور حلال ہے ۔ کیونکہ اللہ ۔ اس کے دل میں اللہ ہی کا نام پر ذبح کر کے کہا ہے نہ غیر اللہ کے نام پر ۔ اور شافعی

علما کہتے ہیں کہ اگر جان بوجھ کے بھی نہ کہے ۔ اس کا جانور ذبح کیا ہوا بھی حلال ہے ۔ کیونکہ مسلم کے دل میں ہمیشہ اللہ ہی کے نام سے ذبح کرتا ہے ۔ ان مسائل سے معلوم ہوا کہ اگر ذبح

کرنیوالے کے دل میں جس کے نام کی تعظیم سے ذبح کرنا مقصود ہو ۔ اسکا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہوتا ہے ۔ اور جس کے دل میں اللہ کی غیر کی تعظیم کیواسطے ذبح کرنا مقصود ہو ۔ اور ذبح کرتے

وقت اللہ کا نام لے ۔ تو بھی وہ جانور مردار ہوتا ہے ۔ کیونکہ اسکے ذبح میں اسکو اللہ کے غیر کی تعظیم بھی مقصود تھی ۔ اس نے شرک کیا ۔ شرک کا ذبح کیا ہوا جانور مردار ہے ۔ اللہ تعالی

نے حدیث قدسی میں فرمایا ۔ کہ اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْہِ مَعِیَ غَیْرِیْ تَرَکْتُہٗ وَشِرْکَہٗ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وابن ماجہ

یا اس کو بیچ کے اس کا پیسہ محتاجوں کو کیوں نہیں بانٹ دیتے۔ یا اس جانور سے دوسرا بدل کیوں نہیں کرتے۔ ان سب قیدوں سے

معلوم ہوا۔ کہ یہ جانور جنے اس بزرگ کو چڑھایا ہے۔ پھر یہاں حاضر ہوئے۔ تو کہتے ہیں کہ ہمنے یہاں نذریں معین کی ہیں۔ کہ اس جانور کو

ذبح کرکے پکا کے فقیروں کو کھلادیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس نذر کا اسی طور سے ادا کرنا کب فرض ہے۔ واجب ہے یا سنت مستحب

یوں ہی روپے واسطے کوئی فقیر ذبح کرے۔ یا بیچ لے یہ سن کے منزل شعار لوگ جل بھن کے کباب ہو جاتے ہیں۔ پھر غلامی آئے

سو بکا کرتے ہیں کہ اے نزیا پاسخ فرو ماندی و خاستی۔ صف بر زہ گوئی بیا راستی یعنے ملایاں ہر کرن خوان کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا ملک

کا ملک فتح کریں تو جوں کی نذر نیاز کی چیزیں اور جانور غازیوں پر حلال ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بزرگوں کو چڑھایا ہوا جانور بھی حلال ہو جاوے گا

جواب اس کا یہ ہے کہ دار الحرب کا حکم علحدہ اور دار الاسلام کے ذمیوں کا حکم جدا۔ پھر جو ذمی اپنے دیووں کی نذر نیاز کا کھانا کھلاوے

تو شاید تم کھا جاؤ گے۔ اسی طرح دیو کو کوک دیے کا جانور دیو کے نام پر کتو دے تو تم کو جھٹکا کرکے ہضم کر جاؤ گے شاباش

اچھے ملا ہو۔ تمہارے حق میں شیخ سعدی نے خوب کہا۔ کہ چوں سگ درندہ گوشت یافت نہ پرسد۔ کیں شتر صالح ست

یا خر دجال۔ مردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں ملا کو حلوے مانڈے سے کام۔ یہاں بعضے معترض کہتے ہیں کہ اس مصنف کا

یہ قول مولانا عبد العزیز کے اس قول سے کند ہوا ہے جو انہوں نے سورہ بقرہ کی آیت کہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ہے اسکی تفسیر میں

آداب اسکو بجا نہیں لاتے۔ برخلاف بدعتیوں کے جو بزرگوں کے نام کے کھانیکو متبرک سمجھتے ہیں اس کے آگے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے عود اگر جلا

کے کبھی پڑھا پڑھا کے سر جھکا کے آداب بجا کے کس کس تعظیم کے کھانے کھلاتے ہیں پھر اوروں کو پڑھانا نہیں تو بیلے یہ لعینہ ہندوؤں

کی رسم و رسوم ہے ان کو جو اپنے بڑوں کی ارواح کا پوجا کرتے ہیں۔ پھر بدعتی بزرگ شعار اس کے واسطے ظاہر اچھا نام تراش کے جاہلوں کو

بہکلاتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ فاتحہ ہے یہ تبرک ہے۔ نیاز ہے توشہ ہے۔ صحناک ہے۔ اچھوتا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ۔ اللہ خوب

جاننے والا ہے۔ جو انہوں نے جمع کر رکھا ہے۔ اپنے دلوں میں اپنے نامۂ اعمال میں وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ

اور اللہ کی مدد مانگی گئی ہے۔ اس بات کے رو برو جو تم لوگ بناتے ہو۔ اور اسی طرح بزرگوں کے نام پر چڑھایا ہوا جانور ان کے شرک داروں

کے یہاں عزت رکھتا ہے۔ اس کو دانے چارے پر ڈالتے ہیں۔ اس کے چارے اس کے کھانے سے ڈرتے۔ خدا جانے ان کی تراشی ہوئی

کہانی نقل ہے۔ کہ کسی فلانے بزرگ کی نذر کا مرغ چرا کے کھایا تھا سو وہی مرغ اس کے پیٹ میں بانگ دیا کیا۔ یہ رسم بھی شرک والوں

نے ہندوؤں سے سیکھی ہے۔ کہ وے لوگ دیوتاؤں کے نام پر چڑھائے ہوئے جانور کو کسی چیز کے کھانے سے منع نہیں کرتے اور اس کی فضیلت

میں ایسی خرافاتیں بکا کرتے ہیں پھر مشرک شعار لوگ سنیوں کے ملنے وقعی سے عاجز ہو کے کہتے ہیں کہ فلانے بزرگ کا جانور ہم نے سمجھا یہ عا

ہے۔ کہ ہم اس کو ذبح کر کے کھا جائیں گے۔ فقیروں کو کھلا دینگے۔ تا اس بزرگ کو ثواب حاصل ہو اس مدلک کا یہ جواب ہے کہ اس جانور کو جیتے جی کیوں نہیں دیدیتے

ہوئے تھے اور لاہور کے زمانۂ قیام میں اُن کا سن سینتیس اڑتیس سال کا تھا یہی وہ زمانہ ہے جب انہیں اپنی شاعری کی روایتی مصنوعی اور تقلیدی نوعیت کا احساس ہوا اور انہوں نے انگریزی طرز کی شاعری کو اردو میں رواج دینا چاہا۔ اسی زمانے میں اُنہوں نے اس راہ میں پہلا قدم اٹھایا یعنی انجمن پنجاب کے مشاعروں میں وہ چار نظمیں پڑھیں جنکی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے

کیا مذکورہ بالا واقعات اور مولینا حالی کے ان خیالات سے واقف ہونے کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ کہ مولینا نے مغربی یعنی انگریزی شاعری کی تقلید نہیں کی؟ میر و مصحفی کی روایتی اور عاشقانہ شاعری سے بیزار ہونے کے بعد مولینا کو شاعری کیلئے نئے اور وسیع میدانوں کی تلاش تھی۔ ان نئے اور وسیع میدانوں کی طرف انگریزی شاعری نے اُن کی رہنمائی کی۔ انگریزی شاعری کی انہوں نے تقلید کی۔ وہ ایک بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ کی۔ مغربی تبریزی بیچارے کے یہاں لیا لکھا تھا کہ مولینا اُس کی پیروی کی آرزو کرتے۔ لے دے کر وہی ایک وحدت وجود کا مسئلہ اور بس۔ سو وہ کسی حیثیت سے بھی مولینا کے لئے جاذب توجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ انہیں مسدس حالی جیسی نظموں کے لکھنے کی خواہش تھی۔ وہ خواہش مغربی تبریزی کی تقلید سے پوری نہیں ہو سکتی تھی اور اگر یہ کہا جائے کہ مولینا عاشقانہ شاعری کو ترک کر کے متصوفانہ شاعری کرنا چاہتے تھے تو ان کے حالات زندگی سے یا اُن کی تحریروں سے کہیں اس میلان کا پتا نہیں چلتا۔ بفرض محال اگر وہ زندگی کے کسی دور میں متصوفانہ شاعری کی طرف مائل ہو بھی گئے ہوں اور اُنہوں نے کسی صوفی شاعر کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہا ہو تب بھی یہ ناممکن ہے کہ اُن کی نظر انتخاب مغربی تبریزی پر پڑی ہو۔ ایسا سوچنا بھی مولینا کی طبع سلیم اور ذوق لطیف سے سوءِ ظن ہے۔ عارفانہ شاعری کرنا ہی اگر اُن کے پیش نظر ہوتا تو وہ رومی کو اپنا پیشوا بناتے یا عطار و سنائی کا اقتدا کرتے۔ مغربی بیچارہ دوسرے درجے کا شاعر جس کے کلام میں نہ سوز و گداز نہ کیف و تازگی نہ تاثیر و جدت مولینا حالی اُسے اپنا رہنما کیونکر بنا سکتے تھے۔

مولینا حالی کے زیر بحث شعر میں ایک طرف میر و مصحفی کی یعنی ہماری مشرقی شاعری ہے۔ جس سے مولینا کا جی بیزار ہو چکا ہے۔ اور دوسری طرف مغربی یعنی انگریزی شاعری ہے۔ جس کے حسن و جمال نے مولینا کو گرویدہ کر لیا ہے۔ تو گویا مقابلہ مشرقی اور مغربی شاعری کا ہے مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا مسٹر شبلی م۔ ل۔ کام۔ ڈ کا یہ کہنا کہ۔

" اگر ہمارے نقاد سرسری نگاہ سے بھی دیوان حالی کا مطالعہ کریں تو اُن کو مغربی تمدن کی مخالفت میں متعدد اشعار نظر آئیں گے"

غلط مبحث سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

خاتمۂ سخن کے طور پر صرف ایک بات اور کہنا ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ قارئین خود ہی لگا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

" مولوی وحید الدین سلیم مرحوم نے ہم کو دیوان حالی پڑھایا تھا اور انہوں نے مغربی سے مطلب یورپی بتایا تھا "

مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی کا جو بیان ہے اس لحاظ سے ساقط الاعتبار نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ بھی ایک یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔ کیونکہ اُنکی علمی و ادبی قابلیت مسلم ہے وہ شاعر بھی تھے اور ادیب بھی۔ پانی پت کے رہنے والے اور مولینا حالی کے دوست تھے اور شاید دور کے عزیز بھی۔ اسلئے وہ مولینا حالی کے حالات و خیالات کو اُن علامہ لوگوں سے کہیں بہتر جانتے تھے۔ جو واقعات کی طرف سے آنکھیں بند کر کے محض قیاسی گھوڑے لگاتے ہیں اور "پیروی مغربی" کے معنی مغربی تبریزی کی پیروی ٹھہراتے ہیں۔

الغرض "پیروی مغربی" کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مولینا اپنی پرانی وضع کی دقیانوسی عاشقانہ شاعری سے کنارہ کش ہو کر انگریزی طرز کی شاعری کرنا چاہتے تھے۔ بیچارے مغربی تبریزی کو علامہ لوگوں نے خواہ مخواہ کا نٹوں میں گھسیٹا ہے۔ مولینا حالی نہ مغربی کی پیروی کرنا چاہتے تھے نہ کی۔ انگریزی وضع کی شاعری کرنا چاہتے تھے اور کی۔

سید احتشام حسین صاحب پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے یکم جولائی ۱۹۴۷ء کے خیام میں اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے تعجب ہے کہ اسکے مطالعے کے بعد بھی لوگوں کو شبہ ہے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

پہنچا پہنچانا ثواب و شک نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہووے کہ کسی روایت میں یہ بات نہیں کہ حضرت نے سعد کو حکم فرمایا۔ کہ کنواں کھدوا کر اپنی والدہ کا کر کے شہرت
دے یہ بات آنحضرت پر بہتان ہے۔ اب کا ایک آدھ نیم ملا جو اس بہتان کو اختیار کیا ہے۔ سو شاید اس کا سبب یہ ہے۔ کہ ایک بڑے
محدث کی فارسی کتاب میں جہاں اس قصہ کا بیان ہے۔ وہاں کاتب کی غلطی سے گفت کی جگہ بگو لکھا گیا ہے۔ سو یہ نیم ملا اس کے
وہم کے پیرو ہمت نہ کر کے سمجھا۔ القصہ ان سب روایتوں سے یہ ثابت ہوا۔ کہ سعد اپنی ماں کی نذر مطلق ادا کرنے کیواسطے کسی طرح کے خیر کے کام
میں کہ کر سکتی نذر ہو سکتی تھی سو حضرت سے پوچھا۔ شاید ان سب کاموں کو بھی اس بزرگوار نے ادا کیا تو اس ضمن میں ادا ہو جاوے۔ جب یہ بات
ان کی ماں کی جانب سے ادا کرنے کی تھی اس واسطے کنواں کھود کے هذه لام سعد کہا۔ یعنی ان کے ذمہ تھی نذر کی بابت کا کنواں ہے
ام سعد کا پہنچا سا تا سوان بیسواں چالیسواں سب بات جہاں نوبانی برسی حاضری توشہ صحناک چھوٹا بڑا سال بسال کا عرس کہاں
نکلا۔ اور یہ جو بعضا نیم ملا کہتا ہے۔ کہ مردوں کا کھانا کہنا اس حدیث سے جائز نکلتا ہے جواب بقول تمہارے اگر هذه لام سعد
کا معنی ام سعد کا کنواں کر کے فرض کریں۔ تو مردے کا کھانا کہنے کو اس پر قیاس نہ کیا جائے۔ ہاں اگر برتن میں پانی بھیجے اسکو جھوٹا اور تبرک اور ام
کی روح کا اس پر نام رکھ کے۔ اور اس پانی کو یہاں بانٹنے سے وہاں ام سعد کو پہنچتا ہے۔ کرتے یا ام سعد سے کسی مراد بر آنے کے واسطے پانی چڑھانے کی منت
مان کر کام سعد کا پانی کہا جاتا تو اس مردے کا کھانا کہنے کا قیاس اس پر صحیح ہوتا۔ تامل کیا چاہیے۔ کہ هذه لام سعد کی عبارت میں لام ملک

اور یہ بات تو یہی صحیح ہے - کہ سعد نے حضرت سے عرض کی - کہ میری والدہ ایکبارگی گذر گئیں - اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر بات کرتیں تو وصیت
کی ہوتیں - کیا پھر ان کی طرف سے میں خیرات کروں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اور نسائی نے اس خیرات کا بیان یوں کیا ہے - کہ پھر سعد نے پوچھا کہ بہتر خیرات
کونسی ہے - تو آپ نے فرمایا کہ پانی پلانا - اور یہی حدیث اداء کے باب صدقہ المرء میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لکھی ہے سو اس کی عبارت
کے معنی یہ ہیں - کہ بی بی عائشہ نے نقل کی - کہ ایک مرد نے یعنی سعد بن عبادہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ میری ماں اچانک
مرگئی - میں سمجھتا ہوں کہ اگر بولی ہوتی تو کچھ خیرات کی ہوتی - سو کیا اس کو کچھ ثواب ہوگا - جو اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں - تو آپ نے فرمایا
کہ ہاں - اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سعد نے حضرت سے فتویٰ پوچھا - کہ میری والدہ گذر گئی - اور اس پر نذر باقی رہ گئی آپ نے فرمایا کہ تو
اس کی طرف سے نذر ادا کر - نسائی نے اس حدیث سے ظاہر یہ لایا ہے - کہ سعد نے عرض کی کہ کیا اس کو بس ہوگا - جو میں اس کی طرف سے
بردہ آزاد کروں - اپنی ماں کی طرف سے - پھر محدثوں نے ان روایتوں کے مضمونوں کو ملایا ہے - کہ شاید سعد نے ان سب باتوں کو اکٹھے کہا یا کہ
پوچھا - یا ترتیب سے ایک ایک کا حکم جدے جدے وقتوں میں تحقیق کر لیا ہو پھر قاضی عیاض نے کہا کہ سعد کی ماں پر کیسی نذر تھی سو اس
مقدمے میں جدی جدی باتیں ہیں - بعضوں نے کہا - کہ مطلق نذر اور بعضوں نے کہا کہ روزہ - بعضوں نے کہا کہ بردہ آزاد کرنا - اور بعضوں نے
کہا کہ کچھ خیرات دینی - پھر اپنے ذہن ان لفظوں پر دلیلیں گذرانتے ہیں - القصہ ان سب روایتوں کو ملانے سے غرض یہ کہ یوں واضح
معلوم ہوئی اور اہل حدیث کو خوب مردوں کے باب میں یہیں اور یادیں ارشاد کرتے ہیں اس کی سند علیٰ سے لینے میں سو گنجائش نہیں ہے -

قَالَ الْمَاءُ قَالَ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ ۔ خلاصہ یہ کہ انصار میں سے سعد بن عبادہ خزرج کے

قبیلے کے سردار تھے۔ وے دومۃ الجندل کی لڑائی کو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گئے ہوئے تھے۔ انکی والدہ شریفہ

عمرہ مسعود کی بیٹی قیس کی پوتی جو مسلمان ہو کے حضرت کی صحبت سے مشرف ہوئی تھیں۔ سو مدینہ منورہ میں یکایک مرنے لگیں تو

حاضروں نے کہا۔ کہ وصیت کیجیو۔ تب انہوں نے کہا۔ کہ کس چیز میں وصیت کروں۔ مال جو ہے سو سعد کا ہے۔ لیکن ایک مہینے کے سعد بن عبادہ

حضرت کے ساتھ مدینے کو آئے۔ تب حضرت نے اس بی بی کی قبر پر جنازے کی نماز پڑھی۔ سعد نے اپنے والدہ کے انتقال کے وقت

کا تذکرہ حضرت کی جناب میں عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ کیا میری خیرات کرنی اس کو فائدہ دیگی تو آپ نے فرمایا۔ کہ ہاں تب سعد نے کہا فلانا باغ

اسکی جانب سے صدقہ ہے۔ یعنی محتاج لوگ اس کا کھایا کریں کوئی اس باغ کو کبھی نہ بیچے۔ نہ مالک نے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ سعد نے عرض کی

کہ میری ماں مر گئی ہے۔ پھر کونسی خیرات بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پانی یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب فضل الصدقہ کی دوسری فصل میں سعد بن عبادہ

کی روایت اس عبارت سے لکھی ہے۔ کہ اس نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ میری ماں مرگئی پھر کونسا صدقہ بہتر ہے تو آپ نے فرمایا۔ کہ پانی سعد نے

تب کنواں کھودا۔ اور کہا یہ کنواں سعد کی ماں کیلئے ہے۔ کہ سعد نے کہا۔ یعنی اس کی نیابت سے مقصود ایا ہوا اور ایک وجہ یوں روایت ہے کہ سعد نے کہا

کہ کیا اگر میں اسکی طرف سے بردہ آزاد کروں تو اوسکو ثواب ہے۔ یعنی نفع ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ بردہ آزاد کر اپنی ماں کی طرف سے

يا رسول الله أينفعها إن تصدقت عنها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم فقال سعد حائط كذا وكذا

صدقة عنها لحائط سماه وقال الشارح منسوباً إلى النسائي أنه أي سعد بن عبادة قال إن أمي ماتت فأي

صدقة أفضل قال الماء وله أخرى أنه أي سعد قال أينفعها أن أعتق عنها قال أعتق

عن أمك ثم قال قدس روحه إن لا تنافي بينهما لجواز أن يكون السؤال بالكل معاً أو مرتباً في أوقات مختلفة

وفيه أيضاً مالك عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وآله وسلم أن رجلاً

وقال الشارح هو سعد بن عبادة قال لرسول الله صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم إن أمي افتلتت نفسها

وأراها لو تكلمت لتصدقت أفأتصدق عنها فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم نعم قال الشارح

وبين النسائي جهة الصدقة المذكورة أنه أي سعد قال لهم وذلك فأي الصدقة أفضل قال سقي الماء

قال القائل وقد روي هذا الحديث في المشكاة الذي للمئين بإيراد كلمة اطمئنا مكان أراها وبالجملة

الاستفهامية بدل لما أجر إن تصدقت عنها نعم أن التصدق عنها في الفصل الثاني من فصل

باب الصدقة منها عن سعد بن عبادة قال يا رسول الله إن أم سعد ماتت فأي الصدقة أفضل

إن أمي توفيت وما عليها عتاق فهل ينفعها أن تصدق عنها وفي أخرى للنسائي أي الصدقة أفضل

الاحتمال أن يكون سأل عن النذر ومن الصدقة معاً أو في أوقات مختلفة ومن أفضل الصدقة أيضاً

انتهى وقال والأظهر أنه كان نذراً في المال وأما أحاديث الصوم فقد علله البيهقي أهل الفن

بالاختلاف في سنده ومتنه وشذوذه واختلافه وأما رواية العتق فموافقة أيضاً فإن العتق

من الأموال قال ابن عبد البر استشهد من قال إن النذر كان صياماً بحديث ابن عباس أن رجلاً

قال يا رسول الله إن أمي ماتت وعليها صوم رواه الشيخان ثم ترددوا بأن في بعض الروايات عن ابن عباس

جاءت قصة أخرى وقد أوضحه الشارح لعبد الإيمان بجوابه صلى الله عليه وآله وسلم أعتق عن

عن أمك وظاهره أن الواجب كان نذراً الإعتاق وعلى تقدير كونه نذراً مطلقاً أو غيره فيكون الإعتاق

كفارة اليمين انتهى وقال البخاري مالك عن سعيد بن عمرو بن شرحبيل بن سعيد بن سعد بن عبادة

مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في بعض مغازيه فحضرت أمه الوفاة بالمدينة فقيل لها أوصي فقالت فيم

أوصي إنما المال مال سعد فتوفيت قبل أن يقدم سعد بن عبادة فلما قدم ذكر له ذلك فقال سعد

سعد بن عبادة استفتى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان امي ماتت وعليها نذر لم تقضه فقال رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم اقضه عنها وقال الشارح زاد فيها اي من طريق سليمان بن كثير عن الزهري في ذلك الحديث عنها قال سعد
ايكفي عنها ان اعتق عنها قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم اعتق عنها وقال الشارح الضيا مغيا الى الطبقات ابن سعد
الحديث المشهور اتفاقا اي ام سعد بن عبادة الصحابي هي عمرة بنت مسعود بن قيس اسلمت وبايعت ماتت ورسول
الله صلى الله عليه وآله وسلم غائب في غزوة دومة الجندل وكانت في شهر ربيع الاول في سنة خمسة كان ابنها
سعد معه فقدم النبي صلى الله عليه وآله وسلم فجاء قبرها فصلى عليها وقال القائل ان في جامع الاصول عن
ابن المسيب ان ام سعد ماتت والنبي غائب فلما قدم صلى عليها وقد مضى لذلك شهر اخرجه الترمذي ثم
الشارح كون الحديث السابق المرسل مسندا جعلت نقول للنسائي من طريق سليمان بن كثير عن الزهري عن عبيد الله
عن ابن عباس عن ابن عبادة انه استفتى النبي صلى الله عليه وآله وسلم فجعله من مسند سعد ثم قال الشارح
قال عياض اختلفوا في نذر ام سعد فقيل كان نذرا مطلقا وقيل كان صوما وقيل كان عتقا وقيل صدقة واستدل
كل قائل بأخبار مختلفة في قصة ام سعد قال الحافظ ولا يبعد قوله احب قول سعد في الحديث الآخر ان

سو کا حرم للمدینۃ عندنا۔ اس کا بیان آگے مفصل ہو چکا ہے مگر وہاں کے جانور اور درخت کی رعایت کرنی کئی حدیثوں میں آئی ہے
سو رعایت رسول کے فرمودہ کی ہے۔ یہ بات اللہ ہی کے واسطے ہے۔ اور حقیقت میں تعظیم اللہ کی ہی ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا کہ ما آتکم الرسول
فخذوہ وما نہکم عنہ فانتہوا۔ جو کچھ دیا تم کو رسول نے سو لو اور جس سے منع کیا باز رہو۔ سو بار ہویں یہ بات کہ مدینہ کے اطراف کی عزت قبر مکرم
وہاں ہونے ہی کی جہت سے نہیں۔ اگر قبر مکرم ہی کی جہت سے ایسی بات کوئی مقرر کیا جاتا۔ تو اس وقت میں تو معترض کا اعتراض ہو سکتا سو ایسا تو نہیں اسکے سوا کلام
میں عمل صحابہ سے۔ اور ثبوت صحیح بھی ظاہر۔ برخلاف اجمیر وغیرہ زیارتگاہوں کے کہ وہاں عمل صحابہ اور ثبوت صحیح ہی نہیں کیونکہ کسی بزرگ کی قبر کے واسطے
وہاں کے اطراف کو حرم کا شبیہ ٹھہراتے ہیں اس واسطے یہ صورت یہاں شرک ٹھیری۔ کیونکہ یہ تو غیر اللہ کی عبادت کی نشان ہے اور نہی شریعت کا نہی
ف ۱۴۳ بھی ہوتی ہی ہے۔ یہ دونوں تو شرک ہیں چنانچہ آگے معلوم ہو چکا۔ قال اللہ تعالیٰ اَوْ فِسْقًا اُہِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ۔ اور فرمایا سورۂ انعام میں
یا گناہ کی چیز کہ مشہور کی گئی ہو۔ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف۔ ف جیسا مردار اور سور ناپاک حرام ہے۔ ایسا وہ جانور بھی ناپاک اور حرام
مگر خود گناہ کی صورت بن جاتا ہے۔ کہ اللہ کے سوا اور کسی کا نام ٹھہرایا اس آیت سے معلوم ہوا کہ جانور کسی مخلوق کا ٹھہرایا جاتا ہے۔ اور وہ جانور حرام ہے
اس آیت میں اس بات کا کچھ ذکر نہیں۔ کہ اس جانور کے ذبح کرنے کے وقت کسی مخلوق کا نام لیجئے جب حرام ہو بلکہ اتنی بات کا ذکر ہے۔ کہ کسی مخلوق
کے نام پر جیسا کوئی جانور مشہور کیا یہ گائے سید کبیر کی ہے یہ بکرا شیخ سدو کا ہے۔ وہ حرام ہو جاتا ہے۔ پھر کوئی جانور مرغی یا اونٹ کسی
مخلوق کے نام کا کر دیجئے۔ ولی کا یا نبی کا یا باپ دادے کا یا کہ سید احمد کبیر کے واسطے کیا جانور اپنے جد سید احمد موصوف کی گائی اور غیرہ

کیواسطے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص ٹھیرائے ہیں۔ سوائے کسی اور زیارت کے واسطے مخصوص نہیں۔ پھر اور جگہ سے ویسیوں کاموں کو مخصوص

کرنا ئی شریعت نکالنی ہے۔ اور شریعت ٹھیرانی اللہ کی صفت ہے خاص اور رسول صاحب شرع اس کے نائب ہیں پھر اگر کوئی اس صفت میں آپ دخل کرے

یا دوسرے کو دخل دے تو وہ مشرک ہو جاتا۔ اس واسطے مصنف کہتا ہے۔ کہ کسی زیارت گاہ میں جو کا سا طور اور حاجیوں کا سا بھیس نہ بنائیے کیونکہ

یہ شرک کی بات ہے۔ اور بعضے نادان طالب العلم اور گور پرست جہال اور بدعتوں کا مددگار مجاور مصنف کی اس نصیحت پر چڑھ کے مصنف کی

تکفیر کرتے ہیں۔ اس بہتان کے بہانہ سے کہ اس نے قبر شریف کی زیارت کو منع کیا ہے۔ ای منصف اس مصنف کے کلام سے روضۂ مبارک کی

زیارت کی منع کہاں نکلتی ہے۔ کیونکہ وہاں کوئی جاہل بھی حاجیوں کا سوانگ کر کے نہیں جاتا۔ اور حج کے مناسک وہاں بجا نہیں لاتا

یہ زیارت مصنف حنفیہ کے مذہب میں موکد مستحب ہے۔ مصنف آپ خود زیارت سے مشرف ہوا ہے پھر اس کا اس کو شرک ٹھیرانا کیونکر

ثابت ہوا۔ وہاں اجمیر اور کلیر سگار اور پکھن پور اور بابا بدھن کے پہاڑ اور ناگور وغیرہ کے جانیوالے اکثر حاجیوں کا سوانگ بلکہ تیرتھ جانیوالوں کا

سا بھیس کر کے جایا کرتے ہیں۔ اور وہاں ایسے کرتے جو شبیہ حج کے مناسک کے ہوویں۔ پھر ایسے زیارتوں کو جانیکی منع البتہ

مصنف کے کلام سے نکلتی ہے۔ بعض جاہل کہتے ہیں۔ کہ مصنف کے کلام سے مدینے کے حرم کا انکار نکلتا ہے۔ جواب اس کا یہ ہے

کہ مدینہ منورہ کو احرام کا حرم کہاں ہے۔ کون احرام سے اس واسطے ہوتا ہے۔ اس واسطے حنفی علمائے مدینہ کے حرم کے قائل نہیں۔ اور سب حنفی کتابوں میں لکھا ہے

احمد ندیم قاسمی

مستقیم و منحنی

راہِ پُرپیچ سے کترا کے نکلنے والو   شاہراہوں کی کراہیں بھی سُنی ہیں میں نے
تپشِ شدتِ احساس کے دوزخ کی قسم،   دامنِ برق سے کلیاں بھی چُنی ہیں میں نے

جن کی حدّت سے اتر جاتا ہے ملبوسِ حریر
ان شعاعوں سے نقابیں بھی بُنی ہیں میں نے

سب اُمڈتے ہوئے بادل نہیں برسا کرتے   سب چمکتے ہوئے ذرات نہیں زر پارے
ہر چمکتی ہوئی بجلی نہیں ٹوٹا کرتی،   اپنے ہی نور سے رخشاں نہیں تارے سارے

کتنی تاریک نگاہی ہے کہ مشرق کے غلام
آدمی ہیں مگر انسان نہیں بے چارے

راستہ راست سہی، راہنما ساتھ سہی   لیکن اس راہ پہ منزل بھی تو آئے کوئی
امن انعام سہی، خرخشے بدنام سہی   لیکن اس امن سے تسکین تو پائے کوئی

اجنبی راہوں پہ اُبھرے وہ طلائی گنبد
میری آنکھوں سے اب آنکھیں تو ملائے کوئی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آدم کی امنیہ سے کفا - امنیۃ عربی میں ارمان کو کہا کرتے ہیں ۵ اور ش - اسی طرح تعظیم الٰہی کے مکانوں میں سے ہے - صفا مروہ تئیں سے اللہ تعالیٰ نے
فرمایا - کہ اِنَّ الصَّفَا وَالمَروَۃَ مِن شَعَائِرِ اللّٰہِ یعنی صفا اور مروہ جو ہیں یہ سو اللہ کی عبادت کی جگہوں میں کے ہیں - وہ پہاڑ ہیں ایک کا
نام صفا دوسرے کا نام مروہ - صفا کا نام اس واسطے صفا ہوا - کہ آدم علیہ السلام صفی اللہ اس پر بیٹھے - اور مروہ کا نام مرأۃ سے رکھا گیا ہے
امرأۃ عربی میں عورت کو کہتے ہیں - اس پر حوا بیٹھیں اس واسطے اسکو مروہ کہنے لگے - اور مقام ابراہیم ش - بھی اللہ کی تعظیم کے مکانوں
میں سے ایک مکان ہے - اللہ تعالیٰ نے فرمایا - کہ وَاتَّخِذُوا مِن مَقَامِ اِبرَاہِیمَ مُصَلًّی ۵ اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ سے نماز
کرنے کی جگہ - یعنی اس کے پیچھے طواف کا دوگانہ پڑھو - وہ ایک پتھر ہے - کہ اس پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر کعبۃ اللہ کی [illegible]
اٹھاتے تھے - ان کے قدم مبارک کا نقش اس پر تھا - آج کعبۃ اللہ کے صحن میں وہ پتھر موجود ہے ۵ اور ساری مسجد الحرام
ش - کعبہ اور اس کے آس پاس میں جو نماز کی جگہ ہے - ۵ مکہ سارا کہ معظمہ ش - وہ شہر جس میں کعبۃ اللہ ہے - ۵ مکہ ساری حرم
ش - جو کعبہ کے آس پاس کی زمین سے کئی کوس تک حرم کہلاتی ہے [illegible] کی دو [illegible] میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حرم کی حدیں
باندھی گئی ہیں - سو مدینے کی طرف سے تین میل تک کہ آتی ہیں - تو وہاں سے حرم شروع ہوتا ہے - اگر تو اس کو کسی طرح سے جانا چاہے
اور عراق اور طائف کی طرف سے سات میل - اور جدہ کی طرف سے دس میل اور جعرانہ کی طرف جو جگہ ہے اسکی طرف سے نو میل ۵ اور لوگوں کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ اور فرمایا اللہ صاحب نے سورہ حج میں کہ خبر کر دے لوگوں میں حج
کی۔ ش یعنی ابراہیم جب انہوں نے اس حکم کو بجا لانے کے لئے مکے کے پہاڑ پر جس کا نام ابوقبیس ہے چڑھ کے پکار دیا۔ کہ ای لوگو تمہارے
پروردگار نے ایک گھر بنوایا ہے۔ اور تم پر اس گھر کا حج فرض کیا ہے۔ سو تم کو چاہئے کہ اس گھر کی طرف یہ حکم مان کے چلے آؤ۔ اور سب نے جو طرف منہ پھیر کے
بول اٹھے۔ تو جس کی تقدیر میں حج لکھا تھا۔ یہاں تک کہ باپوں کی پیٹھ میں تھے اور ماؤں کے پیٹوں میں جواب دے چلے۔ کہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ۔ یعنی حاضر ہوتے
ہیں ہم اے پروردگار۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چلے آویں تیرے پاس ش اور اب اور آنے والے ہمیشہ آتے ہیں پیادے۔ ش یعنی ہر اور دبلے
اونٹوں پر۔ ش یعنی جو کہ چلے آتے ہیں۔ دور کے راستے سے کہ آ پہنچیں اپنے فائدوں کی جگہ۔ ش دین دنیا کے۔ م فائدوں کی جگہ ہیں اور یاد کریں
اللہ کے نام کئی معین دنوں میں اس چیز پر کہ دیا ہے انکو مویشی اور چوپایوں میں سے۔ م۔ سو کھاؤ اس میں سے۔ ش۔ جیسے اونٹ گائے بکری بھیڑ اور
قربانی کے جو ذبح کرتے ہیں۔ انکو اللہ کے نام پر یعنی ہیں۔ سو کھاؤ اس میں سے۔ اور کھلاؤ بد حال محتاج کو۔ پھر چاہئے کہ تمام کریں دور کریں اپنا میل
کچیل اپنا۔ ش جیسے بدن اور سر کا میل کچیل گرد و غبار اور ناخن وغیرہ۔ م۔ اور پوری کریں منتیں اپنی۔ ش جیسے نذر اور قربانی وغیرہ۔ م اور طواف
کریں اس قدیم گھر کا۔ ف اللہ صاحب نے اپنی تعظیم کے لئے بعضے مکان ٹھہرائے ہیں۔ جیسے کعبہ۔ ش جو سب تعظیم الہی کے مکانوں سے بہتر ہے۔
اور یہ سب مشہور اور حج اسلام کی جگہ اور اللہ کا حرم خاص ہے۔ اور اس کا نام کعبہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ جو چیز اونچی ہو یا انچان۔ پر ہو یا اونچی بنائی گئی ہو

مگر جن لوگوں کے دل میں ٹیڑھا پن ہے ۔ سو پیچھے پڑتے ہیں۔ اسکی متشابہات کی فتنہ چاہنے کو۔ اور اس کے معنے الٹے چاہنے کو اور

نہیں جانتا۔ اس کے معنی ٹھیک نے کوئی الله کے سوائے ۔ اور یہی ارشاد کیا ہے۔ کہ اَبِاللّٰہِ وَآیَاتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ ۔ کیا الله ہی

سے اور اسکی آیتوں ہی سے اور اس کے رسول ہی سے تم ٹھٹھول کرتے ہو۔ اعتراض ۔ ان آیتوں میں عبادت کے طور پر ادب سے

کھڑے رہنے کا منع کہاں نکلتا ہے ۔ جواب تمام عَبْدُ اللّٰہِ اور اِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ کے قرینے سے کیونکہ مسجدوں کا قائم

دائمیہ نماز ہے۔ اور الله کا ذکر اور تلاوت خاص کر مسجد کے باب حدیث میں آیا ہے۔ کہ اِنَّمَا ھِیَ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃِ

وَتِلَاوَۃِ الْقُرْآنِ ۔ یعنی مسجدیں جو ہیں سو الله کے ذکر نماز اور قرآن کے تلاوت کے واسطے ہیں۔ ان میں سے نماز مافوق ہے

حسبنا الطول رکن قیام ہے۔ جس میں کھڑے الله کو اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کرکے کہنا یہی فرض اس کا سبب

مصنف نے یہ سمجھا ۔ کہ ان مکانوں کا ذکر کرے۔ جنکو الله تعالٰی نے اپنی تعظیم کیلیے مقرر فرمایا ہے ۔ انہیں کی مکان کا ذکر جو

قرآن میں صریح آیا ہے ۔ ذات کے ضمن سے نکلتا ہے ۔ سو اس آیت کی تفسیر میں مذکور کرتا ہے ۔ اور تعظیم الٰہی کے مکان

۱۲۶ کو ان میں سے ایک کرس۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ لِّیَشْھَدُوْا

مَنَافِعَ لَھُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ

عبدالحمید عدمؔ

غزل

وہ راتیں، وہ جلسے، وہ رنگیں فسانے
کہاں جا چھپے وہ مقدس زمانے

کبھی نرم رو ساعتوں کا ترنم
کبھی تلخ حالات کے تازیانے

مرے جام میں بھر دیا سرد پانی
یہ کیا ظلم ڈھایا کسی پارسا نے

وہی ابرِ رحمت، وہی ساز و بربط
وہی رقصِ مستی، وہی بادہ خانے

نہ پوچھو یہ صوفی منش لوگ شب کو
کہاں جا رہے ہیں وضو کے بہانے

کسی برقِ تازہ کو بہکا کے لانا
بڑی دیر سے سرد ہیں آشیانے

چلو خیر! اب ذکر کیا اُن ضدوں کا
نہ ہم لوگ مانے، نہ تم لوگ مانے

وہ ساون کی راتیں، وہ جنت کی باتیں
وہ کوثر کے چھینٹے، وہ شیریں فسانے

یہ کس رنگ کی گردشیں کھا رہا ہے
ارے او زمانے، ارے او زمانے

گرا لڑکھڑا کر عدمؔ جب بھی کوئی
خرد مند شیشے لگے مسکرانے

[illegible]

اور بانٹتے اور دور دور لیجاتے اور رب پر چھپر اور سائبان اور شامیانے پڑتے اور مورچھل جھلتے اور اسی قبیل کے کام کرتے سو شرک ایسے

لوگ ان کے شاگرد و نارشید سندوں جھنڈوں اور قبروں سے بعینہٖ عمل میں لاتے ہیں۔ یہ سب شرک کے کام ہیں تو سمجھ لیا ہیں۔

اور قبہ و مجاوروں کے باب سے سب شرکی کے افعال ہیں۔ یہاں سے تین نمونے از خروارے بتلائے گئے۔ عقل اعلیٰ والاس پر قیاس کر لیگا

اس لئے مصنف نے سمجھ والوں کی کم فہمی پر بھروسہ کر کے لفظ عبادت شرعی کا ذکر کیا اور کہا کہ چوتھی فصل اشراک فی العادۃ کی برائی کے بیان میں

یعنی عبادت کہتے ہیں ان کاموں کو جو اللہ صاحب نے اپنی تعظیم کے واسطے اپنے بندوں کو بتلائے ہیں۔ سو اس فصل میں یہ مذکور ہے کہ قرآن اور حدیث

میں اللہ کی تعظیم کے کون کون سے کام بتلائے ہیں۔ تاکہ اور کسی کے لئے وہ کام نہ کیجئے کہ شرک لازم نہ آوے۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۔ فرمایا

اللہ صاحب نے سورہ ہود میں کہ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف یہ بات کہنے کو کہ بیشک میں تم کو ڈر سنانے والا صاف صاف ہوں یہ کہ نہ عبادت

کرو۔ مگر اللہ کو۔ بیشک میں ڈرتا ہوں۔ تم پر دکھ کے دن کی مار سے۔ ف یعنی مسلمان اور کافروں میں مقابلہ حضرت نوح کے وقت سے

شروع ہوا ہے۔ سو جبھی سے اس بات پر مقابلہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے یہی کہتے آئے ہیں۔ کہ اللہ ہی کی تعظیم کسی اور کی نہ کیجئے

اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں وہ اوروں کے واسطے عمل میں نہ لائیے۔ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا

بندہ تیرے بھلے کو کہتا ہے۔ اس نصیحت سے درما ہے مجھے ورنہ اس شرک اور بدعت میں اور بھی ہو خراب کیا ہے مجھے۔

چوتھی فصل کے شرح کا مقدمہ

یہاں مصنف عبادت شرعی ہی کا مذکور کرتے ہیں۔ ضرور تھا کہ طبعی اور صناعی عبادت کا بھی بیان کریں۔ کیونکہ شرک پسند لوگ مخلوق

پرستی میں طبعی اور صناعی عبادت کے لوازم بجالا کے کہتے ہیں۔ کہ ہم نے تو اسکی عبادت شرعی نہیں کی۔ اس لئے عبادت طبعی اور صناعی

کی ماہیت لکھی جاتی ہے۔ کہ جب آدمی دین کی تربیت نہ پایا ہو۔ اور کسی عزت والے شخص یا چیز سے کسی کام کے بے سبب کر دیکھا اتفاقاً دیکھے

یا بے سبب اپنی حاجت اس سے بر آتی دیکھے۔ تو اس کے دل سے اس معزز کے حضور آپ کو نہایت ذلیل کرنا اور اس بات کو اپنی دو جہان

کی بہتری کا سبب سمجھنا بالطبع صادر ہوتا ہے۔ یہی اصل ہے عبادت طبعی کا اس سے ہندو آفتاب اور چاند کو اور رام کشن کو اور بشن کے اوتاروں کو

اپنے خیال کے موافق پوجنے لگے ہیں۔ اور جب پوجا کرنے والے آپ جسکو پوجتے ہیں۔ اس کے لئے اقسام کی چیزیں اور کام اور اس کی تعظیم کے نشان

مقرر کرتے ہیں اور عمل میں لاتے ہیں۔ وہ عبادت صناعی ہے۔ اس کا منشا عبادت طبعی ہے۔ یہی طرح سے شدوں معبودوں قبروں وغیرہ کے ساتھ

شرک پسند لوگ جو معاملے کرتے ہیں۔ کبھی عبادت طبعی کبھی صناعی کبھی دونو کا مجموعہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ سب بت پرست بتوں کے

روبرو جا بجا باجا بجاتے اور ناچ کراتے اور بت کے۔ دیرو جو کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں گذرانتے ہیں۔ سوان کو پرستار ان کے کھاتے

ف ۱۲۱ [illegible]

[illegible]

سو ان کو سمجھا کر راہ راست پر لاوے۔ سو یہ بات بزرگوں کی ہمیں خدمتگاری اور انکی قرابت کی خیر خواہی ہے اور یہ بات اللہ کے خلق کی اقتدا ہے

جسکے باب میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ اور اللہ تعالیٰ نے وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ

فرمایا۔ اور حضرت پیغمبر نے اپنی قرابت کو ڈرایا۔ تو بیشک یہ خوب کام کیا ہے۔ اس پر طعن وتہمت بیوقوفی اور بے دیانتی کی دلیل ہے ہاں

ایک بات جاننا چاہیئے۔ کہ جنکو خدا نے جنتی فرمادیا۔ اور پیغمبر کے واسطے سے انکو یہ بات کی خوشخبری دی۔ انکی عاقبت بخیری کی علامت بتلا

دی۔ سو ان بزرگوں کا حال ایسا رہا۔ کہ جو دیکھے سو یقین کرے۔ کہ یہ جنتی ہیں خدا کا۔ وہ ان سے سچا ہے۔ اور رسول نے سچی خبر دی۔ برخلاف

اس کے جو آپ کو جنتی سمجھتے ہیں۔ ان کے افعال دلالت کرتے ہیں۔ کہ خدا نے ان سے جنتی ہونیکا وعدہ نہیں کیا۔ اور رسول نے انہیں خوشخبری

نہیں دی۔ کوئی بہشتی کہلانے سے بہشتی نہیں ہوتا۔ اگر یوں ہوتا تو تمام سقے جو بہشتی کہلاتے ہیں۔ بہشتی ہوتے خدا فرماتا ہے۔ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ یعنی آپ کو پاک نہ کہلاؤ۔ وہ خوب جاننے والا ہے۔ اُس کو جو پرہیزگاری کرے۔ اور یہودیوں کے حق میں فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ۔ کیا تو نہیں دیکھا۔ انکی طرف کو جو آپ پاک کہاتے ہیں۔ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ

بلکہ اللہ پاک کرتا ہے۔ جسکو چاہتا ہے۔ عجب تماشا ہے۔ کہ مصنف بیچارہ نصیحت کرتا ہے۔ کہ یہ خراب نہ ہو۔ یاران ناخوش ہیں کہ یوں

ہم کو نصیحت کرتا۔ ہم خواہ مخواہ خراب ہونگے۔ میر درد مرحوم کی دو بیتیں تھوڑی سی تبدیل سے مقدمے کے مطابق ہیں۔

لواحق -- یہ باب تفسیر اتقان میں لکھا ہے۔ کہ بخاری و مسلم نے ذکر کیا۔ کہ نقل کیا ابوہریرہ نے کہ جب اتری یہ آیت کہ ڈرا تو اپنی برادری
کو جو قرابت نزدیک کا ناتا رکھنے میں تھی یہ سے۔ تب پیغمبر خدا نے پکارا۔ اپنے ناتوں کو عام اور خاص کر کے بھی پکارا۔ اور جدا جدا بھی پھر فرمایا اے
اولاد کعب بن لوی کی بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ میں کچھ اختیار نہیں رکھتا تمہارا اللہ کے یہاں کچھ یا فرمایا کہ میں کسی کام نہیں آؤنگا تمہارے
اللہ کے یہاں کچھ اور اے اولاد مرہ بن کعب کی بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے بیشک میں کام نہ آؤنگا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ۔ اور اے اولاد عبد شمس کی
بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے۔ کیونکہ میں بیشک اختیار نہیں رکھتا تمہارا اللہ کے یہاں کچھ۔ اور اے اولاد ہاشم کی بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے کیونکہ
میں بیشک کام نہیں آؤنگا تمہارے اللہ کے یہاں کچھ۔ اور اے اولاد عبد المطلب کی بچاؤ تم اپنی جانوں کو آگ سے۔ کیونکہ میں بیشک میں کام نہ آؤنگا تمہارے
اللہ کے یہاں کچھ۔ اور اے فاطمہ بچا تو اپنی جان کو آگ سے۔ مانگ لے مجھ سے جو چاہے میرا مال۔ میں کام نہ آؤنگا تیرے اللہ کے یہاں کچھ ف
یعنی جو لوگ کسی بزرگ کے قرابتی ہوتے ہیں۔ انکو اس کی حمایت پر بھروسا ہوتا ہے۔ اور اس پر مغرور ہو کر اللہ کا خوف کم رکھتے ہیں۔ پس اور
سمجھتے ہیں۔ کہ اس بزرگ پر ہماری قرابت کا حق ثابت ہے۔ اور قرابت کا حق ادا کرنا لازم اور قرابتی کی مشکل کشائی مقدور بھر ضرور حضور صاحب
کرامت نے لیا کے واسطے جو کچھ حمیت اور تعصب رکھتے ہیں سو مشہور ان کا اول سے بزرگ زادے نازپرور دے سادہ دل وقعت نافہم سمجھتے ہیں
کہ وہ بزرگ اپنے کو خدا سے بچا ہی لینگے۔ کیونکہ صلہ رحم کا اقتضا ہی ہے۔ سو یہ یہ نہیں سمجھتے۔ کہ اس بزرگ کی قرابت کا حق آپ پر بھی ثابت

کو آپ ہی ایک آن میں کردے ان کاموں چھوٹے بڑے درست کرسکتا ہے۔ اس کے بندوبست میں کسی چھوٹے بڑے کو کچھ دم مارنیکی طاقت نہیں اور ایک

ذرہ کام کرسکنی قدرت نہیں۔ بس جوتی چیز بھی اس سے مانگا چاہیے۔ اور بڑی بھی۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ سلوا اللہ کل شیء حتی

الشسع فان اللہ لم ییسرہ لم یتیسر عن عائشۃ مانگو اللہ سے ہر چیز جوتی کے تسمہ تک بھی۔ کیونکہ اگر اللہ اسکو میسر نہ کرے تو

میسر نہو۔ اور یہ بھی آیا ہے۔ کہ لیسال احدکم ربہ حاجتہ کلھا حتی یسالہ شسع نعلہ اذا انقطع ت عن انس یعنی چاہیے کہ ہر ایک تم

میں کا مانگ لے پروردگار سے اپنی حاجت کی چیز سب کی سب یہاں تک کہ مانگے اپنی جوتی کا تسمہ جب ٹوٹ جاوے اور یہ بھی آیا ہے کہ

لیسال احدکم ربہ حاجتہ حتی یسالہ الملح وحتی یسالہ شسع نعلہ ت عن ثابت البنانی مرسلا۔ چاہیے

کہ مانگے ہر ایک تم میں کا اپنے رب سے اپنی حاجت یہاں تک کہ مانگے اس سے نون۔ اور یہاں تک کہ مانگے اپنی جوتی کا تسمہ جب کوئی نہ چھوٹی چیز

دے سکتا ہے۔ نہ بڑی۔ اخرج الشیخان عن ابی ہریرۃ قال لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین دعا النبی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم قریشا فاجتمعوا فعم وخص فقال یا بنی کعب بن لؤی انقذوا انفسکم من النار فانی لا املک لکم من اللہ

شیئا او قال لا اغنی عنکم من اللہ شیئا ویا بنی عبد مناف انقذوا انفسکم من النار فانی لا اغنی عنکم من اللہ شیئا

یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار سلینی ما شئت من مالی لا اغنی عنک من اللہ شیئا مشکوٰۃ کے بیچ

وہی لوگ ہیں جن پر درودیں ہیں ان کے پروردگار کے طرف سے۔ اور مہربانی ہے۔ اور وہی لوگ ہیں ہدایت پائے ہوئے۔ اور یہ بھی
فرمایا۔ کہ لَتُبْلَوُنَّ فِیْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى
كَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ یعنی مقرر جانچے جاؤ گے اپنے مالوں کی بابت میں اور اپنے
جانوں کی بابت میں اور مقرر سنو گے ان سے جن کو تم سے آگے کتاب دی گئی۔ اور ان سے جنہوں نے شرک کیا۔ ستانے کی باتیں بہت
اور اگر صبر کرو گے اور پرہیزگاری کرو گے۔ تو وہی یہی باتوں کی قسم سے ہے پر خدا نے کہیں نہیں اور فرمایا۔ کہ جب تم پر کچھ مشکل پڑے تب فلانے
معروض بندے کے نام کا ختم پڑھیو۔ یا کسی کرم بندے کی نذر نیاز کیجیو تاکہ تمہاری مشکل آسان کر دیں۔ اس واسطے مصنف نے یہ باتیں کہیں۔ اور جو
کچھ کہا سو حدیث کے موافق کہا۔ چنانچہ اخرج الترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم لِیَسْأَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ کُلَّهَا حَتّٰی یَسْأَلَهُ الْمِلْحَ حَتّٰی یَسْأَلَهٗ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ ۔ مشکوٰۃ کے باب الدعوات
میں لکھا ہے۔ کہ ترمذی نے ذکر کیا۔ کہ انس نے نقل کیا۔ کہ پیغمبر خدا نے فرمایا۔ کہ ہر کسی کو چاہیے۔ کہ اپنی سب حاجت کی چیزیں
اپنے رب سے مانگے۔ یہاں تک کہ نون بھی اس سے مانگے۔ ف۔ یعنی اللہ صاحب کو دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہ سمجھے کہ بڑے بڑے
کام تو آپ کرتے ہیں۔ اور چھوٹے چھوٹے کام امرا و نوکروں چاکروں کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسا ہی قادر مطلق ہے۔

صدیقہ بیگم

پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے

فوجی اسپیشل آئی اور چلی گئی۔ شگفتہ کی نگاہیں ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی جھلمل پٹڑی پہ تڑپیں جب پر گاڑی پھسلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ گاڑی کے آخری ڈبہ پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ کاش! وہ ان نگاہوں سے اس افق میں تحلیل ہوتی ہوئی گاڑی کو تھام سکتی اور پھر دوڑتی ہوئی ان سفید چمڑی والے "جنٹیوں" کو کہتی ——

"مجبور بکھیس —— مجبور —— مجبور —— بکھیس" وہ اتنا زور سے کہتی کہ اس کا پورا جبڑا پھیل جاتا۔ اس کی آنکھوں کی سیاہی پورے چہرے پہ اپنا سایہ ڈال دیتی۔ لیکن گاڑی جا چکی تھی۔ آخری ڈبہ چھوٹا ہوتے ہوتے ایک نقطے کے برابر رہ گیا تھا۔ زندگی خود بھی تو اپنی وسعتوں کے باوجود ایک نقطے ہی کے برابر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پھر وہ اس نقطے کے بل پہ ایک دائرہ بن جاتی ہے۔ ایک نہ ختم ہونے والا دائرہ —— جس کا کوئی سرا نہیں —— بالکل لامتناہی —— لامحدود۔

"اونھ —— شگفتہ کے منہ سے ایک بے معنی کراہ نکلی۔ اس کی نگاہیں ریل کی بل کھاتی ہوئی چمکدار ناگن سے ہٹ کر مٹھی میں بھینچے ہوئے ڈبل روٹی کے ٹکڑے پر پڑیں۔ ساتھ ہی اس نے اپنی نرم چھاتی میں ایک کسک سی محسوس کی جیسے اس ڈبل روٹی کے حقیر ٹکڑے سے بڑی چوٹ سی لگی تھی۔ جیسے وہ روٹی کا ٹکڑا نہیں بلکہ بندوق کی گولی تھی جس نے اس کی کومل چھاتی میں گہرا ناسور کر دیا تھا۔ نہ بھرنے والا ناسور —— اور وہ لال لال بندر نما فوجی گویا اپنی اسی حرکت پر ابھی تک قہقہہ لگا رہا تھا —— ننگ دھڑنگ —— جس کے شفاف سینے پر نیلے نیلے حروف گدے ہوئے تھے جیسے دل کی سیاہی سمٹ کر سینے پر ابھر آئی ہو۔ شگفتہ کو غصہ آنے لگا۔ اگر وہ اس ٹکڑے کے بجائے پوری ڈبل روٹی اس کی چھاتی پر دے مارتا تو شاید اس کو اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن ٹکڑے کی کسمساہٹ ریت کے مہین ذرّوں کی طرح اس کے جسم میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ جیسے وہ اس کسک کو مٹا رہی ہو۔ مگر چوٹ لگی ہو تب ہی تو کہیں احساس کو ہاتھوں سے رول کر ختم کیا جا سکتا ہے۔ اتار دینے کے بعد بھی تو وہ کسک ویسی کی ویسی ہی رہی۔ ریل جا چکی تھی پر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی ابھی وہ روٹی کا ٹکڑا آ کر اس کے سینے پر آ کر لگا ہو۔ گاڑی کا ڈبہ جو نقطہ بن کر معدوم ہو گیا تھا اس کی نظروں میں پھر ابھرا اور بڑھتے بڑھتے ایک سفید ڈبل روٹی کی شکل بن گیا۔ اس کے دماغ میں گڑگڑاہٹ سی ہونے لگی۔ جیسے سیٹی بج رہی ہو —— شور مچ رہا ہو —— گاڑی چھوٹ رہی ہو اور ان تمام طوفانوں کے درمیان صرف یہی ایک ٹکڑا —— کل تک کے لئے —— کل پھر اسپیشل آئے گی۔ مگر کہیں وہ کل ہی کی طرح نہ ہو —— اس کا دماغ گاڑی کے انجن کی طرح چھک چھک کرنے لگا۔ وہ کوئی بھک منگی تھوڑا ہی ہے جو دوسرے پلیٹ فارم پر جا کر مسافروں سے مانگے —— اور یہ کلموہے ہندوستانی مسافر ایک ٹکڑا جو دے دیں۔ پہلے اپنے ہی پیٹ کو تو ملے —— اور یہاں اسپیشل پر کیا نہیں —— مکھن، بسکٹ، جیلی —— اچھا دیکھا جائے گا —— کل سہی —— سرجو نہ جانے کدھر نکل گیا۔ شاید وہی کچھ لائے۔ مگر جب اس کو بھی کچھ نہ ملا تو سرجو کو کون دے گا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ گئی ہو۔ سامنے جھکا ہوا سگنل اٹھ چکا تھا اور سرجو کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شگفتہ نہ جانے کتنی دیر کھڑی رہی۔ نندلا کو آتے دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ اس کے ہاتھ میں پوری

علی اللہ کفۃ لعنۃ الشعب۔ مشکوٰۃ کے باب التوکل والصبر میں لکھا ہے کہ ابن ماجہ نے ذکر کیا کہ عمرو بن العاص نے نقل کیا کہ پیغمبر خدا نے

فرمایا۔ کہ بیشک آدمی کے دل میں ہر میدان کی طرف راہ ہے۔ سو کوئی پیچھے پڑے اپنے دل کو سب راہوں کے تو کچھ پروا نہیں اسکو سب

میں۔ ف۔ یعنی جب آدمی کو کچھ چیز کی طلب ہوتی ہے۔ یا کوئی مشکل آپڑتی ہے۔ تو اسکے دل میں ہر طرف خیال دوڑتے ہیں۔ کہ فلانے

پیغمبر کو پکاریے۔ فلانے امام کی مدد مانگیے۔ فلانے پیر شہید کی منت مانیے۔ فلان پری کو مانیے۔ فلانے نجومی رمال سے پوچھیے فلانے

ملا سے فال کھلوائیے۔ پھر جو کوئی ہر خیال کے پیچھے پڑتا ہے۔ تو اللہ اس سے اپنی قبولیت کی نگاہ پھیر لیتا ہے۔ اور اس کو اپنے بندوں میں

نہیں گنتا۔ اور اللہ کی تربیت اور ہدایت کی راہ اس کے ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ اور وہ شخص اسی طرح انہیں خیالات کے پیچھے دوڑتا دوڑتا تباہ

ہو جاتا ہے۔ کوئی دہری ہو جاتا ہے۔ کوئی ملحد اور کوئی مشرک۔ کوئی سب سے منکر۔ اور جو کوئی اللہ ہی پر بھروسا کرتا ہے۔ اور کسی خیال کے

پیچھے نہیں پڑتا۔ تو اللہ اس کو مقبول بندوں میں گن لیتا ہے۔ اور اس پر ہدایت کی راہ کھول دیتا ہے۔ اور اس کے دل کو چین اور آرام سے

ف ۱۳۷ پا لیتا ہے۔ ف۔ تنبیہ۔ اس کے دل کو چین اور آرام ایسا بخشتا ہے۔ کہ خیالات باندھنے والوں کو ہرگز میسر نہیں ہوتا۔ توکل

والا چین و آرام سے پا لیتا ہے۔ تنبیہ۔ شعب جمع شعبہ کی۔ شعبہ پانی بہنے کی چھوٹی راہ کو کہتے ہیں۔ جو ریتی میں پڑتی ہے۔ اور

چھوٹے چھوٹے نہروں کو شعبہ کہتے ہیں۔ اور بڑے نالے کو بھی اور رودخانے کو بھی۔ وادی عرب میں ندی کے پاٹ کو کہتے ہیں اور جمع اس کی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نیستی تو گم شدہ و امور باندازہ رحمت باد ۔۔ آنچہ ما فرمودہ ایم ۔ و مکر کردہ ایم ۔ لیکن اتی برجہ ما دانیم بکنیم ۔ شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ نے مشکوٰۃ کے

ترجمہ میں لکھا ہے۔ کہ شیخ ابن الہمام نے سنن ابی داؤد سے ۔۔ روایت لکھی ہے۔ کہ جب یہ بیچ میں آیا کہ حضرت مضر کے قوم کے حق میں بد دعا کرتے

تھے۔ جبریل آکے آپ کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور کہا۔ اے محمدؐ تم کو گالی اور بد دعا کرنے والا نہیں بنایا گیا۔ تم کو لوگوں کیلئے رحمت بنایا گیا

ہے اس کام میں تم کو کچھ کام نہیں۔ جسکو اللہ تعالیٰ نے لعنت کرنے اور ہلاک کرنے چاہیگا کریگا۔ اور جبریل نے آنحضرت کو اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ

کی دعا سکھلائی ۔ انتہی اور امت کے طلب میں دعا کرنے کی حدیث میں بھی اسی بات کا اشارہ ہے چنانچہ وہ حدیث یہ ہے۔ کہ سعد ابن أبي

مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَاتَ يَوْمٍ مِنَ الْعَالِيَةِ حَتَّى إِذَا مَرَّ بِمَسْجِدِ بَنِي مُعَاوِيَةَ دَخَلَ فَرَكَعَ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ

وَصَلَّيْنَا مَعَهُ وَدَعَا رَبَّهُ طَوِيلًا ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَيْنَا فَقَالَ سَأَلْتُ رَبِّي ثَلَاثًا فَأَعْطَانِي اثْنَتَيْنِ وَمَنَعَنِي وَاحِدَةً سَأَلْتُ رَبِّي

أَنْ لَا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالسَّنَةِ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِالْغَرَقِ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يَجْعَلَ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ

فَمَنَعَنِيهَا ۔ لِمُسْلِمٍ وَلِلتِّرْمِذِيِّ عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ سَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُهْلِكَ أُمَّتِي بِسَنَةٍ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا

يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ غَيْرِهِمْ فَأَعْطَانِيهَا وَسَأَلْتُهُ أَنْ لَا يُذِيقَ بَعْضَهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِيهَا + یعنی سعد رضی اللہ عنہ نے

روایت کی ہے۔ کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انجان کی طرف سے جہاں مدینے کے کچھ گاؤں ہیں چلے آئے۔ یہاں تک کہ

صلی اللہ علیہ وسلم كان اذا اراد ان يدعو على احد او يدعو لاحد قنت بعد الركوع فربما قال اذا قال

سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد اللهم انج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ابي ربيعة

اللهم اشدد وطاتك على مضر واجعلها سنين كسني يوسف يجهر بذلك وكان يقول في بعض صلواته

اللهم العن فلانا وفلانا لاحياء من العرب حتى انزل الله ليس لك من الامر شيء او يتوب عليهم او يعذبهم

متفق عليه - ابی ہریرہ سے روایت ہے - کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چاہتے - کہ کسی کو دعا یا بددعا کریں - تو قنوت پڑھتے رکوع

کے پیچھے - سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد کہنے کے بعد یا الٰہی بچالے ولید بن ولید کو اور سلمہ بن ہشام کو اور عیاش ابن ابی ربیعہ

الٰہی شدت کر اپنی پکڑ کی مضر کے قبیلے پر - اور کر اس بلا کو قحط سالیاں یوسف کے قحط سالیوں کی سی اور پکار کے فرماتے اس کو اور اپنی بعض

نمازوں میں فرماتے - کہ الٰہی لعنت کر فلانے اور فلانے کو عرب کے کئی قبیلوں کو اس وقت تک کہ اتارا اللہ تعالیٰ نے ليس لك من الامر شيء او يتوب

عليهم او يعذبهم فانهم ظالمون کی آیت کو روایت کی اسکی بخاری اور مسلم نے - شیخ عبد الحق نے مشکوٰۃ کے باب القنوت میں اس حدیث کی شرح

میں یوں لکھا ہے - نیست ترا ای محمد تصرف در کارخانہ خداوندی و تقدیر الٰہی بر کار وی حل و عقد و تصرف و اختیار ہمہ بدست قدرت اوست و اوست

تا کہ ان اشقیا را ہلاک گرداند - یا بعضے از ایشان را رجوع کند - بفضل و رحمت خود اگر مسلمان شوند - یا عذاب کند ایشان را اگر بر کفر و ظلم خود مانند

[illegible]

ذلک فاوحی اللہ تعالی الیہ لو دعوتنی بالذی دعی بہ آدم ومن دونہ ما اجبتک فیہ ولکن اخبرک

لما منعت بہ حذا الا انہ یطلب الدنیا بالدین انتہی روایت ہے کہ ایک شخص موسی علیہ السلام کی خدمتگاری کرتا تھا۔

پھر لوگوں سے کہنے لگا۔ کہ مجھی خاص دوست نے یوں فرمایا۔ کہ مجھے موسی اللہ کے رازدار نے یوں فرمایا۔ مجھ سے موسی اللہ سے بات چیت

کرنیوالے نے یوں فرمایا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ایسی روایتیں سنا سنا کے پیسہ پیدا کیا۔ اور اس کا مال بہت ہوا۔ پھر یکایک گم ہو گیا۔

سو موسی اسکی تلاش کرنے لگا۔ اور لوگوں سے اسکی خبر پوچھنے لگے۔ اس کا نشان کہیں نہ پاتے تھے۔ اس وقت تک کہ ایک روز کسی ایک

شخص نے ان کے پاس ایک سور کو لایا۔ جسکے گلے میں کالی رسی بندھی تھی۔ سو کہنے لگا۔ کہ اے موسی فلانے شخص کو پہچانتے ہو کیا

آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے عرض کی۔ کہ وہ شخص یہ سور ہے۔ تب موسی کہنے لگے۔ کہ خداوندا میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں۔ کہ اس کو اسکے

حال طرف پھیر لا۔ تا میں پوچھوں۔ کہ اسپر یہ مصیبت کیوں پڑی۔ پھر اللہ نے انکی طرف وحی بھیجی۔ کہ تو جن جن باتوں سے آدم اور آدم

سے ورے انبیا صلوات اللہ علیہم پکارتے ہیں۔ ان باتوں سے پکاریگا۔ تو بھی تیری دعا اس کے باب میں قبول نہ کرونگا۔ لیکن میں نے جس سبب

اس کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ سو تجھکو اسکی خبر سنا دیتا ہوں۔ کہ وہ دنیا کو دین سے پیدا کرتا تھا۔ اور وہ حدیث جو قنوت کے باب میں مذکور ہے

اس سے بھی ایسا ہی معنی نکلتا ہے۔ چنانچہ مشکوۃ کے باب القنوت کے پہلی فصل میں ہے۔ کہ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ

پیغمبر چاہیں رے بڑے جیسے عمل کرے ہیں سکر کسی کو یہ نفع نہ پہنچا ہیں - ملا اللہ کے کہنے سے کچھ بھی نہیں سکتا - ش - فی الشعر گر چاہا ہی خواہند

کہ ہر سوی ز جہان کا منید * گر نباشد خیال ارادت او - نتوان کاستن سر یک مو * در ہمہ مقام آن آئینہ * کہ برآں بر ذرہ بغیر امنید * نزند پی ارادت

او سوہ - نتوانند ذرہ افزود * مگر سارے خلائق عزم لاویں - کہ ایک تل اس جہاں میں سے گھٹا دیں - ویا ذرہ کریں اس پر زیادہ - نہ ہوگا گر نہ ہو اس کا ارادہ

ف ١٣٦ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ جو عوام الناس کہتے ہیں - کہ انکو اللہ نے یہ طاقت بخشی ہے - کہ تقدیر کو بدل ڈالیں اور جسکی تقدیر میں اولاد نہیں

اسکو اولاد دیویں - جسکی عمر تمام ہو چکی ہو - اسکی عمر بڑھا دیں - سو یہ بات کچھ صحیح نہیں - تمام علماء نے یکبار ان سمجھا ہے - کہ اللہ اپنے بندے کی دعا کبھی

قبول بھی کر لیتا ہے - اور انبیاؤں کی اکثر - اقرامن - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ انبیا کی تمام دعا قبول بھی نہیں ہوتی - یہ کہا بات ہے جناب

یہ بات صحیح ہے خیانچہ نوح علیہ اسلام کی دعا ان کے بیٹے کنعان کے حق میں قبول نہ ہوئی - اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا ان کے خادم کے حق میں جو انہی

دین بیچ کے دنیا کمالی تھی - اس کا قصہ احیاء العلوم اور قوت القلوب اور حیوۃ الحیوان میں مذکور ہے - کہ روی ان رجلا کان یخدم

موسیٰ علیہ السلام فجعل حدثنی موسیٰ نجی اللہ حدثنی موسیٰ کلیم اللہ حتی اثری وکثر ماله ففقده موسیٰ وجعل

یسال عنه فلا یحس له اثر احتی جاءه رجل فاتیه و فی یده خنزیر وفی عنقه حبل اسود فقال له موسیٰ

تعرف فلانا فقال نعم - فقال هو الخنزیر فقال موسیٰ یا رب اسئلك ان تردہ الی حاله حتی اسأله بما بلغ

دکرنا وہ تیرے سے نزدیک ہے۔ ش۔ چنانچہ فرمایا۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ یعنی ہم نزدیک ہیں اسکی طرف یعنی بندے کی طرف
اسکی شاہ رگ سے بھی۔ اور قریب و مجیب اس کے مبارک ناموں میں کے مشہور نام ہیں۔ پھر جو کوئی ان آیتوں کے معنی میں تامل نہ کرے۔ اور عقل
ایمانی سے اور نظر اعتقاد سے اللہ کے اس قرب کو اور رب و ما قبول کر کے نہ پاوے۔ اور نہ دیکھے تو حقیقت میں عقل کا اندھا ہے مصنف نے
شان اسکی ش الیسی کہی۔ جاننا چاہیے کہ ایک رعیتی اپنے پادشاہ کے پاس اکیلا بیٹھا ہے۔ اور وہ پادشاہ اسکی عرض سننے کو متوجہ ہے
پھر وہ رعیتی کسی امیر وزیر کو کہیں دور سے کہے۔ کہ تو میری طرف سے فلانی بات حضور میں عرض کر دے بس وہ اندھا ہے یا دیوانہ۔ ش ۔ ۹
دوست نزدیکتر از من بمن است ۔ وین عجب تر کہ من از وی دورم ۔ چہ کنم با کہ توان گفت کہ او ۔ در کنار من و من مہجورم ۔ و من القصائد
والعجائب جمة ۔ قرب الحبيب وما اليه وصول ۔ كالعيس في البيدا يقتلها الظما والماء فوق ظهورها محمول ۔ یعنی
عجب باتوں میں کی ایک بات اور عجائب بہتیرے ہیں نزدیک رہنا دوست کا اور نہیں ۔ اسکی طرف پہنچ جیسا کہ گدھے جنگل میں مارے پیاس سے ان کو ہلاک
اور حال یہ کہ پانی ان کے پیٹوں پر لدا ہے ۔ اس واسطے رسول کریم نے ہم کو عقل و ادب سکھایا ہے اور پیغمبرانہ یا سکھا ہر مراد اللہ سے مانگنے اور مشکل میں
اسکی مدد چاہنے ۔ ش ۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ہمکو سکھایا ہے ۔ کہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ اور آگے حدیث میں آیا ہے ۔ کہ اِذَا
اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ۔ اور یہ نستعین ہی مشہور ہے اور یقین سمجھ بیٹھا ۔ کہ قسم تقدیر ہرگز نہیں پھرتا ۔ اور کیا ہرگز نہیں گھٹتا

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا

قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۔ یعنی یاد کرو جب اللہ تعالی نے عہد نبیوں کا اس کا بیان کہ جس سبب سے تمہیں کتاب کی

قسم سے اور ایمانی عقل کی قسم سے نبات کی ہے پھر جب آئے تم پاس رسول سچا بتاتا ہوا اسکو جو تمہارے ساتھ ہے ۔ تو مقرر ایمان لاؤ تم

اس پر اور البتہ یاری کرو تم اس کی ۔ پس پوچھا فرمایا اللہ تعالی نے ۔ کہ تم نے اقرار کیا ۔ اور لیا اس بات پر میرا عہد ۔ کہنے لگے ہم نے اقرار کیا فرمایا پس شاہد رہو

اور میں بھی تمہارے ساتھ شاہدوں میں کا ہوں ۔ اور ایک صورت یہ کہ اللہ تعالی اپنے فرمودے موافق اپنے کرنے والے کو رحمت سے یاد کریگا ۔ تم

کوئی تعارض کرے یا نہ کرے ۔ اور اسی طرح گو وہ سب خبر سے پاک ہے ۔ مگر سب مانگو اور رب داہوں کا ساور یا رہنی کیا ۔ کہ رعیتی جو ہم سے

اور امیر وزیر ہی بیت پر حکم چلاویں ۔ اور یعنی لوگ انہی کا نام فرو تیرے ۔ سو کہ اللہ اپنے بندوں سے نسبت نزدیک ہے تس جانچ فرمایا ۔ کہ وَإِذَا

سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ

یعنی جب پوچھیں تجھکو میرے بندے میرے سے تو کہدیجو ۔ کہ مقرر نزدیک ہوں میں پہنچتا ہوں میں پکار کو پکارنے والے کے جب مجھکو پکارے

پھر چاہیے ۔ کہ میری مانیں اور مجھ پر ایمان لاویں ۔ شاید کہ وے راہ پاویں ۔ جو دانا بندہ اپنے دل سے اسکی طرف متوجہ ہووے تو ہمکو

اپنے منہ کے روبرو ہی پاوے ۔ وہاں اپنی غفلت ہی حجاب ہے ۔ اور کچھ پردہ نہیں جو کوئی اس سے دور ہے اپنی غفلت کے سبب دور ہے

کہ جو کوئی اپنے ان کے کام کے برآمد ہونے کے واسطے کسی بزرگ کو اللہ کی جناب میں وسیلہ لاوے - اور وسیلہ لانے سے اس کام بر آوے - تو خدا کی جناب میں اس وسیلہ
لانے والے کو مقصود بالذات رہتا ہو - سو اپنا کام ہوگا یا وسیلے کا اظہار شرف و اقرار اپنے ایمان کا اس وسیلہ پر - یا اس وسیلہ کی پیروی کا عہد کہ اگلی
صورت میں ہم کو بحث کرنا ہے - باقی صورتیں سب بیشک اچھی ہیں - پہلی صورت میں جو کام وسیلہ لانے والے کا مقصود بالذات ہے - یا خدا کی خوشی کا ہی
ہوگا - یا وسیلے کا اظہار شرف و اقرار اپنے ایمان کا اس وسیلہ پر اس وسیلہ کی پیروی کا عہد [illegible]! تو اس کے حاصل ہونے کے واسطے اس کے مقصود ہونے کا
وسیلہ لانا بیشک اچھا ہے - پھر اگر وسیلہ لانے والے کی خوشی کا کام ہوا اور اس کے واسطے وہ مضطر اور لاعلاج ہو گیا ہو تو معذور ہے - اور یہ وسیلہ لانا
بے صبری اور بیقراری کا نتیجہ ہے اور مقصود بالذات اپنا کام ہی ہے - نہ وسیلہ اس بات کو ہم سب وجہ سے خوب نہیں کر سکتے - اسی طرح اگر یہ سمجھے
کہ بن وسیلہ لائے کے اپنا کام بر آنے کا ہی نہیں - تو یہ بات بھی اچھی نہیں - پھر اگر عادت کے موافق ہر کام کے برآمد کی دعا میں وسیلہ لایا کرتا ہے
تو کچھ مضائقہ بھی نہیں - پھر جن صورتوں کا مضائقہ ہے - سو اول مذکور ہو چکیں - پھر آدم علیہ السلام نے جیسا بعض روایتوں میں ہے - کہ اپنے قصور کی معافی کے
واسطے آنحضرت کا وسیلہ لایا تھا - سو اپنے ایمان کا اقرار آنحضرت پر اور اس جناب کے شرف کا اظہار اور اپنے اتباع کا عہد تھا - اگر بالفرض
انہوں نے آپ کا زمانہ پایا ہوتا - اور ان سب سے اللہ کی رضامندی اور رحمت کی مقصود تھی - نہ اور کچھ - کہاں یہ سب کہاں خود غرض بد دینوں کے
وسیلہ لانے کا طرز - کوئی کج بحث یہ نہ کہے - کہ آدم پر آنحضرت کا اقرار اور انکی اتباع کا عہد کہاں فرض تھا - کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ آیت کی رو سے آدم علیہ السلام
پر تو کیا سب انبیا پر فرض تھا - چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

عبدالحمید عدمؔ

غزل

وہ راتیں، وہ جلسے، وہ رنگیں فسانے
کہاں جا چھپے وہ مقدس زمانے

کبھی نرم رو ساعتوں کا ترنم
کبھی تلخ حالات کے تازیانے

مرے جام میں بھر دیا سرد پانی
یہ کیا ظلم ڈھایا کسی پارسا نے

وہی ابرِ رحمت، وہی ساز و بربط
وہی رقصِ مستی، وہی بادہ خانے

نہ پوچھو یہ صوفی منش لوگ شب کو
کہاں جا رہے ہیں وضو کے بہانے

کسی برقِ تازہ کو بہکا کے لانا
بڑی دیر سے سرد ہیں آشیانے

چلو خیر! اب فکر کیا اُن ضدوں کا
نہ ہم لوگ مانے، نہ تم لوگ ملنے

وہ ساون کی راتیں، وہ جنت کی باتیں
وہ کوثر کے چھینٹے، وہ شیریں فسانے

یہ کس رنگ کی گردشیں کھا رہا ہے
ارے او زمانے، ارے او زمانے

گرا لڑکھڑا کر عدمؔ جب بھی کوئی
خرد مند شیشے لگے مسکرانے

اس بزرگ کے واسطے سے مجھ پر رحم کر - اس رحمت خاص میں جو اس کرم کو شامل ہے - مجھی داخل کر - یا حق سبحانہ تعالی کے وعدہ تعلق کو

جو اپنے درگاہ کے بیکاروں سے کیا ہے - ادعونی استجب لکم دستگیروں کے طفیل مانگتا ہے - چنانچہ مجھ شامین ایک آیا ہے

رفضیہ جو سب روحوں میں سے تھا لانا مذکور ہوا - ایسے مناسب وجوہ ہیں - نہ ابن العرضوں کی دعوتوں سے جنکا قبلہ بہت ابتدای مطلب و دعا سے جسکو توکو مطلق ہے

قسمیں دے کر دعائیں مانگا کرتے ہیں - پھر اس بیان واقعی سے مصنف کے قول کی صداقت ظاہر ہوئی - جو کہا کہ وہ بڑا کریم و رحیم ہے - اور کسی کی

وکالت کی حاجت نہیں جو کوئی اس کو یاد رکھے وہ اس کو یاد رکھتا ہے - چنانچہ فرمایا کہ فاذکرونی اذکرکم اور حدیث میں آیا ہے - کہ من ذکرنی

فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی ومن ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منہ - اور ایک حدیث میں آیا ہے - انا عند ظن

عبدی بی اذا دعانی - یعنی بندہ جو گمان مجھ سے کرتا ہے - میں اس گمان کے ساتھ ہوں - اور جس کا مضمون جو وہ مجھ کو یاد کرے

اور آگے کی حدیث میں آیا ہے - واحفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاهک - لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ مصنف نے

توسل کی جائز صورت کو منع کیا ہے - نہیں بلکہ اس نے تو آگے چل کے یا شیخ عبدالقادر کے ختم کے مقدمے میں یوں کہا ہے - کہ اللہ کہے دے

تو شیخ عبدالقادر کے واسطے - تو جائز ہے - انتہی - کیونکہ یہ جائز صورت ہے - مگر ایسی صورتوں کو وہ جب سمجھتا یا ہر آدمی کار کو اس پر موقوف مانا

۱۳۵ اور خدا کی جناب پر دنیا کے غافل اور مغرور بادشاہوں کا قیاس کرنا یاروں کی خوشامد ترشی اور خوشی نہیں ہے - میاں فرشتے آئے سمجھے

یعنی ... اس کے ... اور ... دونوں ... معنی کی ... آئی ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

۱۱۵۵ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

يَنفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ

رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔ مشکوٰۃ کے باب التوکل میں لکھا ہے کہ ترمذی نے ذکر کیا۔ کہ نقل کیا ابن عباس نے کہ تھا میں پیچھے پیغمبر خدا کے

ایک دن سو فرمایا۔ کہ لڑکے یاد رکھ اللہ کو۔ کہ وہ یاد رکھے تجھکو۔ یاد رکھ اللہ کو کہ پاوے تو اسکو اپنے روبرو۔ اور جب مانگے کچھ تو مانگ اللہ ہی سے اور

جب مدد چاہے۔ تو مدد چاہ اللہ ہی سے۔ اور یہ یقین سمجھ لے۔ کہ بیشک سب لوگ اگر اکٹھے ہو جاویں۔ اس پر کہ نفع پہنچاویں تجھکو نفع تو

نہ پہنچا سکینگے۔ اسپر کہ نفع پہنچاویں تجکو۔ تو فائدہ نہ پہنچا سکیں۔ مگر جتنا لکھدیا اللہ نے تیرے حق میں۔ اور جو اکٹھے ہو جاویں اس پر۔ مگر اتنا ہی کہ لکھدیا ہے

اللہ نے تجھ پر۔ اٹھائے قلم اور سوکھ گئے کاغذ۔ ف یعنی اللہ صاحب گو سب بادشاہوں کے بادشاہ ہے۔ پر اور بادشاہوں کی طرح مغرور نہیں ف ۱۳۲

کہ کوئی رعیتی بغیر التجا کے۔ اس کی طرف سر نہ کرتے خیال نہیں کرتے۔ اسلئے رعیتی لوگ اور امیروں کو ملتے ہیں۔ اور ان کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں

تاکہ انکی خاطر سے التجا قبول ہووے۔ ش۔ مخفی نہ رہے کہ ایسے وسیلے ڈھونڈھنے والوں کو اپنا مطلب مقصود بالعرض اس واسطے وہ لوگ ان

الغرض کہلاتے ہیں۔ پھر جب ان کا مطلب وسیلے سے نکلے۔ تو دوسرا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں۔ اگر اس سے برآمد کار نہ ہووے۔ تیسرے وسیلے کی طلب

میں پڑتے ہیں۔ علی ہذا القیاس ان کو مطلب سے غرض ہے۔ کسی وسیلے سے کام نہیں۔ لیکن خدا کے ہاں وسیلہ ایسا نہیں بلکہ وسیلہ بالذات

چاہئے۔ اور باقی کام مطلوب بالعرض۔ اور ایسا نہیں۔ تو وسیلہ ٹھہرانا ایک قسم کا نفاق ہے خواہ کیا لوگ اپنے مقتدے کے مراد کے

اور دوسرے کسی معبود پر یقین نہیں۔ اور دوسرے کسی نبی پر ایمان نہیں۔ تو ایسا کہنے والا بے شبہ کافر ہو جاوے۔ اور اسی طرح اگر کہے
کہ اللہ ہی کی اطاعت کیجیے۔ اور کسی مخلوق کی فرمانبرداری بالکل نہ کیجیے۔ تو بھی کفر ہو جائے۔ سو گویا حضرت رسول کی اطاعت کا انکار نکلتا ہے
اسی طرح اگر کہے۔ کہ اللہ ہی موجود ہے اور کوئی مخلوق حس میں ہی موجود نہیں۔ تو البتہ خلاف شرع مذمّ آوے۔ اور بڑی بڑی تہمتیں
اس پر مرتب ہوویں۔ اور اسی طرح اگر کوئی گمراہ یا احمق کہے۔ کہ عاقبت میں ہر کسی کو اللہ ہی مغفرت کرے تو قبول کر دیگا۔ اگر کسی کی شفاعت نہ لیگا
تو نہ ہو گا۔ ایسا کہنے والا بیشک کافر ہے۔ اور شفاعتوں کا منکر ہو اگرچہ ایسے اشخاص کی سند بھی تراشو وی۔ تاکہ باعقوبت دوزخ
رفتن ہائی مردی ہمسایہ در بہشت۔ تو بھی سمجھ نہیں۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ اللہ سوائے کوئی خالق نہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کا انکار نہیں
نکلا۔ جنکی زبانی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ کہ وَاِنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ۔ یعنی جب پیدا کرتا ہیں
تمہارے لئے مٹی سے مانند صورت پرندے کے۔ اور اسی طرح کوئی کہے۔ کہ اللہ ہی شافی اور مردوں کو زندہ کرنیوالا ہے۔ تو حضرت
مسیح علیہ السلام کے معجزے کا منکر نہ ٹھیرا۔ جو اللہ تعالیٰ نے انکی زبانی فرمایا ہے۔ کہ اُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْ
یعنی اور چنگا کرتا ہیں ماں پیٹ کے اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلاتا ہیں مردوں کو اور اسی طرح اگر کوئی کہے کہ اللہ ہی رزاق ہے
اسی سے روزی مانگا چاہیے۔ اور کسی سے نہیں تو اس بات میں میکائیل علیہ السلام جو رزقوں پر موکل ہیں۔ بے پروائی نکلے

حمایت اور پناہ میں نہیں لیتا۔ اور کسی کے ڈر سے بھی آپ ہی شریعت کے مخالف کو پناہ دینے اور قانون سے منع فرماتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مَن

آویٰ محدثاً فعلیہ لعنۃ اللہ۔ الحدیث جس نے پناہ دی بدعتی بدکار کو اس پر خدا کی لعنت۔ اس بات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت اور دوسرے حضرات خدا کے

مقابل کسی کے حمایتی نہ بنیں گے۔ ہاں اللہ کے نام سے کسی کی شفاعت کر سکیں گے۔ پھر شفاعت کا معنی جدا ہوا۔ اور حمایتی کا معنی جدا۔ کیونکہ کوئی سفارش کرے تو نہ لیجیے

کہ اس نے حمایت کی۔ اسی طرح جو کوئی بچا اور حمایت کر کے کسی کو چھڑا دے۔ تو کوئی نہ سمجھے۔ نہ وہ کسی کی سفارش کرتا ہے۔ ہاں کچھ نفع کی بات جدی سے عرض میں تو اس

کسی طرح سے واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس نے مسافر مصنف کے کسی ادنیٰ کے فقرے میں کسی حمایتی کے بھروسے پر شریعت کو خوار کر کے سلطان منع کر کے آیا شریعت

خدا و رسول کی راہ و رسم۔ اور رسول کبھی خدا کے باغیوں کے حامی ہونے والے نہیں۔ اس واسطے حمایتی کے راہ و رسم کہنے سے معلوم ہوا کہ وہ حمایتی اور راہ و رسم

لوگوں کے تراشے ہوئے ہیں۔ سو پیروں کے تراشے ہوئی کی کوئی اقتدا کرنی نئی شریعت تراشنی ہے۔ وہ تو کفر اور شرک ہے۔ اسی واسطے مصنف نے کہا کہ میں کیا

بڑی قباحت کی بات ہے۔ اور سارے نبی ولی اس سے بیزار ہیں۔ وے ہرگز ایسے لوگوں کے شفیع نہیں بنتے۔ بلکہ خفا ہوتے ہیں۔ اور الٹے اس کے دشمن بن

جاتے ہیں۔ کیونکہ اتنی بزرگی تو یہی تھی کہ اللہ کی خاطر کو جورو بیٹے مرید شاگرد نوکر غلام یار آشنا سب کی خاطر سے مقدم رکھتے تھے۔

اور جو یہ لوگ اللہ کے اختلاف ہوتے۔ تو وے بھی ان کے دشمن ہو جاتے۔ تو پھر یہ کیا زمانے والے لوگ ایسے کیا ہیں کہ وے طرف سے ہو کے

لوگ ان کے حمایتی بن کر اس کے خلاف مرضی ان کی طرف سے اس کے حضور جھگڑنے بیٹھیں گے۔ مطلب بات تو وہی ہے کہ الحب للہ والبغض للہ

صدیقہ بیگم

پیپ بہتی ہوئی گلتے ہوئے ناسوروں سے

فوجی اسپیشل آئی اور چلی گئی! شگفتہ کی نگاہیں ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی چمکیلی پٹڑی پر پڑیں جس پر گاڑی پھسلتی چلی جا رہی تھی وہ گاڑی کے آخری ڈبہ پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ کاش! وہ ان نگاہوں سے اس افق میں تحلیل ہوتی ہوئی گاڑی کو تھام سکتی اور پھر دوڑتی ہوئی ان سفید جھڑی والے "حبشیوں" سے کہتی ——

"مجبور بھکارن —— مجبور —— مجبور —— بھکارن" وہ اتنا کھینچ کر کہتی کہ اُس کا پورا جبڑا پھیل جاتا۔ اس کی آنکھوں کی عاجزی پورے چہرے پہ اپنا سایہ ڈال دیتی۔ لیکن گاڑی جا چکی تھی۔ آخری ڈبہ چھوٹا ہوتے ہوتے ایک نقطے کے برابر رہ گیا تھا زندگی خود بھی تو اپنی وسعتوں کے باوجود ایک نقطے ہی کے برابر ہے۔ یہ اور بات ہے کہ پھر وہ اس نقطے کے بل پہ ایک دائرہ بناتی ہے سا ایک نہ ختم ہونے والا دائرہ —— جس کا کوئی سرا نہیں —— بالکل لامتناہی —— لامحدود۔

"اُونھ —— شگفتہ کے منہ سے ایک بے معنی کراہ نکلی وراس کی نگاہیں ریل کی بل کھاتی ہوئی چمکدار ناگن سے ہٹ کر مٹھی میں بھنچے ہوئے ڈبل روٹی کے ٹکڑے پر پڑیں ساتھ ہی اُس نے اپنی بائیں چھاتی میں ایک کسک سی محسوس کی جیسے اُس ڈبل روٹی کے حقیر سے ٹکڑے سے بڑی چوٹ سی تو لگی تھی۔ جیسے وہ روٹی کا ٹکڑا نہیں بندوق کی گولی تھی جس نے اس کی کومل چھاتی میں گہرا ناسور کر دیا تھا۔ کبھی نہ بھرنے والا ناسور —— اور وہ لال لال بندر نما فوجی گویا اپنی اس کمینی حرکت پر ابھی تک قہقہہ لگا رہا تھا —— ننگ دھڑنگ فوجی —— جس کے شفاف سینے پر نیلے نیلے حروف کھدے ہوئے تھے جیسے دل کی سیاہی سمٹ کر سینے پر اُبھر آئی ہو شگفتہ کو غصہ آنے لگا۔ اگر وہ اس ٹکڑے کے بجائے پوری ڈبل روٹی اس کی چھاتی پر دے مارتا تو شاید اس کو اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ لیکن ٹکڑے کی کسمساہٹ ریت کے مہین ذرّوں کی طرح اس کے جسم میں محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ جیسے وہ اس کسک کو مٹا رہی ہو مگر چوٹ لگی ہو تب ہی تو کہیں احساس کو ہاتھوں سے مل کر ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہاتھ اُتار دینے کے بعد بھی تو وہ کسک ویسی کی ویسی ہی رہی۔ ریل جا چکی تھی پر ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ابھی ابھی وہ روٹی کا ٹکڑا آ کر اس کے سینے پر آ کر لگا ہو۔ گاڑی کا ڈبہ جو نقطہ بن کر معدوم ہو گیا تھا اُس کی نظروں میں پھر اُبھرا اور بڑھتے بڑھتے ایک سفید ڈبل روٹی کی شکل بن گیا۔ اس کے دماغ میں گڑگڑاہٹ سی ہونے لگی۔ جیسے سیٹی بج رہی ہو —— شور مچ رہا ہو —— گاڑی چھوٹ رہی ہو اور ان تمام طوفانوں کے درمیان صرف یہی ایک ٹکڑا —— کل تک کے لئے —— کل پھر اسپیشل آئے گی۔ مگر کہیں وہ کل ہی کی طرح نہ ہو —— اس کا دماغ گاڑی کے انجن کی طرح چھک چھک کرنے لگا۔ وہ کوئی بھیک منگی تھوڑی ہی ہے جو دوسرے پلیٹ فارم پر جا کر مسافروں سے مانگے —— اور یہ کلموہے ہندوستانی مسافر ایک ٹکڑا جوڑے دیں۔ پہلے اپنے ہی پیٹ کو تو بھرے —— اور یہاں اسپیشل پہ کیا نہیں —— مکھن، بسکٹ، جیلی —— اچھا دیکھا جائے گا —— کل سہی —— سرجو نہ جانے کدھر نکل گیا شاید وہی کچھ لائے۔ مگر جب اس کو بھی کچھ نہ ملا تو سرجو کو کون دے گا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ گئی ہو۔ سامنے جھکا ہوا سگنل اُٹھ چکا تھا اور سرجو کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شگفتہ نہ جانے کتنی دیر کھڑی رہی۔ نرملا کو آتے دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ اس کے ہاتھ میں پوری

فضل حق کا وجہ جاہ حاصل ہوتا ہے ۔ اور اسی کے حکم سے شافع مشفوع لہ کی شفاعت کرتا ہے ۔ نہ مشفوع لہ کے ظلم سے نہ اسکے گناہ سے نہ اسکی گھبراہٹ

اُسی سے نہ سفارش ماننے سے اور یہ بھی جاننا چاہئے ۔ کہ مومن کی نجات آخرت تین طرح پر ہے کہ جنکی امید ہے ایک تو نیک اعمال کی جزا سے دوسرے فضل رحمت الٰہی

سے تیسرے شفاعت سے جو تھوڑے بد عملوں کی سزا کے بعد پھر ان میں سے کسی کو شفاعت کو اپنی خلعت پاینگا یعنی سب حیل کر لینا محض نادانی کی زبردستی ہے

جب یہ چاروں صورتیں ہی نکلتی ہیں ۔ ان میں سے ایک سچا کو وہ سب جانتے ہیں سمجھی کی وہیں ہے ۔ سبب ایمان کے فضل کا سبب گویا ایمان اور ڈر کے بیچ میں ہے

اس واسطے اپنی نجات کے سبب لوگ کو اللہ پر ہی سونپ دینا اور رسول اللہ کے حکم کی موافق توحید اور اتباع سنت کی موافق اللہ کی مرضی کو حاصل کرنا ضرور ہے وہ

بھروسا کرنے والوں کے کاموں کو بخوبی بنا دیتا ہے ۔ چنانچہ فرمایا ۔ کہ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے ۔ کہ مصنف نے جو کہا کہ

یہ حاجت بھی اس کے اختیار پر شافع ٹھہرانے کا حکم ہووے ۔ تو اوروں کو شافع ٹھہرا دیگا حضرت کو نہیں جب الیٰ نہیں ہے تو مصنف کے کلام پر نزاع

کچھ نہیں ہو سکتا ۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ ۔ اور یہ بھی ایک کام کی بات یاد رکھنا چاہئے ۔ کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو فرمایا ہے کہ میں گنہگاروں کا

شفیع ہوں ۔ اس بات سے آپ کا مقصود ہمکو کیا معلوم ہوا ۔ کیا یہ کہ میں گنہگاروں کا حمایتی ہوں ۔ یا یہ کہ جو کوئی خدا کا خلاف کرے ۔ آپ کا مقصود یہ کہ گنہگاروں

سے کہنا ۔ میں خدا کے مقابل ان کا حامی ہوں ۔ یا کہ میرے سکھائے ہوئے ادبوں کو اور قاعدوں کو چھوڑ کر شتر بے مہار بنکر جو چاہو کرو سو کرو

میں تمکو چھڑا لونگا ۔ یا یہ کہ باوجود خدا کی مرضی تمہارے پکڑے جانے پر ہووے ۔ میں تم کو اس کے ہاتھ سے چھڑا دونگا ۔ یہ کہ اعلیٰ ذرا ڈر کے لوگوں کو اپنے بس

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس قسم کی شفاعت میں وہ کوئی کہ امر جلیہ ہے - اور نووی کو اس بات میں تردد ہی کیا سبب کی تردد کا
سبب یہ ہے کہ نہ اس بات کی تصریح آئی نہ نفی اور کہا - یہ شفاعت ہے - اگرچہ جانتے ہیں مراد اس پر رکھنے کے بعد اور لزوم آئی ہے - اسی سے نجات آتش کی
جو بھی شفاعت زمانے میں اسکے جو دوزخ میں داخل ہو موحدین ہے - جس حال میں کہ انکے دل میں ذرہ بھر ایمان رہا ہے یہ قسم کی شفاعت خاص نبی
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے - پانچویں شفاعت زمانے میں انکے جو آتش میں ڈال دیا گیا ہو موحدین میں سے سوائی ان لوگوں کے جو چوتھی قسم میں مذکور ہوئے
اور شرح کسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کی شفاعت میں انبیا اور ملائک اور مومنین اور امام لقانی بھی ہدایت المرید شرح جوہرۃ التوحید
میں ایسا ہی لکھا ہے - دیکھو تو - اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے - کہ الثالثۃ الشفاعۃ لقوم استوجبوا النار فیشفع فیھم نبینا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ومن یشاء اللہ - الرابعۃ فیمن دخل النار من المذنبین فقد جاءت ھذہ الاحادیث باخراجھم
من النار بشفاعۃ نبینا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والملائکۃ واخوانھم من المؤمنین - یعنی تیسری قسم کی شفاعت اس قوم کی
ہے - جو دوزخ کے لائق ہووں - پس شفاعت کرنے کے انکی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جو کوئی کہ چاہے اللہ تعالی ؛ چوتھی شفاعت انکے حق میں جو
میں داخل ہوا ہو گنہگاروں میں سے - پس مقرر آئی ہیں حدیثیں نکالنے میں - ان لوگوں کے دوزخ سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور ان کے مومن بھائیوں
کی شفاعت سے - اور امام سبکی نے شفاء السقام میں لکھا ہے - کہ الشفاعۃ الرابعۃ فیمن دخل النار من المذنبین فقد جاءت الاحادیث الصحیحۃ

ثم العلماء ثم الشہداء ۔ اسنہ شہیدین رواہ ابن ماجہ ۔ بالجملہ تخصیص شفاعت بعض ست گروہے مذہب زہاد فضل و کرامت شان

است والا مذہب جمہور مسلمانان اثبات است ۔ و احادیث مشہورہ درین باب وارد اند از برای حضرت عاصی شاہ ۔ یا رفع درجات و انکار شفاعت

بدعت و مذہب مرقوم ہے ۔ عن عبد اللہ ابن ابی الجدعاء انہ سمع النبی یدخل الجنۃ بشفاعۃ رجل من امتی اکثر من بنی تمیم

قلنا سواک یا رسول اللہ قال نعم سوای ۔ یعنی عبد اللہ بن ابی جدعاء نے روایت کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت

میں جائینگے ۔ میرے کسی ایک امتی کی شفاعت سے بنی تمیم کے قبیلے سے زیادہ لوگ ہم نے پوچھا ۔ کہ یا رسول اللہ آپ کی شفاعت کے سوا تو فرمایا

ہاں میری شفاعت کے سوا ۔ انتہی ۔ اور امام شمس الدین رملی نے کتاب غایۃ البیان میں شفاعت کے اقسام میں لکھا ہے ۔ الثالثۃ فی اناس استحقوا

دخول النار فلا یدخلونہا قال القاضی و غیرہ نبیہ کہ بینا لشفاعۃ نبینا و تردد النووی فی ذلک قال السبکی لانہ

لم یرد تصریح بذلک ولا بنفیہ قال وہو فی اجازۃ الصراط لعب و ضعفہ ویلزم منہا النجاۃ من النار الرابعۃ فی اخراج

من ادخل النار من الموحدین وفی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان وہی مختصۃ بہ ۔ الخامسۃ فی اخراج من ادخل

من الموحدین من ایمان غیر ہؤلاء و تشارکہ فیہا الانبیاء والملائکۃ والمؤمنون ۔ یعنی تیسری قسم کی شفاعت

ان لوگوں کے حق میں ہوگی ۔ جو دوزخ میں جانے کے لائق ٹھیرے ہوئیں ۔ سو دوزخ میں نہ ڈالے جاویں ۔ کہا قاضی عیاض وغیرہ نے ذکر شفاعت

ماذون الله کی شفاعت شافعین [illegible] یہ قائل ہیں اعتراض کے باعث [illegible] کیسی [illegible] اس کا شفیع ہوا گیا ۔ وہ اپنے علم سے [illegible] جب کر جاہیگا ۔ الی آخرہ
[illegible] جس طرح پر [illegible] کہ غرض [illegible] آیا ۔ پھر ایسی [illegible] ہیں ۔ پر [illegible] توقف ہیں [illegible] والے کے [illegible] شفاعت ۔ [illegible] قرآن و [illegible]
[illegible] ہونے کی شفاعت [illegible] اس کے [illegible] ۔ چاہا شفیع کر دے [illegible] ۔ جسکو وہ چاہے ۔ [illegible] اختیار [illegible] ہی [illegible] ۔ یہ [illegible]
[illegible] اور [illegible] خیال [illegible] کو [illegible] اور [illegible] اس میں [illegible] اپنے [illegible] اختیار [illegible] ۔ ایسی [illegible] مقرر کرے [illegible]
[illegible] خیال [illegible] کیا [illegible] ۔ [illegible] کا [illegible] شفاعت کے [illegible] آنحضرت کے روز [illegible] مقام محمود کا [illegible] اس [illegible] ایسی [illegible]
[illegible] کیا [illegible] ۔ [illegible] آنحضرت [illegible] ۔ [illegible] کیا [illegible] کہ [illegible] اور [illegible] ۔ [illegible] شفاعت [illegible] ۔ [illegible] شفاعت [illegible] کی
[illegible] کو [illegible] ہے [illegible] ہے [illegible] دنیا [illegible] ۔ [illegible] کیا ہے ۔ اور [illegible] کرر [illegible] بخشنے [illegible] ۔ [illegible] کی [illegible] حشر
[illegible] کر دے ۔ [illegible] شفیع [illegible] ۔ [illegible] ہے ۔ [illegible] ثابت ہوتا ہے ۔ [illegible] مگر خدا کے [illegible] سے ثابت ہوتا ہے ۔ [illegible] نہیں ہوتا [illegible] شفاعت کا [illegible] سے [illegible] الیسی [illegible] نعوذ باللہ
[illegible] ۔ [illegible] سے [illegible] جو [illegible] سے ان لفظوں [illegible] نہیں [illegible] آنحضرت کی شفاعت [illegible] کہنے سے
[illegible] کیونکہ [illegible] ہے [illegible] کرکے کہنا [illegible] مراد ہیں ۔ [illegible] مسلمان [illegible] لفظ سے [illegible] کہ [illegible] اس [illegible] کیا ۔ [illegible] نہیں [illegible] سکے
[illegible] کا معنی [illegible] اور [illegible] کا معنی بھی ہوتا ہے اور [illegible] اس کے [illegible] ۔ [illegible] بھی ہوتا ہے [illegible] کرکے [illegible] کا معنی [illegible] میں [illegible] ہندی [illegible]

کرتا سادی ہوئی۔ اور بطلان تساوی کا ظاہر ہے۔ کیونکہ حضرت کا شافع ہونا بعد کے سبب سے متعین ہے۔ اور دوسروں کا مظنون اور متبادر ہونا اور مساوات کی

شفیع ہونے سے خاص حضرت کی ذات بشفاعت نہ مفہوم عام کہ لفظ (حسب) سے معلوم ہوتا ہے **جواب** ۔ سبحان اللہ۔ مصنف کی

عبارت کو خوب سمجھا بھی نہیں کیونکہ اس کے پورے کلام کو دیکھنے سے صاف یہ سمجھ میں آتا ہے۔ کہ جو شخص کہ چاہتا ہے کہ شفاعت سے چھوٹنے کے مقصد کو بھی اللہ ہی پر سونپ دے

وہ اپنی مرضی مقدس کے موافق اس بندے کی تدبیر کریگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں بہت جگہ پر فرماتا ہے۔ کہ یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء ۔ اور اگر کسی کو یہ خیال ہو جائے

کہ اپنے خیال میں کسی کو اپنا حاجتی ٹھہرا کے اسی پر توکل کر بیٹھے۔ چنانچہ اس طرح کا توکل کرنا اکثر لوگوں میں پھیل رہا ہے۔ یہاں تک کہ انکی بول چال اللہ کے لیے ایسے ہی

مضمون بہت سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی لوگوں کی نصیحت اور عمل درست کرنے کے واسطے مصنف نے ایسی باتیں کہی ہیں۔ لیکن اپنے بیان کو مقام محمود اور شفاعت کبریٰ

اور اثبات شفاعت کا [illegible] نہیں کرتا۔ بلکہ مصنف نے بیان شفاعت جو مفہوم ہم کی طرف نسبت رکھتی ہے سو اس کا ثبوت کر کے تم جو اسکی ان باتوں سے

آنحضرت کی شفاعت کا انکار تراشتے ہو۔ سو یہ تراشنا بالکل نہیں ہے۔ کچھ [illegible] ہے۔ یہاں یہ کہ شفاعت سے چھوٹنے کے مقصد کو اللہ ہی پر چھوڑے۔ اور دعا

سے کوئی شفیع اس کو ٹھہرانے کے واسطے مقرر ہونے سے آنحضرت کی شفاعت کا انکار نہ ہوگا۔ جب شفیع مقرر کرنا اللہ کی مرضی مقدس پر ہے تو آنحضرت

کو ٹھہرانے کا نہیں اور ہی کو ضرور شفیع ٹھہرا دیگا۔ غرض یہ ہے۔ اگر کسی کو کسی حاجت کا شفیع ٹھہرائے۔ تو حضرت کی شفاعت کا درجہ موقوف ہو جاتا ہے

سکتا ہے۔ ان دونوں حالتوں میں کچھ نسبت تضاد کی نہیں۔ دوسری یہ کہ مصنف نے آگے کہا ہے جس پر خیال کرنا چاہئے۔ کہ ہر ہر [illegible] الہامی کو ان کار

جس کو چاہے ہمارا شفیع کرے۔ ش۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَیْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ اور فرمایا کہ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا۔ اي

لَا يَشْفَعُ أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَكَأَنَّهُ مُسْتَقِلٌّ بِهَا وَهُوَ أَبْلَغُ لِأَنَّهُ هُوَ الشَّفِيعُ فِي الْحَقِيقَةِ وَهُوَ يَأْذَنُ فِي الشَّفَاعَةِ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

یعنی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الشیخ کر کے شفاعت۔ یعنی شفاعت نہ کریگا کوئی شخص مگر اللہ کے اذن سے پس اسی کی عبادت میں مشغول ہونا

بہتر ہے کیونکہ حقیقت میں اللہ ہی شفیع ہے۔ اور وہی اذن دیگا جسکو چاہیگا اپنے بندوں میں سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے سب شفیعوں کو بہی سماعت شفاعت کی

وعدہ کا امیدوار کیا ہے۔ چنانچہ آگے مذکور ہو چکا پھر کسکو معلوم کہ کس کس کا شفیع ٹھہرایا ہے۔ اللہ نے کے ما ہوس کیا کہ جسکو چاہے اپنا شفیع ٹھہرا لے۔ فرض کیا

ٹھہرایا بھی تو اسکے ٹھہرانے سے وہ شفیع کب اسکا حامی ٹھہریگا۔ مگر جب خدا حکم کرے۔ تبھی اسکی شفاعت کریگا۔ اسواسطے اس دعا کو بھی خدا ہی پر چھوڑتے ہیں

ایک معنی کا اعتراض اور اسکا رد لکھا جاتا ہے۔ اعتراض۔ جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کرے۔ اگر مصنف یوں کہتا جسکو وہ چاہے زید کا شفیع کرے۔ تو صحیح ہو سکتا

کیونکہ زید کے واسطے کوئی شفیع معین نہیں۔ اور جب ہمارا شفیع کرے تو صحیح نہیں۔ کیونکہ ہمارے کا مفہوم جمیع مسلمان ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے واسطے شفیع

مشہور ہو چکا ہے۔ اور اس عبارت سے تو ابھی کوئی شفیع ٹھہرا کے نہیں نکلتا۔ لیکن حاصل ہے اس عبارت کا یہ ہوتا ہے کہ جسکو وہ چاہے مسلمانوں کا شفیع کرے۔ یعنی

چاہے آدم کو۔ چاہے ابراہیم کو۔ چاہے عیسیٰ چاہے موسیٰ کو چاہے حضرت کو۔ چاہے کسی اور کو۔ تو ممکن ہے کہ سب کو چاہے حضرت کو نہ چاہے اور حضرت

کو چاہے سب کو نہ چاہے۔ اور سب کو چاہے۔ تو حضرت کا انکار نکلا۔ جب حضرت کو چاہا۔ سبکو چاہنے کا انکار نکلا۔ یا سب کو بہی اور حضرت کو چاہا

جاتی ــــ اس کا دماغ تیزی سے دوڑ رہا تھا اور پیر جیسے زمین میں گڑے ہوں ــــ نرملا اس کو دیکھ کر جاتے جاتے رک گئی۔

"کیوں شکنت بائی ــــ بھگوان جانے آج کون آتا ہے۔ کہیں وہ کلموہے جبشی نہ آجائیں جو بھاگنا ہی پڑے؟"

"نہیں ــــ پر دیکھو کون آتا ہے؟" اس نے بمشکل جملہ پورا کیا اور پھر نرملا کی طرف حریص نظروں سے دیکھنے لگی اس کے اعتماد کو ٹھیس لگی جیسے نرملا اس سے زیادہ خوبصورت ہے۔ نرملا کی پھٹی ہوئی چولی ــــ اس کو ہنسی آگئی۔

گھڑ..... گھڑ..... کی آواز جیسے فضا میں اڑتے اڑتے کسی گھر سے کھڈ میں جا گری ہو۔ گاڑی رینگتی ہوئی پلیٹ فارم پر آرہی تھی۔ وہ غور سے دیکھنے لگی۔ گورا فوج ہے۔ یا ہندوستانی ٹرین کے رکتے ہی وہ سب کچھ بھول گئی۔ اس نے دماغ پر زور ڈالا۔ ماتھے پر ہلکا سا پسینہ آکر رہ گیا۔ انگریز فوجیوں کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے ساڑھی کے پلو سے پسینہ پونچھا ــــ اور آہستہ سے کہا،

"صاحب دا ڈر ــــ صاحب بکھیس" وہ کام طلب کر رہی تھی حالانکہ وہاں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس کو کام دیتا۔

"آگے بڑھو۔ دیکھو نرملا کو صاحب نے پانی کا ڈبہ دے دیا وہ ہاتھ سے پانی بھر رہی ہے" نرملا کو دیکھ کر وہ جل ہی تو گئی۔

"کہاں جاؤں ــــ؟" اس کی زبان سے نکلا۔ پھر اس کی نظریں ان ہندوستانیوں پر پڑیں جو بیکار کی بحث میں الجھے ہوئے تھے۔

"دیکھا ــــ کیبنٹ مشن نے اکھنڈ ہندوستان کا اعلان کر دیا ــــ ہندوستان آزاد ہو گیا۔ آزادی مل گئی اب ہمارا راج ہوگا۔ جناح صاحب کو کیا بیوقوف بنایا؟"

"ادھر ــــ بیکار باتیں"

آزادی ــــ غلامی۔

غلامی ــــ آزادی

وہ ایسی فضول باتیں سن کر کیا کرے گی۔ یہ سب باتیں پیٹ بھرنے کی ہیں۔ اس نے گورے سپاہی کو دیکھ کر اپنا آنچل ڈھلکا دیا اور پھر غور سے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ وہ خود بخود جھیپ گئی۔ کاش زمین پھٹ جاتی۔ اس نے نرملا [illegible] زیادہ اپنی چولی کو پھاڑ رکھا تھا۔ جیسے ابھی ابھلا [illegible] اور غبارہ جیسے پچک رہا ہو۔

"ہائے رام ــــ دوڑو ــــ مار ڈالا" اس کا بھائی چلا رہا تھا۔ وہ اس کی طرف بے تحاشہ دوڑی۔ ایک گورا اس کو مار رہا تھا۔ شکنت نے اپنے آنچل کو جھٹکا دیا۔

ہندوستان آزاد ہو گیا۔ مگر یہ فوجی گورے۔ کیا اسی طرح غریب دکھیوں کو ستاتے رہیں گے۔ بھائی کی ماتا نے اس کو بھوکی شیرنی بنا دیا ــــ پر وہ فوجی تھا ــــ شکنت ڈر گئی، وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ــــ یہ ایک فوجی کا کوئی ہندوستانی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اس کو مکمل آزادی ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ ایک بیس روپے پانے والا فوجی ایک لکھپتی ہندوستانی پر بھاری ہے۔ غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں جیسے کسی نے خون بھر دیا ہو۔ ساڑھی کا پلو اپنی جگہ پر آگیا۔ اس نے سرجو کو اپنی چھاتی سے لگا لیا۔ "در پلو" محبت کے بے پایاں جذبہ سے سنبھل نہ سکا۔ وہ گر پڑا۔ شکنت بھول گئی کہ اس کی چولی پھٹی ہوئی ہے ــــ گورے کی نیلی نیلی بھوکی آنکھیں شکنت کے اس کرب میں لذت لے رہی تھیں۔ ایک فوجی نے پوری ڈبل روٹی اس کی طرف پھینکی۔ لیکن شکنت نے ناگن کی طرح بل کھا کر اس کو دور پھینک دیا یہ روٹی اس کو نہیں چاہیئے، وہ ابھی زندہ ہے۔ اس کے جسم میں روح ہے، احساس ہے، خودداری ہے، وہ ابھی مری نہیں ــــ اس تاجرانہ زندگی میں بھی محبت کا جذبہ ابھی تک موجود ہے۔ بھوکے مر جائیں گے پر ایسے کمینے کی روٹی [illegible] کھائی ہوئی ناگن اب تک اپنے پلو سے بے خبر تھی اس کے جسم [illegible] خون تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ اور وہ ہیجان ان تمام جذبوں پر حاوی تھا جس کو بڑے بڑے فلسفی

برا لگتا ہے۔ ہاں باغی مزدوروں کا دستور ایسا ہی ہے۔ کہ اپنے ملک بیچ کر داب کہیں۔ تو خوش اور وہ ملک میاں کو بیچ دینے سے ناخوش

بہتے ہیں۔ القصہ کوئی کہے کہ جس کو چاہے اس کا شفیع بنا دے۔ تو کیا قباحت لازم آگئی۔ حالانکہ کئی طرح کے شفیعوں کا بیان عقائد کی جگہ

آگے ہو چکا ہے جیسے کہ قرآن کئی سورے۔ اور نیک اعمال وغیرہ۔ عجب ہے کہ بعض دین فروش طالب علم بھی بدعتیوں کے ساتھ ملکے شعبان پاک کی

کو شفاعت کا منکر ٹھہرا کے دونوں جہاں سے روسیاہی کراتے ہیں۔ اور مصنف تو شفاعت جو مشفوع لہم کی طرف نسبت رکھتی ہے۔ سو اس کا اثبات کرتا ہے

خیال چہ ساتھ میں کہا ہے کہ اکثر لوگ انبیاء اولیاء کی شفاعت پر بہت بھولے رہتے ہیں۔ انہوں سو خوش ہو نے اس سے شفاعت جو شافعوں کی طرف نسبت

رکھتی ہے۔ خیال کیا۔ جب ہندی کتاب سمجھنے میں یہ حوصلہ پیدا کئے ہیں تو منطق معانی اصول فقہ کیا خاک سمجھے ہونگے۔ مصنف نے تو صاف کہدیا

کہ قرآن میں جس ولی نبی کی شفاعت کا مذکور ہے۔ سو اس کا معنی شفاعت بالاذن ہے۔ باوجود اس کے اسکو شفاعت کا منکر ٹھہرانا اپنی دینداری

پر خاک ڈالنا ہے۔ اور بہتان لگانے کے گناہ کے باب میں جو حدیثیں آئی ہیں۔ وہ پہلے حصے میں مذکور ہو چکی ہیں۔ اس کے سوا یہ حدیث بھی ہے۔ کہ

مَنْ اَشَادَ عَلٰی مُسْلِمٍ عَوْرَةً لِيَشِيْنَهُ بِهَا بِغَيْرِ حَقٍّ شَانَهُ اللّٰهُ بِهَا فِي النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ طب عن ابی ذر یعنی جو شخص کسی

مسلمان پر عیب کی بات اسکو کلنک لگانے کیلئے ناحق تو کلنک چڑھاوے۔ اس کو اللہ تعالی اسی بات سے دوزخ میں قیامت کے روز۔ یہ حدیث

امام جلال الدین سیوطی کی جامع صغیر میں ہے۔ یہ غرض کہ جیسا ہر حاجت اپنی اس کو سونپنا چاہیئے۔ اسی طرح یہ حاجت بھی اس۔ شفیع رحیم و کریم کے اختیار میں سونپے

کی طرف شفاعت ہے۔ اور اضافت کرتے مشفوع لہم کی طرف شفاعت نوعی ہے۔ اور انکے قاعدوں کے موافق یہ شفاعت حق ہے
مگر ہر شخص کی شفاعت ایک حیثیت سے ظنی اور ایک حیثیت سے وہمی ہے۔ کیونکہ کسی نص میں ہر فرد کی شفاعت کا بیان نہ ہو۔ اگر ہو۔ تو وہ بھی قطعی نہ ثابت ہوا
شفاعت نوعی سے ہو یا شفاعت شخصی سے ہو۔ خدا ہی جانے۔ اور اسی کو معلوم کون شفیع ہوگا پھر ہر شخص کی شفاعت یقینی نہ ہوئی بلکہ ظنی یا وہمی ہوئی
اس واسطے شفاعت ظنی محض یا وہمی ہے۔ مگر اس کی خاص شفاعت پانے پر کوئی نص صریح ہو۔ تو البتہ اسکی شفاعت یقینی ہو سکتی ہے۔ سو اب ہر امتی
کی شفاعت پر نص صریح کہاں۔ اور اس شفاعت نوعی پر کسی امتی کی شفاعت خاص شخصی واسطے ہونا واجب یا لازم نہیں۔ بلکہ اس امتی کی شفاعت اللہ
کے اذن و مشیت پر موقوف ہے۔ اس کے بغیر پہنچ سکتی نہیں۔ چنانچہ مرشد الطلاب کا قول صاف دلالت کرتا ہے کہ وَاعْلَمْ اَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لَا يَشْفَعُ لِجَمِيْعِ عِبَادِ اللّٰهِ بَلْ يَشْفَعُ لِمَنْ اَذِنَ اللّٰهُ فِيْ شَفَاعَتِهٖ - یعنی جان کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت نہ کرینگے اللہ کے تمام بندوں کیلیے
بلکہ شفاعت کرینگے اس کے لئے کہ جس کے لئے اللہ تعالی کی شفاعت کا اذن دے۔ انتہی اور اسکا اعتقاد شفاعت ہے اسکی شفاعت اس شفاعت نوعی
میں داخل نہ ہونا مشکل کیونکہ اس نے اس اعتقاد سے اپنے کو ایک طرح کا مالک شفاعت ٹھہرایا۔ اور دعوی کرتے ہے اپنے مشفوع لہم ہو جانیکا معتقد ہوا سبحان اللہ
دیکھو تو یہ عقیدے بیہودے آپ شفاعت اور مشفوعیت کے مالک ٹھہرنے کو مضائقہ نہیں جانتے۔ اور اللہ کو اس بات کا مالک کہنے کو خفا ہوتے ہیں
اور کہنے والے کو وہابی یا منکر اور منکر شفاعت محمدی ٹھہراتے ہیں۔ آپ ہی آپ شفاعت کے مالک بننا اچھا لگتا ہے اور خدا شفاعت کا مالک ہو برا

اور بھی فرمایا۔ کہ فلا تدعوا مع اللہ احداً اور بھی ادعونی استجب لکم۔ اور بھی امن یجیب المضطر اذا دعاہ اور اسی سے
ڈرتا رہے۔ ش گو بند ارشاد کیا ہے کہ وایای فارھبون۔ یعنی اور مجھی کو ڈرو۔ اور فلا تخافوھم وخافونی ان کنتم مؤمنین ؛
یعنی پھر نہ ڈرو ان سے اور مجھی سے۔ اگر تم مومن ہو۔ اور ہمیشہ اسی کی التجا کرتا رہے۔ ش۔ گو قولہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ وانذر بہ الذین
یخافون ان یحشروا الی ربھم لیس لھم من دونہ ولی ولا شفیع ؛ الآیہ یعنی ڈر سنا دے۔ اس سے یعنی قرآن سے ان لوگوں کو جو ڈرتے
ہیں۔ حاضر ہونے کو اپنے پروردگار کے پاس کہ نہیں ہے ان کو اس سے ورے کوئی حامی نہ شفیع۔ الآیہ اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ لا ملجأ ولا
منجا من اللہ الا الیہ۔ یعنی کوئی نہیں ٹھکانا اور بچاؤ کی جگہ اس سے مگر اسی کی طرف۔ مگر اور اسکو اپنا مالک اور حامی سمجھے
ش۔ گو قولہ فرمایا ہے۔ وکل لہ قانتون۔ یعنی سب اسی کے آگے ادب سے ہیں۔ اور یسئلہ من فی السموات والارض۔ اور حدیث
میں آیا ہے۔ کہ اذا سألت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ اور جہاں تک خیال دوڑاوے اپنا اللہ کے سوا کوئی کہیں بچاؤ نہیں
ش کس واسطے رب العزت نے اپنے حبیب کو کہہ دیا۔ کہ سب لوگوں کو سنا دیں۔ قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا
یعنی کہہ دے کہ مجھکو نہ بچاوے گا۔ اس کے ہاتھ سے کوئی اور نہ پاؤں گا اس کے سوا کہیں بھاگنے کی جگہ۔ جب جناب کعبہ میں بیان ہوا ہے۔ تو دوسرے کس گنتی
میں۔ اور یہ بھی خدائے عزوجل نے فرمایا۔ کہ وھو یجیر ولا یجار علیہ۔ یعنی وہ بچا لیتا ہے اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ جیسے اور کسی کا [illegible]

جس سے جو کچھ ہوتا - سوای مالک حقیقی کے امر و اذن سے ہو کر گیا - اس واسطے آپ نے آپ شفاعت کر لو یا آپ بھی ان مغضوبوں کی مار بیٹھ پکڑ ماندی ہا ہے

بھاری موذیوں تو کہو تم بغیر شفاعت کے گنہگار فسق و فجور شروع کرتے ہو - کوئی حضرت صلعم کو ناحق بھی لاتے ہو - کچھ بھی سمجھو اس خطاب کی آنکھیں کھلا

منظور ہے - اپنے ہی ہاتھوں سے کیوں حضرت کے موجب عقوبت میں گرفتار ہوتے ہو - القصہ تر ان باتوں میں کوئی تامل کرے - تو یقین سمجھے کہ اُعطیتُ الشفاعۃ

سے مراد شفاعت کا دینا ہے - جو قیامت میں دینے کے مطابق قطعاً آپ کو دینے والا ہے - اس کا نام مقام محمود جس کا بیان ہم نے آگے کر دیا ہے - جب

مٹنے کی خاطر بھی آنکھوں دیکھے کے موجب حاصل تھی - اس واسطے بھی شفاعت دی جائیگی - کہنے کی جگہ پر یوں فرمایا - کہ مجھی شفاعت دی گئی - علم اللہ بدست [illegible]

کہ جس کا کہ کام ہو چکا آگے چل کر یقین ہو تو وہاں مضارع کے صیغے کی جگہ ماضی کا صیغہ بولا کرتے ہیں - چنانچہ اس آیت میں وَنُفِخَ فِی الصُّورِ فَاِذَا هُم

مِنَ الاَجدَاثِ اِلٰی رَبِّهِم يَنسِلُونَ قَالُوا يَا وَيلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَرقَدِنَا - دیکھو یہاں اللہ تعالی نے صور پھونکے جانے کے آگے ہی فرمایا

کہ صور پھونکا گیا - اور اس کے پھونکنے پر قبروں سے اٹھنے والوں نے کہہ دیا - کہ کس نے ہمیں ہماری خوابگاہ سے جگا دیا - جب سے یقینی ہو گئے

تھے - اس واسطے استقبال کی جگہ ماضی کو لایا کرتے ہیں - اور ایسا استعمال کیا - ایسے ہی اگر کوئی کہا بعلم نہ سمجھے تو ہم کیا کریں - گر نہ بیند

بروز شپرہ چشم - چشمۂ آفتاب را چہ گناہ - فہم سخن چون نکند مستمع - قوت طبع از متکلم مجو - پس ہر بندے کو چاہیے کہ ہر وقت اسی کو ہاتھ

اٹھا کر پکارا کرے - اس واسطے کہ حق سبحانہ نے ارشاد کیا - کہ وَادعُوهُ خَوفًا وَطَمَعًا - یعنی پکارو اسی کو ڈر اور لالچ اور امید سے اور یہی ہے فرمانا

اللہ کے چاہے کو شفاعت کے رو سے اور عاجزی کے رتبے تو کہاں ذرہ بھی مانع ہو سکے۔ اس کا منادے اور مقابلے سے انتہی اور شفاعت کی حدیث
میں اذن کا مذکور صاف ہے۔ چنانچہ ان میں کی ایک حدیث یہ ہے۔ کہ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فِیْ دَارِہٖ فَیُؤْذَنُ لِیْ۔ یعنی پھر پروانگی مانگونگا
اپنے پروردگار کی۔ اسکے گھر میں آنے کی یعنی اس کے خاص حضور میں آنے میں پروانگی دی جاویگی مجھے قُلْ تُسْمَعْ سَلْ تُعْطَہْ اِشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ یعنی کہ سنا جاویگا
مانگ دیا جاویگا۔ سفارش کر سفارش قبول ہوگی۔ اور فَیَحُدُّ لِیْ حَدًّا۔ یعنی تب باندھیگا میرے واسطے ایک حد۔ یہ باتیں سب بہتوں سے
اذن پر دلالت کرتی ہیں۔ باوجود ان سب کے بعض کچے طالب العلم کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے قیامت میں اللہ کے اذن سے شفاعت ہوگی سو وہ شخص
شفاعت کا منکر ہے۔ استغفر اللہ۔ یہ کہاں بات ہے۔ وہ جاہل طالب العلم اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ کا معنی سمجھا ہی نہیں۔ گویا کہ اگر وہ شفاعت بالفعل
حاصل ہے تو عذاب قبر گنہگاروں کا اور ان کے بدعملوں کی سزا سب موقوف۔ اور اس باب میں جتنی آیتیں اور حدیثیں آئی ہیں سب کے سب بیکار اس طرح کر کے
مضمون جو فرمایا گیا ہے۔ کہ ملہمانی الشارہ ہی عبث ہوتا ہے۔ اگر پھر یہ کہیں کہ باوجود شفاعت کا اختیار رکھنے کے حضرت امت کی شفاعت
نہیں کرتے مگر انکی سزا سوئے نہ محشر میں آپ جب جاوینگے۔ تب شفاعت کرینگے۔ اس بات میں بھی کئی خلل واقع ہوتے ہیں۔ ایک تو اس صفت کا
خرف جو اللہ نے انکے حق میں فرمایا ہے۔ کہ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ دوسرے اپنے امر کی حق تلفی گنہگار اختیار رکھتے ہوئے
شفاعت کر کے نہیں چھڑا دیتے۔ تیسرے یہ کہ ان بدکاروں کی سزا اگر آپ کی مرضی معلوم ہوتی ہے تو قیامت کے دن تو کسی کی اختیار خبری بھی نہیں سنیگا۔

خود نفعی بکسی رساند۔ و حکم و فرمان آمرزش مر خدا راست حکم شفاعت بدان که خواہد در حق آنکہ خواہد انتہی۔ اور جواہر التفسیر میں لکھا ہے قال

اللہ تعالی من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ کیست آنکس که شفاعت کند یعنی بطریق انکار یعنی نیست مجال کسی که در حق کسی

تواند کردن کسی را بر درگاہ جباری۔ رد سخن کفار قریش است کہ گفتند ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ ؛ حق سبحانہ و تعالی میفرماید۔ کہ مطلوب کسی کا اون

در خیر توقف خواہد۔ مانند مجلس روز قیامت بہرہ شفاعت نیست۔ مگر بدستوری او و بتان را در شفاعت بت پرستان اذن نیست

بلکہ در آن روز ہر معبود باطل از عابد خود تبرا کنند۔ اذ تبرء الذین اتبعوا الایہ۔ و نزد اصولیان آن است۔ کہ حرف مطلق با مقید در یک جا جمع شد

دارند مشہور بمطلق ... و عمل باید کرد مطلق را بر مقید۔ اور تفسیر خطیب شربینی میں لکھا ہے۔ کہ قال اللہ تعالی من ذالذی ای لا احد

یشفع عندہ الا باذنہ لکبریاء شانہ وانہ لا احد یساویہ او یدانیہ۔ یعنی کون ہے وہ ہیں جو کوئی شفاعت کرے

اللہ کے نزدیک مگر اسی کے اذن سے اسکی شان کی بزرگی کے سبب سے اور تحقیق کوئی نہیں شخص کہ اسکی برابری کرے یا اسکے قریب ہو

اور تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ بیان لکبریاء شانہ وانہ لا احد یساویہ

او یدانیہ یستقل بان یدفع ما یریدہ شفاعۃ واستکانۃ فضلا ان یعاوقہ عنادا او مناصبۃ ؛

یعنی یہ بیان ہے اسکی شان کی بزرگی کا اور یہ کہ نہیں کوئی جو اسکی برابری کرے نہ اسکے قریب ہو جو مستقل ہو اس طرح پر کہ دور کر سکے

کہا صاحب تفسیر جامع البیان نے تفسیر میں آیہ قل للہ الشفاعۃ جمیعا کے اللہ ہی مالک شفاعت کا ہے نہیں طاقت رکہتا ہے شفاعت کرنے

کوئی مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور نہیں نفع دیگی مگر اس کو جس کے واسطے خدا تعالیٰ نے اذن دیا انتہی۔ اور تفسیر خازن میں لکھا ہے۔ کہ قال تعالیٰ

قل للہ الشفاعۃ جمیعا أی لا یشفع احد الا باذنہ فکان الاشتغال بعبادۃ اولی لانہ ہو الشفیع فی الحقیقۃ وہو یاذن

فی الشفاعۃ لمن یشاء من عبادہ۔ یعنی کہا اللہ تعالیٰ نے کہ تو ای محمد اللہ کی ہی شفاعت سب یعنی نہ کریگا کوئی شخص مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے پس

اسی کی عبادت میں مشغول رہنا بہتر ہے۔ کیونکہ حقیقت میں اسی شفیع ہے۔ اور وہی اذن دیگا شفاعت کا جس کو چاہیگا اپنے بندوں میں سے انتہی

اور تفسیر کبیر میں ام اتخذوا من دون اللہ شفعاء قل اولو کانوا لا یملکون شیئا الآیہ کی تفسیر میں لکہا ہے۔ انہ فی یوم القیامۃ لا

یملک احد شیئا فلا یقدر احد علی الشفاعۃ الا باذن اللہ تعالیٰ فیکون الشفیع فی الحقیقۃ ہو اللہ الذی یاذن فی

تلک الشفاعۃ فکان الاشتغال بعبادتہ اولی من الاشتغال بعبادۃ غیرہ۔ یعنی قیامت کے

دن مالک نہیں ہوگا کوئی شخص کسی چیز کا سو قدرت نہ رکھیگا کوئی شفاعت کرنے پر مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے سو حقیقت میں وہی شفیع ہے

جو شفاعت کا اذن دیگا پس اسکی عبادت میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ دوسرے کی عبادت میں مشغول ہونے سے اور تفسیر حسینی میں لکھا ہے کہ

یوم لا تملک نفس لنفس شیئا والامر یومئذ للہ روزیکہ مالک نشود ہیچ نفسی برای ہیچ نفسی چیزی از منفعت یعنی ہیچکس نتواند کہ قربت

ان یکون ملکه جاریا فی الکل ولا یکون بغیره شی من الاشیاء الا باذنه وهو المراد بقوله من ذا الذی یشفع

عنده الا باذنه الایه - یعنی اس سے اور یہ لازم آتا ہے کہ سب ہی پر اس کا حکم جاری ہے اور اس کے سوا کسی کا حکم کسی چیز پر نہیں چلے

مگر اس کی مرضی سے اور یہی مقصود ارادہ ہے - اسکے من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه فرمانے سے اور تفسیر کبیر میں جو امام فخر الدین رازی

نے لکھا ہے - ان الشفاعة للملائكة والانبياء في حق العصاة انما يكون باذن الله تعالى يعني شفاعت كرنی فرشتوں اور

پیغمبروں کی گنہگاروں کے حق میں نہ ہوگی - مگر اللہ کے حکم سے - اور ابن حجر مکی کے شاگرد شیخ زین الدین بن علی المعبری نے کتاب ارشاد الطالبین

میں لکھا ہے کہ اعلم انه صلی الله علیه وآله وسلم لا یشفع لجمیع عباد الله بل یشفع لمن اذن الله فی شفاعته یعنی

جانو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ شفاعت کریں گے - اللہ تعالی کے تمام بندوں کے لئے بلکہ شفاعت کریں گے - اسکے لئے کہ جسکے لئے شفاعت

اذن اللہ تعالی نے دیا - انتہی اور فرمایا - اللہ تعالی نے ولا یشفعون الا لمن ارتضی وهم من خشیته مشفقون یعنی شفاعت نہ کریں گے

مگر اسی کے حق میں کہ اسکی مرضی ہو جسکی شفاعت ہو - حالانکہ شفاعت کرنے والے اسکے ڈر سے کانپتے ہونگے - اور فرمایا اللہ تعالی نے ولا تنفع الشفاعة

عنده الا لمن اذن له - یعنی ہرگز نفع نہ دیگی شفاعت کسیکی اسکے ہاں مگر اسکے حق میں کہ جسکے لئے اللہ تعالی نے اذن دیا - قال صاحب التفسیر

جامع البیان فی التفسیر قوله تعالی قل لله الشفاعة جمیعا الایه - ای هو مالکها لا یستطیع احد ان یشفع الا باذنه

[illegible]

نفسانی احساسات سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ جذبات کی رو میں پھر اس طرح بہی چلی گئی کہ تھوڑی دیر کے لئے ماحول کا احساس بھی ختم ہو گیا۔ اور جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ اسپیشل جانے والی ہے۔ اس کی چوبیس گھنٹے کی امیدیں سُرخ سُرخ "مرمر" میں مل گئیں۔ اس کے پیروں تلے جیسے زمین نکل گئی ہو۔ اگر آج بھی نہیں ملا تو —— بہار ساون . . . نرملا کا خیال اس کے دماغ سے کوسوں دُور نکل گیا تھا۔ ساڑھی کے پلو پر اسکی نظریں جمیں اور پھر چولی پر جو داہنی طرف سے پھٹی ہوئی تھی۔ غبارہ جیسے فضا میں اڑتے اڑتے رک گیا ہو۔ کاش یہ اور پھول جاتا۔ چھوٹا کس کام کا آنکھوں کو بھی سندر نہیں لگتا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ کہ وہ ایک چھوٹی بچی ہی ہو جائے۔ اور بازار سے غبارے لا کر ان کو خوب پھلائے۔ مگر سر جو بچہ ہونے کے باوجود غبارے سے نہیں کھیلتا —— بیوقوف کہیں کا —— گرا ہوا پلو سرکتے سرکتے زمین پر آ رہا۔ سینے میں جیسے چونٹیاں رینگ رہی ہیں۔ سامنے ڈبے سے گورے بڑے غور سے گدرے انار دنوں کو گھور رہے تھے۔ ان کی نظروں سے اس کے جسم میں گدگدی سی ہونے لگی۔ جیسے گرم گرم بدن پر ٹھنڈے پانی کی بوندیں —— یہ فوجی —— جیسے کسی نے اس کے پاؤں گاڑ دیئے ہوں۔ ہاتھ باندھ دیئے ہوں۔ نرملا دور کبھی کبھی اس کو نظر آ جاتی جس کے دونوں ہاتھ بسکٹوں اور جیلی کے ڈبوں سے بھرے ہوئے تھے۔ آخر شکنت ہی میں کونسی کمی تھی —— انتقام کا جذبہ بہتا ہوا دور نکل گیا —— شکنت —— کمبخت ہندوستانی لڑکی جو "عصمت بدوش" یہاں کھڑی ہے اپنے اندر کبھی انتقام کی قوت رکھ سکتی ہے جس نے بھوک کے سائے میں جنم لیا ہو۔ غلامی کی گود میں پلی ہو۔ جو اندھیارے میں جوانی کو خوش آمدید کہہ رہی ہو —— وہ کبھی انتقام لے سکتی ہے۔ ناممکن —— کسی نے اس کو بسکٹ کا ایک ٹکڑا نہیں دیا —— وہ ابھی تک پلو سرکائے کھڑی تھی —— بھارت ماتا کی وہ بھولی بھالی تصویر —— جو نہ جانے کیوں نا امیدیوں میں بھی اس کی کرنوں کو جھلملاتا دیکھتی ہے۔

گاڑی روانہ ہو گئی اور ہاری ہوئی اداکار پچھلے دن کی طرح اپنی منزل پر چل کھڑی ہوئی مستقبل کے سپنوں میں کھوئی ہوئی۔

"ریڈی —— آج بھی کچھ نہیں ملا؟ تیری چولی بھی تو پھٹی ہوئی تھی۔

شکنت کے قدم چلتے چلتے رک گئے۔ وہ گھبرا گئی۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے اُبھر آئے جیسے وہ راز افشا ہو گیا جو نہ جانے تاریکیوں کی کتنی تہوں میں دبایا گیا تھا۔ وہ گھبرا گئی جیسے اس نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو ٭

ظاہر ہیں اسکی سفارش کا نام ہے اس چور کی تقصیر معاف کر دینا ہے۔ سو اس امیر نے اس چور کی سفارش خود مالک کی سامنے اسلئے نہیں کی کہ اس کا قرابتی ہے

یا آشنا اس کی حمایت اسنے اٹھائی ہے۔ بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھکر اسنے یہ بات کی ہے۔ گو کہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے۔ چوروں کا حمائتی ہرگز نہیں

اسکی سفارش کرتا۔ تو آپ ہی وہ چور ہو جاتا۔ اس کو شفاعت باالاذن کہتے ہیں۔ یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروانگی سے ہوئی ہے سو اللہ کی جناب

پاک میں اس طرح کی سفارش ہوسکتی ہے۔ اور جس نبی ولی کا شفاعت کے باب میں قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ سو اس کے یہی معنی ہیں۔ حق و بیل

یعنی ہے۔ کیونکہ اگلے قواعد میں معلوم ہو چکا ہے۔ کہ شفاعت کرنے سے مراد وصل نتیجہ شفاعت کا مشفوع لہ کے واسطے حاصل کر لینا ہے سو تو بغیر

مرضی الہی اسکے بدون اذن امری اور تقدیری اس درگاہ کے ہونے کا ہی نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا۔ کہ شفاعت کرنی مشفوع عندہ پر زبردستی کر

نہیں۔ بلکہ کلمتہ الخیر کہنا ہے۔ مشفوع لہ کے واسطے مشفوع عندہ کے جناب میں سو یہاں زبردستی نہیں تو صاف معلوم ہو گیا۔ کہ بدون مرضی اسکے

اذن مشفوع عندہ کے نتیجہ شفاعت کا حاصل ہو نہیں سکتا۔ اور یہ بھی مقرر ہو چکا۔ کہ شفاعت فرع ہے۔ اور غفوری کی صفت اصل۔ لیکن شفاعت

منتفی کی صفت کی مقابل ہونے ہاری نہیں۔ سو پھر بدون اذن [illegible] نہیں۔ آیت مالک یوم الدین کی اور والامر یومئذ للہ

۱۲۹ کی صریح دلیلیں ہیں۔ اس واسطے شفاعت باالاذن اور شفاعت کا خیال کرنا باطل ہے یقیناً۔ اس سے سوای اہلسنت والجماعت کے عقیدے میں ثابت

ہو چکا۔ کہ کوئی موثر ای تاثیر قبول کرنے والی چیز میں بھی بغیر باذن اللہ تعالے کے اثر کر سکتا ہی نہیں [illegible] موثر کا اثر بغیر اللہ میں بدون باذن اللہ [illegible]

تسیر یوں ہے کہ کوئی گناہ موجب یا مستلزم غفلت و منت فاعلی یا موت غائی شفاعت نہیں ۔ پس تیرا گناہ بھی سبب یا مستلزم علت فاعلی و علت غائی

نہیں ۔ سو اللہ ہی کے اذن امری و تقدیری سے ہونگے ۔ نہ غیر کے اذن سے ۔ پس ہر بات کے شفاعت کا حکم خدا ہی کی طرف سے ہوا چاہیے ۔ نہ اس مذنب کی

جانب سے ۔ پس تیرا بھروسا کرنا آنحضرت کی شفاعت سے اپنے باب میں باطل ہے ۔ سیاں ایک اور کی بات جانا چاہیے ۔ کہ آنحضرت کو شفیع المذنبین

کہنا صحیح ہے ۔ اور شفیع الفاسقین کہنا غلط ۔ بلکہ بد تر گناہ یا کفر ۔ کیونکہ شفیع المذنبین کہنا مدح ہے ۔ اور شفیع الفاسقین کہنا گناہ ہے ۔ ایک احمق نے شفیع

الفاسقین کہا سمجھکر نافرمانبرداری کی راہ ہے ۔ سو بد عتی [illegible] ہیں ۔ یہ اعتقادی کی جہت سے ہی ۔ یہ عملی کی جہت سے ہی ۔ فرق مذنب اور فاسق میں

یہ ہے کہ امر استحالی ، اجتنابی کے حذف کر کے مذنب کہتے ہیں یعنی گناہ ۔ امر اور نہی کے اور جاننے کو فسق کہتے علما نے کہا ہے کہ امر امتثالی

و اجتنابی کے حذف کرے سو صغائر گناہ ہے ۔ اور لیسے امر و نہی تو ڑنا بقصد کرنا گناہ کبیرہ ہے ۔ البتہ مالیہ اساتیت کو طحاوی نے در مختار کے حاشیہ میں

لکھا ہے ۔ قصہ مختصر ایمان والے گنہگار کی یہ ادب ہے ۔ باقی تمثیل یہ کہ جیسے بادشاہ کی آئین کو سرا اور اکثروں پر لگا کر اپنے تئیں تعصیر وار سمجھتا ہے اور لائق

سزا کے جانتا اور بادشاہ سے بھاگ کر کسی امیر وزیر کی پناہ نہیں ڈھونڈھتا ۔ اور دوسری مقابلہ میں کسی کی حمایت نہیں جتاتا اور دمبدم اس کا منہ دیکھ

رہا ہے ۔ کہ دیکھیے کہ میرے حق میں کیا حکم فرما دے ۔ سو اس کا یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے دل میں ترس آتا ہے مگر آئین بادشاہت کا خیال کر کے اسکی بے سبب تقصیر معاف نہیں کرتا

کہ کہیں لوگوں کے دل میں اس آئین کی قدر گھٹ جائے سو کسی امیر وزیر اسکی مرضی پا کر اس تقصیر وار کی سفارش کرتا ہے ۔ اور وہ بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تو توبہ کرے سو کچھ عمر کے آخر میں تو یہ نہیں کہ قبول نہ ہو اور قریب ثم یتوبون من قریب یعملون السوء بجہالۃ انما التوبۃ علی اللہ للذین — کہ یہ آیت ہے اور ان

حتی اذا حضر ولیست التوبۃ للذین یعملون السیئات — اور اس آیت سے بھی کہ — اللہ ان کو معاف کرتا ہے شتاب توبہ کرتے ہیں ساتھ نادانی کے ہیں

تو حکم لگا کہ جب کسی کی موت آئی تو ساتھ سب کام کرتے ہیں جو برے — یعنی اس کی توبہ الآن الآیۃ قال انی تبت الآن احدہم الموت

والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ فاستغفروا لذنوبہم ومن یغفر الذنوب اور اس آیت سے بھی کہ توبہ کی اب

الا اللہ ولم یصروا علی ما فعلوا وہم یعلمون — اور یہی لوگ جب کر بیٹھتے ہیں کچھ کبیرہ گناہ یا برا کرتے اپنے حق میں تو یاد کریں اللہ کو

اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے بخشنے والا سوائے اللہ کے اور اڑ نہ رہیں اپنے کئے پر جانتے — غرض مصنف نے گناہ گار کو جو کبیرہ تیسری

کے کہا کہ اس نے [illegible] تو گویا گناہ کو اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا — گویا جو کوئی گناہ کو اپنا پیشہ ٹھہرا لے — اکثر تو یوں ہے کہ اسکو حلال یا قریب حلال کے

جان لیتا ہے — نہیں تو اسکو سبک جانتے ہیں تو سبک نہیں — اگر کمینوں کو اور شیطانوں کو اور سود خوروں کو اللہ نے تاکید ہی سے دیا

اور ان کے دوسرے حرام کسب والوں کو اور گسٹنعوں کے مذہب کے ماننے والوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے ایسے پیشوں کو آپ پر حلال یا قریب حلال کے سمجھ لیا ہے

یہ بات نور ایمان کو منع ہے — اور شفاعت کو آڑ — اور اللہ کی رحمت کی امید پر اصرار کرنا گناہ ہے — اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایسے بیباکی گناہ کو ہلکا سمجھنا

کا باعث ہوتا ہے معصیت کرنی کہ جناب ایمان کا نقص ہے — پس شفاعت کا وہاں ٹھکانا کہاں — بہرحال عقیدے میں مقرر ہو لیا ہے کہ دلالت

يستنكف المسيح عن عبادته ويستكبر فسيحشرهم اليه جميعا ۔ اور ان كل من في السموات والارض الا آتي الرحمن

عبدا ۔ تفسیر میں اس آیت کی تفسیر یوں لکھی ہے ۔ ان ہی ما کل من فی السموات والارض الا آتی الرحمن عبدا ای

ذلیلا یوم القیامة منهم عزیر و عیسی یعنی کوئی شے آسمانوں میں اور زمین میں مگر یہ کہ آنے والا ہے رحمن کے پاس قیامت کے دن بندہ ہو کر

پستی اور عاجزی کرتا ہوا قیامت کے دن انہیں میں سے ہے عزیر اور عیسی اور ہر مکرم بندہ پھر جب اس کی رحمت کے سبب ہم خوشی سے [illegible]

ہی اس کی ہیبت سے اتنا زہرہ ہوتا ہے ۔ بس ۔ ایک جگہ ایک طالب علم بہشتی نے کہا کہ آنحضرت کو خدا سے ایسا ڈر نہیں ۔ آہ یہ ہیبت حضرت کے خوف

و دہشت کا منکر ہے ۔ اوج کے بڑوں میں ہیبت زیادہ ہے ۔ حالانکہ حدیث میں آیا ہے ۔ کہ انا اعرفکم باللہ و اخشیکم منہ یعنی میں تم سب سے زیادہ

پہچاننے والا ہوں ۔ اللہ کا بڑا ڈر رکھنے والا ہوں ۔ سو بہشتی اس حدیث کا منکر ہوا ۔ تو کیا عجب ۔ [illegible] اللہ تعالی بعد اس کے حضرت کے خوف و

وحشت کا اب بھی ملاحظہ کیجئے ۔ اس کے سوائے اللہ تعالی نے فرمایا کہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی ہمکو سوا اس کے نہیں ہے عالم لوگ ہی ڈرتے ہیں اور سب

عالموں سے بڑے عالم تھے ۔ چنانچہ اگر حضرت کے زمانے میں ہمارے سب پیغمبر اور ہر عالم آپ ہی سے تعلیم پاتے چنانچہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ عالم لوگ ہی اللہ تعالی سے ڈرتا

ہیں ۔ تو عالموں کے عالم اس کے خوف میں ان سے زیادہ ہوویں ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تم کہو جو بھی تو ثابت ہو گی کہ وہ ہیبت الٰہی نہیں ہے

حضرت کو اس نے کہا ہے ۔ [illegible] مگر نفس کی [illegible] سو [illegible] اللہ تعالی [illegible] ہیں ۔ تو [illegible]

ایلچی گری کا مرتبہ باقی رہا ہے۔ [illegible] اور یہ اتنا ہی دیا۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ غنی عن العالمین۔ لا یجب علی اللہ شیء۔ لا یسئل
عما یفعل۔ فعال لما یرید۔ ماشاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن۔ یہ بات قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے اور عقاید کے قاعدوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ کریم
اپنا سارا کام اپنی مرضی ہی کے موافق کرتا ہے کسی کے مشورے سے یا کسی کے ڈر سے [illegible] نہیں۔ اگر کسی [illegible] کی دلیل رکھتے ہو تو لاؤ۔ ھاتوا برھانکم
ان کنتم صادقین۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔ اور یہ جو کہتے ہیں۔ کہ اللہ ایلچی گری کا مرتبہ باقی رکھا۔ ہو کیونکہ نہیں سبحان اللہ۔ مصنف نے تو کہا
ہے۔ وہ مالک الملک اپنے بندوں کو بہتیری نوازش کسی کو حبیب بناتا ہے۔ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور کسی کو خلیل کا یعنی حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو۔ کسی کو کلیم کا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو۔ کسی کو روح اللہ وجیہ [illegible] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور خطاب بخشے۔ کسی کو
رسول کریم و مکین روح القدس۔ روح الامین فرمایا ہے یعنی جبرئیل علیہ السلام کو اور [illegible] مالک الملک ہے۔ [illegible] یعنی بندے [illegible]
[illegible] کہ دیکھو کسی نے اپنا کو نبی کہا۔ یہ تو ہو ہی ہے۔ سو اس کا جواب [illegible] آدمی [illegible] مشابہت کا شرع یعنی [illegible]
محمد [illegible] مرا اعراض کرتا ہے۔ [illegible] کو گمان کرتے ہو [illegible] ریب مما نزلنا علی عبدنا [illegible] اور [illegible]
[illegible] سو کیا کہئے۔ [illegible] قرآن و فرقان [illegible] اور حقیقت میں ظاہر ہے کہ کوئی شخص
بندہ ہیں۔ بندگی کے رتبہ سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا۔ اور بندگی کی حد سے زیادہ بڑھ نہیں سکتا۔ [illegible] حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا کہ [illegible]

آئین بگڑتی ہے۔ سو چشم پوشی کرنی کو ہرگز بہتر عیب نماید ہے۔ غرض حاصل مدعا یہ کہ حسن بادشاہ حقیقی کو بزرگوں کے سبب رکھ سے عفو کرنا بھی

ہوا دکھائی خلق ویسے ہی ننگ بن جاتی ہیں۔ تو ہم اسکی ملک بادشاہی کی رونق کچھ بڑھا نہ سکیں۔ اگر اسکے رعب سے مر جاویں تو کچھ گھٹا نہ سکیں۔ سو جو دیکھئے بادشاہ عالم

پر کسی کا کیا چل سکتا۔ جو سبب کہ اسکی شفاعت مان لے۔ سو دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی بادشاہ زادوں یا بیگماتوں سے یا کوئی بادشاہ کا معشوق اس چور کا

سفارشی بنکر کھڑا ہو جاوے۔ اور چور کی سزا نہ دینے دیوے۔ اور بادشاہ اسکی محبت سے لاچار ہوکر اس چور کی تقصیر معاف کر دے۔ اسکو شفاعت محبت

کہتے ہیں۔ یعنی بادشاہ نے محبت کے سبب لاچار ہوکر اس چور کی تقصیر معاف کر دی۔ یعنی بادشاہ نے محبت کے سبب سفارش قبول کر لی۔ اس

یہ سمجھی کہ ایک بار غصہ پی جانا اور ایک چور کو معاف کر دینا بہتر ہے اس رنج سے کہ جو اس محبوب کے روٹھ جانے سے پہنچیگا۔ اس قسم کی شفاعت بھی اس

دربار میں کسی طرح ممکن نہیں۔ اور جو کوئی کسی کو اس جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے۔ وہ بھی ویسا ہی مشرک ہے۔ اور جاہل جیسا اول مذکور ہو چکا۔

مثل۔ ہم جاہل وہ بیدار ہو رہا ہے۔ کہ کسی کی محبت میں ویسا عاشق ہو رہا ہے۔ اس بڑے مصنف بات کی بابت شفاعت کے تصور کو لکھی

اور محبت جو ہم اللہ تعالی صفت ہے۔ اگر اہل کلام اس صفت کو جناب اقدس الہی کی طرف بے تاویل نسبت نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالی صفات بشری کی

ذات مقدس کو منزہ مانتے ہیں۔ پھر بعضے نبی کچھ حالات السلام مو بعلم مذکور کا لاف کہتے ہیں۔ کوئی یوں کہتا ہے اگر خدا تعالی محبوب کی خاطر سے

اسکی شفاعت قبول نہ کرے۔ لیکن یہ بیچاری بھی کا موافق محققانہ قبول کرنا۔ تو وہ شفاعت کا انکار ہوا۔ دوسرا کہتا ہے اس مصنف نے ق

شیئاً لان الکمال الذاتی لا ینقص ونحوہ کذا الکم الحدیث رواہ مسلم یعنی اے میرے بندو اگر تم میں کا اول اور آخر اور آدمی اور جن

تم میں کے ایک بڑے پرہیزگار مرد کے دل کے موافق بن جاویں ۔ مانند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تو نہ بڑھاوے گا تمہارا ایسا ہو جانا میری بادشاہی کے

کمال میں کچھ ۔ کیونکہ کمال ذاتی میرا ہے جو بڑھاؤ کا محتاج نہیں اور بڑھاؤ کو قبول بھی نہیں کرتا ۔ بلکہ اسی کے کمال سے یہ پیدا ہوگا ۔ جو تم میں اپنے میں کے ایک بڑے متقی کے

دل کے موافق ہو جاوینگے سو اے میرے بندو تم میں کا اگر اول آخر اور آدمی اور پری تم میں کے ایک بڑے گنہگار مرد کے دل کے موافق ہو جاؤ ۔ تو گھٹانے کا نہیں ایسا

ہو جانا تمہارا میری بادشاہی میں سے کچھ ۔ کیونکہ کمال ذاتی وہ ہے ۔ جو گھٹتا نہیں ۔ تم ایسے ہو جاؤ ۔ یہ الحدیث روایت کی اسکی مسلم نے انتہیٰ ۔ ان دونوں فقروں میں کے

پہلے فقرے میں اتقی کا لفظ آیا ہے یعنی بڑا متقی اور نہایت پرہیزگار سب آدمیوں میں سے وہی ہے ۔ جو کہ اول ایمان لایا ہے ۔ اور سب کورے ایمان والوں میں

بڑا متقی وہ بندہ ہے ۔ جو دیندار عالم ہو ۔ اور سب دیندار عالموں میں سے بڑا متقی وہ ہے جو ولایت کبریٰ کے درجہ کو پہنچا ہو ۔ اور اتقی کی معیار صفت نبی متقیوں کا

نور البصر مومن سوائے آپ کے دوسرے کو پہنچا ہی نہیں ۔ اسی واسطے محدثین سندی و ملا علی قاری نے علی اتقی قلب رجل منکم کی شرح میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

لکھا ہے ۔ اور صحیح بخاری کی حدیث میں وارد ہوا ان اتقکم واعلمکم باللہ انا ۔ یعنی بڑا متقی تم میں کا اور زیادہ جاننے والا تم میں کا اللہ کو میں ہوں اب بعض

کم فہم اس پر اعتراض کرتے ہیں ۔ ان کا اعتراض بیجا ہے ۔ اسی طرح مصنف پر جو تعریض کرتے ہیں ۔ سو بے انصافی ہے ۔ کیونکہ مصنف نے اتقی کی صفت

والے کو ذکر کیا ۔ سو آدمیوں میں سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور ملائکوں میں سے جبرئیل مکرم معظم مقرب ملائکہ اور تابعین جو صحابہ کے تابعین کی

مراد یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالی ہر ایک نبی میں اپنا ظہور بتلاتا ہے یعنی سب انبیا علیہ السلام جو اس عالم میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک ایک ہو یا دو۔ دو

یا تین تین یا چار چار یا بڑھ کے انتہی۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے ظہورات بیشمار ہیں ان میں ایک آدم کا ظہور بیا اعلم ہے۔ پھر اللہ نے ظہورات

بے انتہا سے بے انتہا عالموں اور عالمیوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور مؤلف اسی ڈھب پر کہتا ہے کہ یہ جو لوگ پہلے اور پچھلے آدمی اور جن جتنے

اور بخیر ہی سے ہو جاویں۔ تو اس مالک الملک کی سلطنت میں انکے سبب کچھ رونق بڑھ نہ جاویگی۔ اور جو لوگ سب مل کر شیاطین اور بد اعمال بھی

ہو جاویں۔ تو اسکی کچھ رونق گھٹ نہ جاویگی۔ اور یہ صورت سب بڑوں کا بڑا اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس کا نہ کوئی کچھ بگاڑ سکے۔ اور نہ کچھ سنوار

سکے۔ مصنف نے یہاں ایک حدیث صحیح کے دو فقروں کا مضمون ادا کیا ہے۔ جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ اور مشکوۃ کے باب الاستغفار و

توبہ کی پہلی فصل میں ہے۔ اور امام نووی کے چہل حدیث کی آخر حدیث یہی ہے۔ مصنف نے اس حدیث کو ذکر کر کے ان دونوں فقروں پر لکیر کی نشان

لگا دیے ہیں۔ وہ حدیث اس شرح کیساتھ جو مولانا محمد حیات سندی محدث مدینہ سے ہے سو یہ ہے۔ یَا عِبَادِی لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ

وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْکُمْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ۔ مَا زَادَ ذٰلِکَ فِیْ مُلْکِیْ

مُلْکِیْ شَیْئًا لِاَنَّ الْمُلْکَ الذَّاتِیَّ الَّذِیْ لَا یَحْتَاجُ اِلَی الزِّیَادَۃِ وَلَا یَلِیْقُ بِهَا بَلْ مِنْ کَمَالِهٖ یَسْتَغْنِیْ عَنْکُمْ عَلٰی اَتْقٰی قَلْبِ رَجُلٍ مِّنْکُمْ

یَا عِبَادِیْ لَوْ اَنَّ اَوَّلَکُمْ وَآخِرَکُمْ وَاِنْسَکُمْ وَجِنَّکُمْ کَانُوْا عَلٰی اَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِّنْکُمْ مَا نَقَصَ ذٰلِکَ مِنْ مُلْکِیْ

منظر سلیم

غبار ـــــ!

تمہارے گانے کی آواز ہلکی ہلکی سی
کبھی کبھی مرے کانوں سے یوں گزرتی ہے

ایک آئینہ مرے خوابوں کے پاس آتا ہے
اک آرزو مری تخئیل میں ابھرتی ہے

یہ کہکشاں کا تبسم کنول ـــ حسیں خیمے ـــ
ہوا کے نرم بچھونوں پہ چل کے آتی ہو
ہمیشہ گیتوں کے شیشے میں ڈھل کے آتی ہو
ـــ جہاں ہزاروں قبیلے ہیں کب سے ٹھہرے ہوئے

تھکا ہوا ہوں اسی شاہراہ کی مانند
یہیں کہیں کسی گوشے میں زندگی مل جائے

اک آرزو مری تخئیل میں ابھرتی ہے
مچل مچل کے فضاؤں میں رقص کرتی ہے
مگر فضا میں ـــ مجھے اپنے سے شکوہ نہیں
یہ اور بات کہ یہ رقص میں نے دیکھا نہیں

اھواءھم من بعد ما جاءک من العلم انک اذا لمن الظالمین یعنے اور اگر تو چلا انکی سنے پر بعد اس کے جو تجھ کو ہوا تو بیشک تو بھی

بے انصافوں میں۔ ان سب باتوں سے قرآن کا حال کھلتا۔ نہ نبوت کا ختم ہونا۔ نہ خاتم کبریا کی نفی۔ نہ مومنوں کا ہلاک نہ کافروں کی خواہش

کی پیروی کر لینا مقصود ہے۔ بلکہ ایسی جگہوں میں شرطیہ کا جزا واقع ہونا لازم نہیں تھا۔ مگر اسکی جزا کا امکان ذاتی یا تنبیہ یا حکم کا بیان مقصود ہوتا

کرتا ہے۔ پھر مصنف کے بیان سے صحت مدت اور بے نہایتی خالقیت اور عظمت جل جلال خالق قادر متعال مقصود ہے۔ نہ منع خاتمیت نہ حدوث خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

لیجئے کچھ معنی بھی اس مقدمے میں بیان غور کرتے ہیں۔ سوال کا جواب یہ ہے کہ تحفۃ المرسلہ کی شرح میں لکھا ہے کہ فَاِنْ قُلْتَ قَدِ اتَّفَقَ الْمُحَقِّقُوْنَ

مِنْ اَصْحَابِ الْحَقِیْقَةِ عَلٰی اَنَّ الْعَالَمَ بِاَجْزَائِهٖ فَكَیْفَ یَصِحُّ الْقَوْلُ بِظُهُوْرِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی بِجَمِیْعِ اَسْمَائِهٖ فِی الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ قُلْتُ

لَیْسَ الْمُرَادُ بِهٰذَا الْقَوْلِ ظُهُوْرَ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی بِبَعْضِ ظُهُوْرَاتِ الْحَقِّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی بِجَمِیْعِ اَسْمَائِهٖ مُطْلَقًا بَلِ الْمُرَادُ اَنَّ الْحَقَّ تَعَالٰی

وَتَعَالٰی ظَهَرَ فِیْ وَاحِدٍ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ وَالْاَوْلِیَاءِ بِجَمِیْعِ اَسْمَائِهِ الَّتِیْ ظَهَرَتْ فِی الْعَالَمِ اٰحَادًا وَّمَثْنٰی اَوْ ثُلَاثَ اَوْ رُبَاعَ

اَوْ اَزْیَدَ - یعنی پھر اگر تو کہے کہ مقرر اتفاق ہے سب حقیقت والوں میں کے محقق لوگ اس بات پر کہ تمام عالم اپنے جزوں سمیت حق تعالی کے ظہور

میں کامل ظہور ہے۔ پھر کیونکر یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ حق سبحانہ وتعالی کا ظہور اپنے سب کے سب اسماء کے ساتھ انبیاء میں اور اولیاء میں ہے میں

کہونگا کہ حق سبحانہ وتعالی کا ظہور اپنے سب کے سب اسماء کے ساتھ انبیاء میں ان حضرات کے ہونے ہی کی بات ہے۔ سو اس سے مراد ظہور مطلق نہیں بلکہ

تو ہر کہیں ایک ہی ڈرانے والے کو بھیج دیتے۔ سو مان مت کافروں کی اور جھگڑ ان سے بڑا جھگڑا۔ تفسیر جلالین میں ہے۔ کہ وَلٰکِن بَعَثْنَاکَ اِلٰی

اَجَلِّ الاُمَمِ کُلِّہَا فَانْذِرْہَا لِیَعْظُمَ اَجْرُکَ۔ یعنی ولیکن بھیج دیا تجھی کو ہم نے سب کے سب ملکوں والوں کی طرف ڈر سنانے والا کر کے تا بڑا ہووے

اجر تیرا۔ انتہی۔ حاصل کلام یہ کہ سارے مخلوقات کو پیدا کرنے کی قدرت اللہ تعالیٰ کو ثابت رہنے پر قرآن سے سب یقین ہیں۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

قرآن میں کئی جگہ آیا ہوگا۔ لیکن کسی مخلوق کا پیدا نہ کر سکنے پر ایک بھی دلیل قرآن و حدیث سے صریح نہیں پائی جاتی۔ مگر گمراہوں کے گرانے کا کچھ علاج نہیں اپنے خدا کی

کے باقی رہنے کیواسطے خدا کی قدرت میں نقص لگانے کو مضائقہ نہیں جانتے۔ بعض لوگ اپنے بیوقوفی سے یا مکر سے کہتے ہیں کہ یہ مصنف ختم نبوت کا منکر

ہیں۔ کیونکہ وہ کہتا ہے۔ کہ خدا چاہے تو آنحضرت کے سے اور بھی پیدا کر ڈالے۔ جواب اس کا یہ کہ اگر چاہے تو یوں کر ڈالے۔ کہنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا

کہ وہ ایسا چاہ کر چکا ہے۔ جیسا خدا نے فرمایا۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِہٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا۔ یعنی اگر ہم

چاہیں ہم لے جاویں اس کو جو بھیجی ہم نے تیری طرف پھر نہ پاوے اس کے لئے تو ہم پر کوئی حامی۔ اور آنحضرت نے فرمایا۔ لَوْ عَاشَ اِبْرَاہِیْمُ لَکَانَ

صِدِّیْقًا نَبِیًّا۔ یعنی اگر جیتا ابراہیم تو ہوتا سچائی والا نبی۔ اور لَوْ کَانَ لِنَبِیٍّ نَبِیًّا لَکَانَ ہُمْ۔ اَوْ لَوْلَا اللّٰہُ مَا مَلَیْنَا اور ایک آیت میں کہ

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَہْلَکَنِیَ اللّٰہُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ یعنی تو کہہ دے کہ بھلا دیکھو اگر

ہلاک کرے مجھ کو اور میرے ساتھ والوں کو یا رحم کرے۔ پھر کون بچاتا ہے۔ کافروں کو دکھ کی مار سے۔ اور ایک آیت میں ہے کہ وَلَئِنْ اَشْرَکْتَ

ہمارے یہاں جائز نہیں اگرچہ کسی مصلحت کے واسطے ولیسا بنانا موقوف کیا ہو۔ کیونکہ بنانے پر باکل قادر ہے۔ پھر ویسے قادر علی الاطلاق کو کسی کا مجبور [illegible]

کیوں ٹھہراتے ہو۔ اور ندمل کا دبیل کیوں بناتے ہو۔ کسی کی سفارش وہ وکیوں ماننے لگا۔ جیسا کسی نے اس فور کی باتیں خود سید المرسلین خاتم النبیین

شفیع المذنبین کے حق میں کہی ہیں ؎ زہر کلاہ حکومت بفرق تو بنہاد۔ قضا کہ مست وعالم بحکم او مجبور + کہ ایں کلاہ لب بران وگوشہ بشکنے

کہ سعد کن توی آمر و من مامور + اگرچہ سب مبرا ہے کہ قدسیہ وجود۔ موثر اند صفات اللہ نے ماثور + اجل رسیدہ جو ناست بجنبہ لبسہ + خجل شود ز نگہ

گردنش اجل از دور + مہب حکم تو امر قضا جہاں منسوخ + کہ از ورود کلام مجید محکم زلبور + پھر ویسے حاکم علی الاطلاق کی جناب کا ادب کتنا نہایت ضرور

اور اس کی عظمت وجلال سے ڈرنا واجب۔ نہیں تو کفر کا خوف ہے۔ یہاں ہم ادب عین ایمان ہے۔ از خدا خواہیم توفیق ادب + بے ادب محروم ماند

فضل رب + بے ادب خود را نہ تنہا نہ خود را داشت بد۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد + یعنی بے سمجھ (۱۲۶) کہتے ہیں۔ کہ خداوند تعالیٰ جیسا اپنا شریک نہیں پیدا کر

نہیں سکتا کیونکہ تو اس کا سرم مخلوق کی جناب میں بے ادبی ہے۔ سبحان اللہ خدا کو قادر مطلق مانند مخلوق گو پیدا کر سکنے کے باب میں بے ادبی ٹھیری۔ اور [illegible]

خدا کو مقدوریت ٹھہرانا کفر کا تو کیا ذکر۔ کہ جناب کبریا کی بے ادبی بھی نہ ہو۔ واہ کیا پاک ایمان اور کیا ٹھیک مذہب ہے۔ کیا اسلام اسی کا نام نہیں۔ پڑھیے

کہ اس میں مرقوم ہے۔ کہ او تو اند کہ چنیں عالم نہ بدی آفرید گردو عدم انتہی اور سیپارہ اقترب سورہ انبیاء میں حسب صاحب بیضاوی نے کما بدأنا اول خلق نعیدہ

اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔ ای نعید ما خلقناہ مبتدأ اعادۃ مثل ما بدأناہ ابداء ہ

ہی سے بیخبر ہو جاتی ہے۔ کسی کام کے واسطے کسی اسباب و سامان صحیح کرنیکی کچھ حاجت نہیں۔ ش جب مصنف کو ایسے لوگوں کا عقیدہ معلوم کرنا منظور پڑا

کہ وے لوگ الوہیت کے اعتقاد میں کئی طور سے قصور کرتے ہیں۔ ان قصوروں میں ایک بات یہ ہے کہ بعضے کہتے ہیں۔ کہ بادشاہ عالم پر خدا کی قدرت ختم ہو گئی

اللہ تعالی ان کے سے بنا نہیں کر سکتا۔ بعضوں نے یہ بیان کیا ہے۔ کہ شاہ مدار کا سا بنا ہی نہیں کر سکتا۔ بعضوں کے مذہب میں محمد سید گیسو دراز کا سا مخلوق خدا سے

بن سکتا ہی نہیں۔ بعضے کچھ فقیہ کہتے ہیں۔ کہ خدائی میں چاروں اماموں کا سا کوئی موجود ہونا ممکن ہی نہیں۔ یہاں تک کہ ایک شاعر اپنی گمراہی کے دنوں میں لکھتا

کہ اللہ تعالی ایک ذرے سے بھی موجود کو معدوم کرنا امکان ہی نہیں رکھتا۔ پھر ایسے ایسے عقیدوں کے بل پر کہا کرتے ہیں۔ کہ جس بات پر ولی اڑ جاوے۔ تو ہرگز خدا اس کا خلاف

نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے اوپر بڑی حکایتیں لاتے ہیں۔ ایک ان میں کی یہ کہ غوث الاعظم نے اپنے کسی مرید کی روح کو ملک الموت کے پنجے سے چھڑانا چاہا۔ پھر آپ نے ان کے ف ۱۲۵

شیشے کو توڑ ڈالا۔ جس میں مردوں کی روحیں تھیں۔ تب اس وقت کے مردے سب جی اٹھے۔ ملک الموت کی فریاد کچھ نہ چل سکی۔ دوسری حکایت یہ کہ

منکر نکیر نے غوث الاعظم کے کسی مرید سے پوچھا۔ کہ تیرا خدا کون ہے۔ اس نے جواب دیا کہ محی الدین۔ تب فرشتے اس کو مارنے لگے۔ تو آپ نے پہنچ عصا لیکر اور فرشتوں کی

مار پیٹ کر ان کے پر توڑ ڈالے۔ سو وے گرتے پڑتے حضور الہی میں پہنچے پر عرض کی کچھ نہ چل سکا۔ قصہ مختصر ایسوں کے عقیدوں کو رد کرنے کے واسطے مصنف نے

خدائے عز وجل سے خالق کی صفت کے سبب بناتی جو اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی دلیل ہے اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اور یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ اور اِنَّمَا اَمْرُہٗ

اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ کی سندوں سے ثابت ہے۔ سو بیان کیا۔ کیسا ہی عظیم مخلوق ہو۔ اس کا بنانا یہ کریا میں خالق قدیر

۱۲۳و جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے۔ وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل۔ کہ اس نے خدائی کے معنے کچھ بھی نہیں سمجھے۔ اور اس مالک الملک

...ن اعتراض کرتے ہیں۔ اور کہتے کہ دیکھو اس مصنف نے قرآن کا خلاف

کیا ہے۔ جو شفاعت وجاہت کا انکار کیا۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ آیت مذکور ہے۔ کہ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ اور مفسرین نے

اس کا معنی مقبول الشفاعة کر کے لکھا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ آیت مذکور ہے۔ پھر اس آیت کے معنی یہی ہے پھر

یہاں سے شفاعت وجاہت انبیاء کے واسطے ثابت ہو چکی۔ جواب اس شبہ کا یہ ہے۔ کہ وجیہ کے معنی مقبول الشفاعة لکھنے سے ثابت

نہ ہوا۔ کہ جناب اقدس الٰہی عیسیٰ علیہ السلام سے دبکر انکی شفاعت قبول کرتا ہے۔ اگر یہ اعتقاد کیجئے تو نصاریٰ کے عقیدے سے بڑھ جاوے

کیونکہ وے اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ مگر خدا کو عیسیٰ کا وکیل نہیں جانتے۔ پھر مصنف کا ارادہ جو شفاعت وجاہت

سے یہ ہے کہ کسی سے دبکر اس کی سفارش کو قبول کر لینا اور وہ کہتا ہے کہ ایسی شفاعت خدا کے ہاں نہیں چاہیے۔ سو اس بات پر طالبان

علوم خوان کا شبہ وارد نہ ہوا۔ مگر باقی رہا یہ کہ اس معنی سے شفاعت وجاہت کر کے کیوں اصطلاح کی۔ جواب اسکا یہ کہ لا مشاحة فی الاصطلاح

یعنی اصطلاح ٹھیرا لینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر یہ لوگ کتاب کے معنی مفہوم کو سمجھتے۔ تو کبھی ایسے بے محل اعتراض نہ کرتے۔ اور یہ بیچارے معذور

بھی ہیں۔ اور انکا کچھ قصور نہیں۔ کیونکہ اس مفہوم کو وہی لوگ سمجھینگے۔ جو دین و دنیا کے رسوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا نسبت ایک طالب علم

حضرت غنی من العالمین کے دبکر سفارش قبول کرنے پر ایک حکایت نامعقول کی سند لائی ہے۔ سو یہ کسی کے ملک میں نہایت حسن تالی

ہو شفاعت اس کا بچانا - کیونکہ العیاذ باللہ - اگر حق سبحانہ تعالیٰ کو فقط انتقام ہی کی صفت ہوتی - اور غفاری کی صفت نہ ہوتی تو
شفاعت بھی نہ ہوتی - کہیں کوئی یہ نہ سمجھے - کہ حضرت منتقم پر شفاعت بزور چل سکتی ہے - نہیں بلکہ گناہ عفو میں شفاعت قبولیت کی
گنجائش رکھتی ہے - حاصل یہ کہ شفاعت جو ہے سو اللہ کی صفت قہاری اور منتقمی کے مقابل پڑنے والی نہیں - جیسا گمراہوں نے سمجھا ہے
بلکہ شفاعت غفاری کی صفت کی پرتووں میں کی ایک پرتو ہے - کہ شافع کے واسطے سے مشفوع لہٗ پر پڑتا ہے - اسی واسطے فرمایا - کہ وَاَنذِرْ
بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ اَنْ يُحْشَرُوا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ - یعنی خبردار کر اس قرآن سے ان کو جو ڈرتے
ہیں کہ جمع ہونگے اپنے رب کے پاس ان کا کوئی نہیں اس کے سوائے حمایتی نہ سفارش والا - اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے - جیسے ظاہر بادشاہ
کے ہاں کسی پر چوری ثابت ہوجاوے - اور جو کوئی امیر وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچالیوے - اس میں ایک تو یہ صورت ہے - کہ بادشاہ کا
جی تو اس چور کے پکڑنے ہی کو چاہتا ہے - اور اسکے آئین کے موافق اس کو سزا ہی پہنچتی ہے - مگر اس امیر سے دبکر اس کی سفارش مان لیتا ہے
اور اس چور کی تقصیر معاف کردیتا ہے - کیونکہ وہ امیر اس کی سلطنت کا بڑا رکن ہے اور اس کی بادشاہت کو بڑی رونق دے رہا ہے - اور بادشاہ یہ
سمجھتا ہے - کہ ہر ایک جگہ اپنے غصہ کو تھام لینا اور ہر ایک جگہ چور سے درگذر کرجانا بہتر ہے - نہ یہ اتنے بڑے امیر کو ناخوش کر دیجئے کہ
بڑے بڑے کام خراب ہوجاویں - اور سلطنت کی رونق گھٹ جاوے - اسکو شفاعت وجاہت کہتے ہیں - یعنی اس امیر کی وجاہت کے سبب سے
اس کی سفارش چلی - سو اس قسم کی شفاعت اللہ کی جناب میں ہرگز نہیں ہوسکتی - اور جو کوئی کسی نبی و ولی کو امام و شہید کو یا کسی پیر یا ولی کو اللہ

خلاف مشں کے شفیع ہیں۔ کہنا دون نفس علی کے محض بہتان باندھنا ہے۔ خدا اور رسول پر اوس گریز پر۔ قطعاً شفاعت کی

امید پر نیک کام سے ہاتھ اٹھا بیٹھنا احمق جاہلی کاہلی بے نصیبی کی دلیل ہے۔ اور اس پر تکیہ کرنا شافع کو بدنام کرنا ہے۔ بلکہ شافع کی

جناب سے مردود ہو جانے کا باعث ہے۔ اور شفاعت کے بھروسے پر اپنے گناہوں کو ہلکے جاننا کفر اور اس گھمنڈ پر خدا سے بیڈر ہونا کفر ہ

فائدہ۔ خداوند تعالی نے شفاعت محمدیہ پانے کے اسباب یہ بتائے ہیں۔ اول توحید شرعی بموجب اس حدیث کے کہ اسعد الناس

بشفاعتی من قال لا الہ الا اللہ خالصا مخلصا من قلبہ ت عن ابی ہریرہ و فی البخاری ایضا۔ یعنی میری شفاعت سے بہرہ پانے کا نصیب

وہ ہے۔ جو کہے لا الہ الا اللہ دل کی سچائی سے بے ریا۔ اور اس توحید کی باتیں رکھ کے ہمیشہ اتباع سنت میں رہنا اس حدیث کے موجب کہ

من احیی سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی۔ اور دوسرے متحقق ہوا۔ اور روح مقدس محمدی سے نسبت خاص پیدا کرنا

ولقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔ اس جگہ ملا عبد الغفور کا کلام بہت چسپاں ہے۔ کہ فرمود کہ اگر در طلب مرد شفیع

یافت۔ زیرا کہ طلب علامت مناسبت است۔ و مناسبت مستلزم شفاعت زیرا کہ حقیقت شفاعت نفوذ ہمت از شفیع کہ بمعنی جفت

باشد۔ و جذب ساختن مناسبت۔ و مناسب با خود در احکام و احوال چنانکہ آتش چراغ را روشن کند۔ بواسطہ مناسبت ادی جم

امر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است۔ و بکثرت صلوۃ برای تحقیق مناسبت۔ و تحصیل باب الشفاعۃ و بعد از مناسبات مجرد اعتقاد بست

کشوری لال ذاکر

نیا ماحول

آخر وہ ہو ہی گیا جس کا مجھے ہمیشہ ڈر رہتا تھا۔ تم کہا کرتے تھے کہ میں ایسا انسان ہوں جو کل کی فکر میں آج سے بھی اچھی طرح لطف اندوز نہیں ہوتا۔ میں ایک بادہ نوش ہوں جو صبح پیش آنے والی مصیبتوں کے خیال سے رات کو پی کر حال کی الجھنوں کو بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ کتنا اچھا نفسیاتی تجزیہ کیا تھا تم نے ۔۔۔ جانے میری نظریں کیوں اپنے قدموں سے بہت آگے پڑتی ہیں۔ میں کئی دفعہ دور کی چیزوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے اپنے قریب کی چیزوں کو بھی کھو دیتا ہوں۔ رستے میں عین سامنے پڑا ہوا بھاری پتھر مجھے نظر نہیں آتا۔ لیکن میری آنکھیں دور پڑے چھوٹے سے کنکر کو بھی دیکھ سکتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ٹھوکر کھاتا ہوں۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت تک جب تک کہ میں پھر چلنے کے قابل نہیں ہو جاتا۔ جونہی پاؤں اٹھنے لگتے ہیں۔ پھر دور پڑے نکیلے کنکر میرے ذہن میں کھٹکنے لگ جاتے ہیں۔ اور وہ موڑ جسے میری نگاہیں سدا تکتی رہتی تھیں اب آ پہنچا ہے۔ موڑ تو تب بھی آیا کرتے تھے جب میں تمہارے پاس تھا۔ یاد ہے وہ پان والی دکان جہاں سے تمہارے مکان کی طرف گلی مڑتی تھی۔ ہم ہر شام اس موڑ پر ہاتھ ملا کر خوشی سے جدا ہو جاتے تھے۔ موڑ تو وہ بھی تھا لیکن کتنا سہانا تھا! اس کے آگے ہر روز ملاقات کی دلکش اور شاداب وادی ہاتھ پھیلائے ہمارا انتظار کرتی رہتی تھی۔ اور موڑ گویا ہمارے تعلقات کے دھاگے میں گانٹھیں ڈال کر ہر روز انہیں مضبوط کر رہا تھا۔ لیکن جب بھی میری نگاہیں کسی اور ہی موڑ کو تکتی رہتی تھیں۔ کتنا بھیانک ہے یہ موڑ جہاں میں اب کھڑا ہوں! ہمت نہیں پڑتی کہ ذرا اور آگے بڑھ کر ماحول کا جائزہ لوں۔ ریگستان اور بیابان بھی تو انہی موڑوں کے بعد ہی آیا کرتے ہیں۔ جانے ہر گھڑی مجھے کیوں کسی بھیانک اور وسیع ریگستان کی قربت کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ میں موڑ پر آنکھیں بند کر کے کھڑا ہوں۔ یہاں تک تو ماضی کا ہلکا آنچل پکڑ کر پہنچا ہوں۔ لیکن اب ماضی کا آنچل بھی ساتھ دیتا دکھائی نہیں دیتا۔ وہ آنچل بھی خاص حدود کے اندر ہی رقص کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اس کی رنگینی اب دم کھو جاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ سب ایک چھلاوہ تھا۔ ہاں! میں مضبوطی سے پکڑ کر قدم قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں اور مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے باریک ریشمی تار میرے ہاتھوں سے کھسک رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ میں یہ سہارا بھی نہ کھو بیٹھوں۔ اسی ڈر کے باعث اور آگے نہیں بڑھتا۔ ایک ہی جگہ رک کر ماحول کو تک رہا ہوں۔

یہ ماحول کس قدر خشک، سونا اور اداس ہے ۔۔۔ تمام علاقہ جھلسے ہوئے ویران پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ جیسے یہاں کے رہنے والے لوگ جرائم پیشہ قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں بھیانک چار دیواری میں محصور کر دیا گیا ہے۔ تاکہ دنیا کی دوسری مخلوق سکھ چین کی زندگی بسر کر سکے اور یہ آپس ہی میں قتل و غارت کر کے اپنی پیاس بجھائیں ۔۔۔ یہ خشک اور کرخت وادی مجھے دھرتی کا ایک بہت بڑا زخم معلوم ہوتی ہے اور اس کے گرد پہاڑوں کی چٹختی ہوئی دیوار کھرنڈ کی بھاری بھاری تہیں ہیں ۔۔۔ کھرنڈ زخم سے گندی رطوبت رسنے سے اس کے گرد جم گیا ہے۔ جانے دھرتی کے اس زخم سے کتنا ہی خون بہا ہو گا! اب تو گرمی سے یہ کھرنڈ بھی چٹخ رہے ہیں۔ ان میں بھی دراڑیں پیدا ہو رہی ہیں ۔۔۔ اس وادی کے پار کوئی اور وادی ہو گی، دھرتی کا کوئی اور زخم جو رس رس کر خشک ہو چکا ہو گا۔ اکثر خیال آتا ہے کہ یہ دھرتی کا بالکل مجروح اور نڈھال حصہ ہے اور صبح جب مشرق سے سورج ابھرتا ہے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ایک بڑا سا نشتر زخم کی گہرائی میں گھونپا دیا جانے لگا ہے اور شام کو جب وہ مغربی پہاڑی کے نیچے ڈھلکنے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حقیقت میں خدا تعالے کے حضور بڑا درجہ پاوینگے۔ جسکو مقام محمود کہتے ہیں یعنی سراہا گیا۔ درجہ۔ وہ مرتبہ بڑی شان کا ہے۔ پھر جس کے باب میں اللہ
کی پروانگی ہوگی۔ اس کے حق میں عذرخواہی کرنی اصل میں اسی درجے والے کا منصب ہے۔ اس منصب کا حاصل ہونا قیامت میں آنحضرت کو بیشک حق ہے۔ خدا نے پہلے
نے فرمایا۔ اِن یبعثک ربک مقاماً محموداً۔ اور ایک آیت میں اسی مقام کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ کہ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ
اور کئی حدیثیں صحیح بھی صاف خبر دیتی ہیں۔ کہ یہ منصب آنحضرت کو مقرر ہے۔ محشر میں حاصل ہوگا۔ پھر آنحضرت کی شفاعت جہاں بھی کتابوں میں
مذکور ہے۔ اس معنی سے حق ہے۔ مختصر یہ کہ آنحضرت کو شافع پن کا بلند منصب ہونے والا ہے۔ سو حق ہے اس معنی سے یوں اللہ تعالیٰ آنحضرت کی شفاعت
حق ہے۔ قاعدہ کا دوسروں کا شافعی ہونا بھی باذن اللہ تعالیٰ حق ہے۔ جیسے انبیا صدیق لوگ۔ شہید لوگ۔ سچے عالم فرشتے اچھے عمل قرآن
اور کئی سورے جیسے تبارک وغیرہ کعبۃ اللہ یہاں تک کہ صالح پرہیزگار دوست اپنے دوست کی طرف سے عذرخواہی کریگا۔ اور چھوٹے بچے جو موئے ہیں
اپنے ماں باپ کی سفارش کرینگے۔ یہ ثابت سب باتیں حدیثوں سے ہیں ان کا انکار بیجا ہے۔ قاعدہ جس شخص کے واسطے آنحضرت کی
شفاعت نام بنام آئی ہے۔ اسکا یقین کیا چاہئے۔ اور جس جس فرقے کے حق میں آئی ہے۔ سو وہ فرقہ اگر خاص آل اور اصحاب ہیں تو ان کے
ہر فرد کے حق میں یقین کیا چاہئے۔ کیونکہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے جا بجا ان کے ایمان کی اور عاقبت بخیر کی گواہی دی ہے۔ اگر شفاعت مقدس کا
وعدہ کسی عام فرقہ کے حق میں وارد ہو تو بھی فرقے کے حق میں اس شفاعت کے ہونے کی امید رکھئے۔ پر اس فرقے کے ہر فرد کے حق میں شفاعت کو لازم

٨٨١

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مِنْ دُونِ اللّٰهِ الخ حاصل کلام یہ کہ سب سے بڑی بات ہے وے ویسے بڑے شخص کا یہ قول یعنی بڑی بات کا قول۔ ہے لیے لیس ناکارے

یعنی کسی کام کے فاعل مختار نہیں ہیں ہو ہے لوگوں کیلئے ثابت کیجیے شرک جس جگہ حق تعالیٰ کا ظہور ظاہر ہو۔ وہاں سب خلق ناکارے سے ہو جاویں۔ خصوصاً سید المرسلین

کی نظر عالی میں ؎ چو سلطان عزت علم برکشد۔ جہاں سر بجیب عدم درکشد۔ ہمہ ہر چہ ہستند ازان کمتر اند۔ کہ با ہستیش نام ہستی برند۔ مشکوٰۃ کے

باب البیان والشعر میں ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اصدق کلمۃ قالہا الشاعر کلمۃ لبید ؎

الا کل شیء ما خلا اللّٰہ باطل۔ متفق علیہ۔ یعنی سب سچی بات جو کسی شاعر نے کہی۔ سو لبید کی بات ہے۔ کہ الا الخ۔ یعنی جان رکھو کہ ہر چیز

اللّٰہ کے سوا باطل اکارتھ ناکارہ نیست و نابود ہے۔ یہ حدیث مسلم اور بخاری میں ہے۔ اور ترمذی۔ اور ابن ماجہ میں بھی اسی ڈھب کی روایتیں ہیں جس

بات کے سب سچی ہونے کی گواہی مخبر صادق محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے دی ہو۔ تو اسکی سچائی کو کیا پوچھنا چاہیے۔ علاوہ جب قرآن کے موافق ہو تو نور

علیٰ نور ہووے۔ کہ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ وَکُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ اہل ہندوستان کی اصطلاح میں شخص ذات کو کہتے ہیں نہ جسم ۱۲۱

ورنہ ہماری اکثر غلطی ہو جاوے۔ گنتی کرو اسی ڈھب کی ایک حدیث لَا شَخْصَ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ وَمِنْ اَجْلِ غَیْرَۃِ اللّٰہِ حَرَّمَ اللّٰہُ الْفَوَاحِشَ

مَا ظَہَرَ مِنْہَا وَمَا بَطَنَ وَلَا شَخْصَ اَحَبُّ اِلَیْہِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰہِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ بَعَثَ الْمُرْسَلِیْنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ

وَلَا شَخْصَ اَحَبُّ اِلَیْہِ الْمِدْحَۃُ مِنَ اللّٰہِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ وَعَدَ الْجَنَّۃَ۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے

نہیں مارتے - اگر چاہیں تو کلام میں الٹ پلٹ کردیں - لیکن شرع کی باتیں کر کے چپکے بیٹھے ہیں - سو یہ بات سب غلط ہے - بلکہ کسی کام میں وہ بعضوں کو

دخل ہے اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں - جیسے قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ

[illegible] - جیسے سورہ یوسف میں اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ فائدہ دیویں تجھکو نہ نقصان سو اگر کیا تو نے

تو بیشک تو بھی ظالموں میں ہے - یعنی یہ کہ اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ و نقصان نہیں پہنچا سکتے محض بے انصافی ہے

یہود کہتے تھے کہ حضرت اپنی طرف ہو جاویں - اور نصاریٰ اپنی طرف مائل کرنے کو چاہتے تھے - اور ہر فرقہ سب سے مشرک اپنے جانب رغبت کرنے کی امید رکھتے تھے -

تیا سو قرآن کریم میں اسی بات کا اشارہ ہے - کہ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ - یعنی اور ہرگز راضی نہ ہونگے تجھسے

یہود اور نصاریٰ جب تک تابع نہ ہو تو ان کے دین کا - تو کہہ جو راہ اللہ دکھاوے - وہی راہ ہے - اور کبھی تو چلا انکی پسند پر بعد اس علم کے جو تجھکو پہنچا تو کوئی نہیں

اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنیوالا اور مددگار - اور دوسری آیت میں فرمایا ہے - کہ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ - سو تو کہا نہ مان

جھٹلانیوالوں کا وے چاہتے ہیں کسی طرح تو ڈھیلا ہو تو وے بھی ڈھیلے ہوں - یعنی قرآن کے بعضوں کو چھوڑ دے تو وے تیرے باتوں کو پسند کریں اور

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کی تفسیر میں بھی اسی کا اشارہ ہے - یہ سب کافر لوگ اوروں کو پکارا کرتے تھے - گویا اسی واسطے سید المرسلین کو ارشاد ہوا کہ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یعنی اللہ صاحب نے اپنے پیغمبر کو حکم کیا۔ کہ لوگوں کو سنا کر دیں۔ کہ میں تمہارے نفع کا یا نقصان کا کچھ مالک نہیں۔ اور تم جو مجھ پر ایمان لائے۔ اور میری امت میں داخل ہوئے سو اس پر مغرور

ہو کر حد سے مت بڑھنا۔ کہ ہمارا پایہ بڑا مضبوط ہے۔ اور ہمارا وکیل بڑا زبردست ہے۔ اور ہمارا شفیع بڑا محبوب ہے۔ ہم جو چاہیں سو کریں وہ ہم کو اللہ کے عتاب سے بچا لیگا۔ کیونکہ یہ بات محض غلط ہے

اس واسطے میں آپ ہی کو ڈرتا ہوں اور اللہ سے ورے اپنا کہیں بچاؤ نہیں جانتا۔ سو دوسرے کو کہاں بچا سکوں۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ یہ جو عام انسان اپنے پیروں اور شہیدوں کی حمایت پر بھروسا کر کے

اللہ کو بھول جاتے ہیں۔ اور اس کے احکام کی تعظیم نہیں کرتے بعض گمراہ ہیں۔ کہ سب پیروں کے پیر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ سو وہ دن رات اللہ سے ڈرتے تھے۔ اور اس کی رحمت کے سوا

کسی طرح اپنا بچاؤ نہیں سمجھتے تھے۔ پھر کسی کا تو کیا ذکر ہے۔ غرض یہاں ایسا بیان منظور تھا۔ کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں حکم ہوا ہے۔ کہ سب کو سنا کر کہ

دیں۔ کہ میں تم سب کے واسطے نہ فائدہ پہنچانیکا اختیار رکھتا ہوں۔ نہ ضرر پہنچانے کا۔ بلکہ خدا ہی پناہ نہیں رکھتا۔ یوں فرمانے کا فائدہ یہ ہے۔ کہ کوئی حضرت سے نفع پہنچانیکی طمع یا ضرر

پانے کے ڈر سے یا حاجتیں ہونے کی امید سے ایمان لاتا ہو تو کچھ فائدہ نہیں۔ اور ان باتوں کے نہ ہونے سے کوئی ایمان لاتا ہو اور حضرت سے پھرنا مناسب نہیں کیونکہ نفع یا ضرر پہنچانے کا اور پناہ

دینے کا مختار اللہ ہے نہ حضرت۔ پھر چاہیئے۔ کہ پیغمبر حضرت پر اللہ ہی کے واسطے ایمان لاوے۔ نہ نفع کی طمع سے یا ضرر کے ڈر سے یا حاجتیں ہونے کی امید سے۔ جب بات ایسی

ہوئی تو سچے مسلمان جو کبیر اور پیرپال اور گنگنائے وغیرہ روح مبارک کو پکارنے سے حضرت کے مہربان ہونے اور نفع پہنچانیکا یقین لو اگر نہ پکاریں تو ضرر دینے کا یقین و اعتقاد رکھتے ہیں

اور ایسی خوشامدوں پر بھی گھمنڈ رکھتے ہیں۔ کہ کتنے ہی گناہ کریں۔ تو کیا کل حشر میں آنحضرت آپ ہمارے حمایتی بن کر خدا سے ہم کو چھڑا لینگے۔ سو یہ عقیدہ باطل ہے۔ جب خود حضرت

اللہ کے حکم سے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا مجھکو کوئی چھڑانیوالا اور پناہ دینے والا نہیں۔ پھر تم کو ایسے خام طمع اللہ کے سوا کون پناہ دینے والا ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ

من عذاب الیم۔ اور ایسی آیتیں بہت ساری مشرکوں اور آدمی پرستوں کو رد کرنے کے واسطے وارد ہوئی ہیں۔ تیسری فصل اشراک فی التصرف کے بیان میں ف ١٢٠

اس فصل میں ان آیتوں اور حدیثوں کا ذکر ہے جن سے اشراک فی التصرف کی برائی ثابت ہوتی ہے۔ قال اللہ تعالیٰ و تبارک قل من بیدہ ملکوت

کل شیء وہو یجیر ولا یجار علیہ ان کنتم تعلمون سیقولون للہ قل فانی تسحرون۔ کہا اللہ تعالیٰ نے سورہ مومنوں میں کہ کون ہے وہ شخص کہ جس کے ہاتھ

میں ہے اختیار ہر چیز کا اور حمایت کرتا ہے۔ وہ اس کے مقابل کوئی حمایت نہیں کر سکتا۔ جو تم جانتے ہو۔ سو وہیں کہہ دینگے۔ اللہ ہے کہ پھر کہاں خبطی ہو جاتے ہو۔

ف یعنی جس سے پوچھیے کہ ایسی شان کس کی ہے کہ ہر ایک چیز اس کے قابو میں ہے۔ جو چاہے کر ڈالے۔ اس کا ہاتھ کوئی نہ پکڑ سکے۔ اور اس کی کوئی حمایت ڈال

نہ سکے۔ اور اس کے تقصیروار کو کہیں پناہ نہ مل سکے۔ اور اس کے مقابل کسی کی حمایت نہ چل سکے۔ ہر کوئی یہی جواب دیگا کہ ایسی شان اللہ کی ہی ہے پس سمجھا چاہیے۔

کہ پھر اوروں سے مرادیں مانگنی محض خبط ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی کافر بھی اس بات کے قائل تھے۔ کہ کوئی اللہ کے برابر نہیں اور

کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر وہ اپنے بتوں کو اپنے وکیل ہی سمجھ کر مانتے تھے۔ اسی سے کافر ہوگئے۔ سو اب بھی جو کوئی کسی مخلوق کا تصرف ثابت عالم میں کرے۔ اور اپنا وکیل ہی سمجھ کر اسکو

مانے۔ ف۔ یعنی منت کرے۔ اور پوجے۔ چنانچہ آگے کئی جگہ مذکور ہو چکا۔ سو اس پر شرک ثابت ہو جاتا ہے۔ گو کہ اللہ کے برابر نہ سمجھے۔ اور اس کے مقابل کی طاقت اسکو ثابت

کرے۔ قال اللہ تعالیٰ قل انی لا املک لکم ضرا ولا رشدا۔ قل انی لن یجیرنی من اللہ احد ولن اجد من دونہ ملتحدا۔

فرمایا اللہ صاحب نے سورہ جن میں کہ بیشک میں نہیں اختیار رکھتا تمہارے نقصان کا نہ فائدے کا کہ بیشک مجھکو نہ بچاویگا اللہ سے کوئی اور ہرگز نہ پاونگا اسکے سوا

لگتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب نشترِ زخم کی آخری حد تک کھب چکا ہے۔ صبح اور شام کا تسلسل مجھے یہاں نشتر کے چبھوکوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا جو دھرتی کے مجروح سینے میں دیئے جاتے ہیں خون کا آخری قطرہ نکال لینے کے لئے ــــ اور دھرتی سسک رہی ہے کتنی تپش آلود ہیں اس کی آہیں! یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کا بس چلے تو تمام ماحول کو جلا ڈالے۔

چارپائی پر لیٹے لیٹے اپنے مکان سے کوئی سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلہ پر نظر آنے والے جلتے ہوئے پہاڑ کو تکتا رہتا ہوں۔ یہاں سے ایک ایک پگڈنڈی نظر آتی ہے۔ ایک ایک پتھر کو لڑھکتے ہوئے دیکھ سکتا ہوں۔ سبزے کا نام تک نہیں ان پہاڑوں پر جیسے ان کے سینے میں کوئی بڑی سی بھٹی جل رہی ہے، کوئی لاوا اُبل رہا ہے کوئی طوفان کھول رہا ہے جس کی گرمی سے اُن کی سطح پر گھاس کی ایک پتی نظر نہیں آتی۔ ــــ کتنی مجبت سے تمہیں تپتی ٹاپ کے ریسٹ ہاؤس میں کاٹنی پڑی تھی۔ اُف وہ گھٹاؤں کے ریلے! جیسے طوفان کی لہریں آگے ہی آگے بڑھ رہی ہوں اور وہ چیل کے درختوں کی آواز جیسے پہاڑی کے دیوتا سنگیت میں مست سورگ کی طرف اُڑ رہے تھے اپنے بھگتوں کے لئے سکھ اور آرام کا امرت لانے کے لئے ــــ تمہاری ناراضگی کے باوجود میں وہاں ٹھہرنے پر بضد تھا تم نے مجھے لاکھ کوسنے دیئے، ساتھ کی سواریوں نے بہتیرا سمجھایا، ڈرائیور نے دنگ منتیں کیں، سامنے والی سیٹ کے ساتھ تصویر کی طرح لگے ہمسفر چہرے نے بھی اُداسی سے دیکھا، لیکن مجھے محسوس ہوتا تھا کہ دور کھائیوں کی گہرائیوں سے اُٹھتی ہوئی گھٹاؤں نے مجھ پر جادو کر دیا تھا، مجھے اس قابل ہی نہ چھوڑا تھا کہ میں وہاں جانے کا نام لوں۔ اور ہم کتنے ہی دن اُس رومان پرور ماحول میں سانس لیتے رہے، دن میں کتنی کتنی بار گھٹائیں گھر آتی تھیں، اپنے سامنے کھڑا ہوا انسان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ کیسی عجیب چال سے حرکت کرتی تھیں وہ سب ہر درخت سے چمٹ کر روتی تھیں جیسے اب جا کر پھر واپس نہ آ سکیں گی جانے ہوا کا ریلا کس کرخت اور تپتے ہوئے علاقہ میں لے جا کر اُن کا دم گھونٹ دے گا اور وہ دوبارہ اپنے چاہنے والوں کو نہ مل سکیں گی ــــ اب مجھے وہ دن یاد آتے ہیں تو تڑپ اُٹھتا ہوں۔ یہاں بھی تو پہاڑ ہیں، لیکن ان کو دیکھ کر مجھے خوف آتا ہے، کانپ اُٹھتا ہوں اُن کے اُجڑے پن کو دیکھ کر یہاں صرف عمل تبخیر ہوتا ہے۔ یہاں ہر شے بھاپ بن کر اُڑ جاتی ہے۔ یہاں کی تہذیب، دولت، شانتی، مسرت، راحت سب بخارات کی صورتیں بدل کر غائب ہو چکی ہیں۔ اگر کوئی گھٹا بھولے بھٹکے سے اِدھر آ بھی جاتی ہے تو ان جلتے بجھتے پہاڑوں کی چوٹیوں سے ٹکراتے ہی خشک ہو جاتی ہے۔ عمل تکاسف شاید یہاں ہوتا ہی نہیں۔ یہاں پہاڑوں کے دیوتا سورگ کے امرت کی بجائے نرک کی آگ کے شعلے بانٹتے پھرتے ہیں۔ اپنے بھگتوں میں۔ امرت شاید انہیں بھی میسر نہیں آتا اگر آتا ہے تو اُس سے صرف اُن کی اپنی پیاس بجھتی ہے۔ دوسروں کے لئے اُن کے پاس کچھ نہیں ہے ــــ ہوا کے ہر گرم جھونکے سے جسم میں ایک جلن محسوس ہوتی ہے اور جلن کی ہر ٹیس پر میں کھڑکی سے باہر پہاڑ کی طرف جھانکتا ہوں۔ جس کے سینے پر شعلے ناچ رہے ہیں اور پھر اچانک نگاہیں سامنے کے چوبارے پر جا ٹکتی ہیں۔ کئی دنوں سے اس میں ایک اُداس اور بجھا بجھا سا نسوانی چہرہ دیکھ رہا ہوں اور اس کے قریب کھیلتا ہوا ایک بچہ شاید اُسی کا بچہ ہے ــــ وہ دن بھر چارپائی پر پڑی جانے کیا سوچتی رہتی ہے۔ میں اکثر اس کی مدھم اور روہانسی آواز سنتا ہوں۔ کئی بار جب وہ بچے کو جھڑکتی ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ جھڑک نہیں رہی اپنی بے بسی کا اظہار کر رہی ہے۔ لیکن بچہ شاید اس بے بسی کو نہیں سمجھتا۔ اور بدستور شرارتیں کئے جاتا ہے ــــ میں نے شام کے دھندلکے میں کئی بار ایک نحیف اور منحنی سا سایہ اس مکان میں رینگتا دیکھا ہے۔ غالباً وہ اُس کی ساس ہے جو ہر روز شام کو چراغ جلاتے وقت اُسے کہتی ہے:

"قدرتاں! یوں دن بھر کھاٹ توڑنے سے کام نہیں چلے گا اپنے خاوند کی زندگی کے لئے دعائیں مانگا کر، سجدے کیا کر، نماز پڑھا کر، بیری والے پیر کی قبر پر ہر روز نہ سہی جمعرات کو تو چراغ جلا آیا کر ــــ نوری اور بخشاں نے صرف پیر کی قبر پر چراغ جلا کر اپنے خاوندوں کو موت کے مضبوط پنجوں سے چھین لیا ہے ساندو تو

کہا کہ جو کوئی خبر دے تجھکو کہ حضرت پیغمبر خدا جانتے تھے پانچ باتوں کو کہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔ سو بیشک انہوں نے بڑا طوفان باندھا ف اس حدیث سے معلوم ہوا کہ

جو کوئی یہ بات کہے۔ کہ پیغمبر خدا یا امام یا کوئی ولی غیب کی بات جانتے تھے۔ مگر شریعت کے ادب سے منہ نہ کہتے تھے۔ سو وہ بڑا جھوٹا ہے۔ بلکہ غیب کی بات اللہ

کے سواہی کوئی نہیں جانتا۔ اَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ عَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِیَّۃِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ

وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔ مشکوٰۃ کے باب البکاء والخوف میں لکھا ہے کہ بخاری نے ذکر کیا کہ نقل کیا ام العلاء نے

کہ کہا پیغمبر خدا نے۔ کہ قسم ہے اللہ کی کہ نہیں جانتا میں اور قسم ہے اللہ کی کہ نہیں جانتا میں حالانکہ میں رسول اللہ ہوں۔ کہ کیا معاملہ ہوگا مجھ سے اور کیا تم سے ف

یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کریگا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں۔ سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں۔ نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا حال

اور اگر کچھ بات اللہ نے اپنے مقبول بندوں کو وحی یا الہام سے بتادی۔ کہ فلانے کا انجام بخیر ہے۔ یا برا سو وہ بات مجمل ہے اور اس سے زیادہ معلوم کرنا اور اس کی تفصیل

دریافت کرنی ان کے اختیار سے باہر ہے۔ اس حدیث کے فرمانے کا سبب یہ ہے۔ کہ ایک بڑے مہاجر صحابی جنکا اسم شریف عثمان بن مظعون تھا

گذر گئے۔ آنحضرت نے انکی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور کچھ آنسو ڈھلے۔ اور بقیع میں انکو دفن کیا۔ سو بیچاری ایک بی بی نے کہا کہ مبارک تجھے بہشت اے

مظعون کے بیٹے۔ گویا عاقبت تیری بخیر ہے۔ تب آنحضرت نے اس بی بی کو ڈانٹا۔ اور فرمانے لگے۔ واللہ لا ادری الخ یعنی یہی آیت کا مضمون ہے جو سورۂ احقاف

میں آئی ہے۔ کہ قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ وَمَا اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔

اور ہدایت پانے ہوؤں میں داخل ہو۔ اور یہ خوشخبری کہ نتیجہ اس کو حاصل ہو۔ خداوند تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں صبر کرنے والوں کو حضرت الٰہی کی خوشخبری دی ہے۔ اور لوگوں کو ہدایت پانے والوں

میں گنا ہے۔ یہ جھوٹے مرثیہ پڑھنے والوں کو یہ چاہیے ہر سوز نخب بکنے والوں کو ؎ من آنچہ شرط نصیحت بود بگفتم ، تو خواہ از سخن پند گیر خواہ ملال ۔ سبحان اللہ امام حسین رضی

جو بہشتی جوانوں کے سردار تھے۔ اور پیغمبر کے نور دیدہ۔ سو یزید کے فسق و فجور اور بدعت سے ناراض ہو کر فی اللہ اس کو خلافت پر سے اٹھا دینے کو اور امتیوں کو ہدایت کرنے کو نکل کھڑے

ہوئے۔ آخر سر مبارک کٹوا ڈالا پر فسق و بدعت دیکھنے کو راضی نہ ہوئے۔ مگر یہ جھوٹے شیعہ اپنے امام کے حق میں کیسی کیسی بدعتیں اور شرک و کفر کے کام شروع کرنے میں اور کرتے

جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ یزید سے بڑھ گئے ہیں۔ مگر امام حسین علیہ السلام ہوتے تو پہلے ان بدعتیوں سے جہاد کرتے۔ اور ان مشرکوں کی گردن مارے ہوتے۔ اے عزیز و ماتم کی بدعت

و شرک کی دفع کو ایک رسالہ ہدایت المومنین نام مفید ہے۔ اس کو مطالعہ کرنا غنیمت جانو۔ جو ہے مصنف نے اس روایت کے بیان میں قولی بالذی کنت تقولین

کے ترجمہ میں یوں کہا ہے۔ اور جو کچھ پہلے گاتی تھیں وہی گائے جاؤ۔ شارح کہتا ہے کہ یوں کہنا مناسب تھا۔ کیونکہ وے گاتی نہ تھیں بلکہ زبانی آواز سے شہیدوں

کی منقبت پڑھتی تھیں۔ وہ کچھ راگ نہ تھا۔ اگر راگ گاتی ہوتیں تو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام یوں فرماتے ہوتے۔ کہ تغنی بالذی کنت تغنین ۔ جب

آپ نے قولی بالذی کنت تقولین فرمایا تو صاف معلوم ہوا کہ وے راگ گاتی تھیں مگر اچھی آواز سے اشعار پڑھتی تھیں اس کو گانا نہ کہا چاہئے

ما خرج البخاری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا من اخبرک ان محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعلم الخمس التی قال اللہ تعالیٰ

ان اللہ عندہ علم الساعۃ الخ فقد اعظم الفریۃ۔ مشکوٰۃ کتاب رؤیۃ اللہ عزوجل میں لکھا ہے کہ بخاری نے ذکر کیا حضرت بی بی عائشہ نے

اپنے عمدہ حضرت یا کسی اور بھی باپ کی موت کو گذشتہ ہیں یا ان کے غم تازہ کرنا منظور ہو کر پہلے سے بیوی یا بہن کی ماتم کی جاری ہو تو اس مرد کو پہنچا ہے ۔ سو شاید کہ فتنہ نہ ہو

بھی اس کہ ایسا کو پہنچا تو جائز نعوذ باللہ منہا ۔ باقی ڈھول بدعتیں کا پیٹنا کہ دف کی جگہ ہر رنگ وغیرہ ۔ حاشا للہ کبھی ڈھنگ اور دف برابر نہیں فقہا نے اسکو حرام کہا ہے کیونکہ وہ باجے ہیں

اس واسطے فسق و فساد کی علامت ٹھہری جو فسق و فساد کا علم ہوئی اس کو صلاح کے کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں ۔ اور اسکو بجانا کافروں اور فاسقوں کے ساتھ تشبیہ ہوتا ہے اور دوسرے

باجوں کو بھی اسی پر قیاس کیجئے ۔ چنانچہ اس بات کو فقہا نے صاف لکھ دیا ہے ۔ فقہا کے ظاہر ہونے پر ظاہر ہے برخلاف دف کے کہ نکاح کے اعلان کے واسطے یا اسلام کی شوکت کی خوشی

کے واسطے یا عید کی خوشی کے واسطے عوام کو اس کا پیٹنا مباح ہے ۔ مگر فسق و فجور اور لہو و لعب میں جائز نہیں ۔ کہیں جو ترجمہ صرف اس حدیث کو اپنی طرف نہ کھینچ لیں کہ جیسے ہو گذرے

بدر والے بزرگوں کا احوال کہتی تھیں ویسے ہی ہم کربلا کے شہیدوں کا احوال گاتے پھرتے ہیں کیونکہ ان بیبیوں کے مرثیے جو تھے سو بدر کے ہیں انہیں اس تنبیہ پر شان اور ہمت میں

کہ حضرت امام نے نوحہ گری کی اور زینب نے بلائی اور سکینہ نوحہ کی گویا اہلبیت کا نوحہ ہے ۔ اس میں جہاد اور شہادت کے فضائل کا بیان کہاں اس کے سوا

مرثیہ خوانی اور تعزیہ داروں کی مجلس اور ہنگامہ کرنی بدعت ہے ۔ یہ رسم حضرت کے وقت میں تھی نہ صحابہ کے وقت میں ۔ خاندان بیت کے بزرگوں نے اس کو جاری کیا تھا کہ ہر

سال ایسا کرنی ہے ۔ خلاف اس بات کے جو قرآن میں ہے ۔ کہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولٰئِكَ

عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۔ غرض جس کو کسی بزرگ کی محنت و مصیبت یاد آئے اور وہ چاہے کہ آپ بھی اس کے ثواب

میں شریک ہووے تو اسے چاہئے کہ اللہ کی طرف متوجہ ہووے ۔ سو دل و زبان سے یہی کہے کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں تا اس پر اسکی رحمت

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آتیں اور حدیثیں جو آگے آتی ہیں۔ سو اس مضمون پر دلیل ہیں۔ جب سید المرسلین نے یوں فرمایا ہو۔ تو اور کسی کا اس پر کیا بس چلے۔ پھر اُنکے واسطے دوسری دلیل دینے کی کیا حاجت

نہیں۔ شارح کہتا ہے۔ اَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ۔ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان کی بدی سے اور اس کے شرک سے یعنی تو گویا یہ شیطان کی بدی

اور شرک سے تو آتشکدہ میں سر کے بل گرتا۔ پھر جو اس کو نکالنے جاتے ہیں۔ تو البتہ کانوں سے کچھ نہ راگ سے کہ جرأت پاوے یعنی عاشق کو فسق سے مشہور اسنے اور فسق کو برا تو بتانے

کے واسطے فسق کی کیفیت زبان پر لانی منظور ہوتی۔ اور فاسقوں کی گفتگو کرنی اگر لازم پڑتا۔ یہ تو اہل تقویٰ کے پاس البتہ مکروہ ہے۔ اسی طرح مسئلہ کفر و شرک ہوئے

لوگوں سے شرک و کفر صادر ہونے کو چاہتے۔ تو شرک اور کفر کی باتیں اور عزیر اللہ کے بیٹے کی اور مسیح اللہ میں کوئی معبود ہے کے ذوق نہ ہو کی حقیقت کا بیان کرنا لا بد تھا۔ یہ اہل حق کے

پاس بہت ناپسند ہے۔ ~~بَیْنَ العزوات تبیح المحظورات کا بیان کرنا البتہ [illegible]~~ کے قاعدے سے اور نقل کفر کفر نباشد کے مطابق ہے

اور اس حدیث شریف کے موافق جو خیبر میں حضرت علی کو ارشاد ہوا تھا۔ کہ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ أَحَدًا خَيْرٌ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ۔ یعنی مقرر تیری طرف سے ہدایت

پاوے اللہ تعالیٰ کسی کو بہتر ہے۔ تیرے لئے لال رنگ کے جانوروں کی لیکھا تیرے مال سے بہتر ہے۔ تا مصنف نے شرک کی سیدھی بات کو اس واسطے اللہ کی صفات

غیر اللہ کا خالی رہنا بیان کیا۔ اور ہر بات کے ثابت کرنے کے واسطے جو باتیں کہ لازم آنے والی تھیں۔ انکو لایا۔ اس واسطے شارح کو

بھی مناسب ہوا۔ کہ ویسے باتوں کا اصل قرآن و حدیث سے بتاوے۔ اس واسطے کئی آیتیں اور حدیثیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔ قُلْ إِنَّمَا

أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ الآیہ اور مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَمَا كُنتَ

میرے بیٹے کے لیے کچھ بھی نہیں کرتی، کیا ہو گیا ہے تجھے ۔۔۔ وہ
اور پھر وہ نحیف آواز ایک چیخ بن کر اس مکان کے صحن میں گونج جاتی ہے
ماں میں کچھ نہیں کرتی ۔۔۔ اب میرا دل ہی نہیں چاہتا کہ میں سجدے کروں، دعائیں مانگوں، دعاؤں اور سجدوں سے جنگ کی توپوں اور تلواروں کے کھیچے تو نہیں بیچ سکتے ۔۔۔ اور وہ زور زور سے رونے لگ جاتی ہے۔

اس کی شادی کو یہ پانچواں سال ہے۔ شادی کے ڈیڑھ سال بعد اس کا خاوند بھرتی ہو کر لام پر چلا گیا ہے۔ پانچ سال گزر گئے اپنے خاوند کا انتظار کرتے مگر وہ اب تک نہیں لوٹا۔ پہلے تو اس کا بچہ اس کی ڈھارس بندھا دیا کرتا تھا۔ لیکن اب وہ اس کی طرف سے بھی غافل ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی طویل انتظار اب ایک کسک بن چکی ہے۔ اس کی آنکھیں اتنی مدت تک راہ تکتے تکتے پتھرا چکی ہیں۔ اب وہ آنکھیں جھپکنا چاہتی ہیں، لیکن جھپک نہیں سکتیں۔ اب اس کے الجھے ہوئے بال اس کی جوانی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ صرف خیالی محبوب کے انتظار میں بوڑھی ہو جائے گی۔ اس کے سیب کی طرح سرخ رخسار درخت سے گرتے ہوئے پتے کی طرح زرد ہو جائیں گے، اس کی بے کاجل آنکھیں رفتہ رفتہ اپنی سیاہی کھو دیں گی اور جب اس کا خاوند طویل مدت کے بعد اس کے پاس آئے گا تو وہ اس پر تھوکے گا بھی۔ وہ ہر ماہ جتنی رقم بھیجتا رہا ہے وہ اس کی بیوی کو جوان بھی نہیں رکھ سکی۔ اس کی تو قوت مجروح ہو جائیں گی اور وہ اپنے انتظار میں مدفون ہو جانے والی تمناؤں اور التجاؤں کو آرزوؤں کو ٹھکرا دے گا ۔۔۔ پھر کیا کرے گا قدرتاں ۔۔۔ اور یہ سوچ کر قدرتاں تڑپ اٹھتی ہے۔

لیکن اب چند دنوں سے اس کے بال سنورے رہتے ہیں۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں اب جھپک سکتی ہیں، اس کے میل سے اٹے ہوئے کپڑے کچھ اجلے ہو گئے ہیں۔ اب وہ دن کو چوبارے کی چارپائی پر لیٹے لیٹے کبھی میری جانب بھی دیکھ لیتی ہے۔ میں ... ہوتی ہوا کے ہر جھونکے پر پہاڑ کی طرف دیکھتا ہوں۔ اور پھر ... چلتی ہوئی نگاہیں سامنے کے چوبارے کی کھڑکی پر جم جاتی ہیں

وہاں انہیں ایک دلکش ٹھنڈک کا احساس ہوتا ہے ۔۔۔ اس کی گوری گوری انگلیاں کھڑکی کی سلاخوں پر تڑپتی رہتی ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کمزور سی بانہیں لوہے کی ان سلاخوں کو توڑنا چاہتی ہیں اور ان سے باہر نکل کر فضا میں پھیلنا اور پھیل کر مجھ تک پہنچنا ۔۔۔ لیکن وہ چوبارہ ابھی نیا ہے، اسے بنے ہوئے چار پانچ سال ہی ہوئے ہیں۔ اس کی کھڑکی میں تنی ہوئی آہنی سلاخیں بھی ابھی تنی ہیں۔ ابھی ان میں جوانی ہے۔ ابھی ان میں طاقت ہے کسی انسان کو باہر نکلنے سے روکنے کی۔ اور اس کی انگلیاں تھک ہار کر اس کے سینے پر تھرکنے لگتی ہیں ۔۔۔ میری کھڑکی میں بھی سلاخیں لگی ہیں۔ جانے کیوں مجھے اپنی سلاخیں ان سلاخوں سے زیادہ موٹی اور مضبوط محسوس ہوتی ہیں۔ شاید اس لیے کہ میں مقابلے میں ہمیشہ ہار ہی کسی محاذ پر بھی ڈٹ کر مقابلہ نہیں کر سکا۔ کئی دفعہ سوچتا ہوں کہ اگر قدرتاں نے اپنی کھڑکی کی سلاخوں کو توڑ بھی دیا، اس نے اپنے گورے گورے بازو فضا میں پھیلا بھی دیئے تو میں کس طرح اس تک پہنچ سکوں گا میری سلاخیں تو اس سے زیادہ مضبوط ہیں، میں تو اس سے زیادہ کمزور ہوں۔ تو کیا اس کے پھیلے ہوئے بازو میری سلاخوں کو بھی توڑ سکیں گے؟ کیا ان میں اتنی طاقت ہوگی کہ وہ ان سلاخوں کے ہوتے ہوئے بھی مجھے کھینچ کر قدرتاں کے قریب لے جائیں اور پھر اگر اسے یہ احساس ہو گیا کہ اس نے جیتے جاگتے، حرکت کرتے ہوئے انسان کو نہیں بلکہ ایک پتھر کے بت کو اپنے سینے سے چمٹا لیا ہے۔ پتھر کا بت جو اس کے جسم میں ابلتے ہوئے طوفان سے بھی نہیں پگھل سکتا۔ ۔۔۔ پھر کیا ہوگا؟ ۔۔۔ جی میں آتا ہے کہ زور سے چلاؤں اور اسے کہہ دوں "قدرتاں میں کمزور ہوں، [illegible] ہوں، ذلیل ہوں، میں مردہ ہو چکا ہوں، میری طرف آس بھری نظروں سے دیکھنا صحرا کے پھیلاؤ سے آنکھیں بھرنا ہے۔ تو میری خاطر ماحول کی کڑی سلاخوں کو توڑنے کی جرأت نہ کر ۔۔۔ لیکن اچانک میری نظر پھر اس کی طرف اٹھ جاتی ہے۔ کتنی بے کسی ہے ان نگاہوں میں، جیسے جوانی سسک رہی ہو اور تپتی ہوئی سلاخوں پر تڑپتی ہوئی کمزور سی انگلیاں جن پر اسے لگتا ہے ۔۔۔ اور میں شرم سے زمین میں گڑ جاتا ہوں، میرے ہونٹ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ٤١١

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

٥١١ [illegible]

[illegible]

اگر کوئی قیامت تک انکو پکارے تو وے کچھ نہیں کر سکتے - اس آیت سے معلوم ہوا - کہ جو لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں - اور

اتنا ہی کہتے ہیں کہ یا حضرت تم اللہ کی جناب میں دعا کرو - کہ وہ اپنی قدرت سے اور فضل سے ہماری حاجت روا کرے اور یوں سمجھتے ہیں - کہ ہم نے

شرک نہیں کیا - یعنی ان سے حاجت نہیں مانگی بلکہ دعا کروائی - سو یہ بات غلط ہے - سو شرک کی بات اسواسطے کہ اگرچہ اس مانگنے کی

راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا - لیکن پکارنے کی راہ سے تو صاف شرک ثابت ہے - یعنی وہ آدمی ان بزرگوں کو ایسا سمجھا کہ دور و نزدیک

سے برابر سن لیتے ہیں حالانکہ اللہ صاحب نے صاف اس آیت میں فرمایا ہے - کہ جو اللہ کے سوای ہے وہ ان پکارنیوالوں کے پکارنے سے

غافل ہے تو کسی نے اللہ کے خبر دینے سے معلوم کر سکتے ہیں - لیکن یہ کہاں سے معلوم ہوتا - کہ انکی خبر اللہ کو خواہ مخواہ دیتا ہی ہے -

غرض کہ دیتا بھی ہو - تو یہ کہاں سے معلوم ہوتا - کہ وے خواہ مخواہ اس کے حق میں دعا کرتے ہیں - بالفرض وے حضرات دعا بھی کرتے ہوں

پھر یہ کہاں سے واجب آیا - کہ خدا ان ہی کی قبول کرےگا - پھر [illegible] بہتر یہ ہے - کہ اللہ ہی کو پکارو - کیونکہ قرآن میں فرمایا ہے

ادعونی استجب لکم - اس آیت کا حکم دیا اور [illegible] باقی ہے ہے قال اللہ تعالیٰ قل لا املک لنفسی

نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر

وبشیر لقوم یؤمنون - کہا اللہ صاحب نے سورہ اعراف میں کہ نہیں اختیار رکھتا میں اپنی جان کے بھلے نقصان کا مگر جو کچھ چاہے اللہ

۱۱۳ [illegible]

۱۱۴ [illegible]

اور بند ماند سے اسکو ادھر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ سو گویا یہ خیال کئے ہیں۔ جیسا اڑتے ہوئے شکرے کو کسی تیتر کے طعمہ کے طمع پر بلاوین

سے عنقا شکار کس نشود دام باز چین۔ اینجا ہمیشہ باد بدست است دام را۔ یہ عقیدہ مشرکین سے اور مشرکوں سے یونان اور فارس

اور ہنود و نصریٰ کے لیا ہوگا۔ کیونکہ ان کے ہاں بزرگوں اور روحوں سب ہی کے لئے کو اور فرشتوں اور ستاروں کی تسخیر کرنے کو اور انکے تعلقات کے اثبات کو

ہر ایک کے واسطے صدہا جیدی نذر نیاز قربانی سو یہ مثالی اعمال خوش آمد ہے۔ اسکی تحقیق اس زمانہ کے جاننے والوں سے اور دبستان مذاہب سے

بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ اکثر نام کے مسلمان اس طرح کے کام بزرگوں کی ارواح سے کیا کرتے ہیں۔ پاک مومن کی ایسی باتوں سے جنابہ ضرور شہیدوں کی

روحیں حدیث کے بموجب بہشت کے سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھی گئی ہیں۔ میووں سے چرتے چگتے اور عرش کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں

پھر انکو اس مردار دنیا کے دانے چگنے پر بلاویں تو کاہکو آوینگی۔ مگر شیطان ان پیر شہید کے پوجنے والوں کو اغوا کرکے اپنا پوجا کروا

لیتا ہے۔ مگر نہ پاک روحوں کو نہ کبھی کسی کے رشتوں پر آتے ہیں نہ کسی کے پکارے پر کان واللہ اعلم ہے دوسری شق مقدمہ کا بیان

یہ کہ حضرات عالیات کو اصل غرض بالکل قادر مان کر پکارا کرتے ہیں۔ سو بالذات تو قادر نہ ہوئے پہلا سبب کہ مگر کچھ قدرت

نہیں رکھتے۔ شق کیونکہ خدا نے فرما دیا۔ کہ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ یعنی وہ غالب ہے اپنے بندوں پر۔ سو اہلسنت

کے عقیدے میں سب بندے نہ فاعل مختار ہیں نہ اپنی قوت اور قدرت اور فعل کے پیدا کرنے والے ہیں۔ نہ ان میں کوئی تاثیر ہوتی ہے

[illegible] آیت کی تفسیر میں مفاد [illegible]
بقہر [illegible] و علوہ [illegible]
والقدرۃ یعنی سیاست [illegible]
بالعبد [illegible] کی صورت [illegible]
ہے۔ [illegible] کے ساتھ [illegible]
[illegible] ساتھ تمام مقید ہے ۱۲

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کیونکہ یہ حدیث یا تو اتر لفظی کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ ان کے ظاہر پر ایمان لانا واجب ہے۔ جو انکا معارض ہووے اُس کا رد واجب لیکن جو حدیث صحیح
معارض ہو تو رد کرنا مناسب نہیں ہے بلکہ یہ تحقیق ہوا کہ اس حدیث کی تاویل ہوگی اس واسطے اسکی حدیث تاویل کرنی ضرور۔ جیسے کہ اس حدیث کا مضمون
کسی آیت یا نص کے خلاف پڑتا ہووے۔ تو اس آیت پر ایمان لانا اور اس حدیث کے معنی اس ڈھب پر کرنا کہ اس آیت کے مضمون کے خلاف نہ ہوں۔ اس حدیث کے مانند کہ
جو ہم کہتے ہیں یہ ہے کہ انک لا تسمع الموتیٰ کی آیت اور ما انت بمسمع من فی القبور معلوم کے نہ سننے پر دلیل ہو کر معارض ہیں
مردوں کے سننے کے احتمال پر دلیل ہو کر معارض ہیں۔ مردوں کے نہ سننے کی احتمال کی حدیثوں کی بہ نسبت سننے کا دعویٰ ان آیتوں کے
دلیل کے برخلاف ہونے سے گویا یہ صریح ہو۔ بلکہ مردوں کے سننے کا دعویٰ اس کے مقدمات کے ساتھ واجب القبول نہیں۔ لیکن اس
دعویٰ کی دلیلیں کچھ حدیثیں نکل سکتی ہیں اس واسطے انکی تاویل کیا چاہیے۔ جو ان آیتوں کی لغو یعنی [illegible] واجب الایمان کی تاویل مضائقہ نہیں۔ یہ
واجب الایمان کی تاویل بے سبب ہرگز روا نہیں۔ اس واسطے لایا کیا چاہیے۔ کہ قبر والوں کو دنیا کا سا عادت موافق سننا نہیں مگر عالم
برزخ کا سننا سنتا اور وہاں کی مصلحت کے موافق ہے۔ نہ یہ کہ ہر جگہ حاضر ناظر ہو کر لوگوں کی حال احوال جیسے سنا ہی کرتے ہیں کہ گویا تم
پر کوئی شرعی دلیل جو واجب القبول ہو ثابت نہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس جو شخص سلام کہے خود سنتے
تو آپ بموجب حدیث کے سماع حقیقی سے سنتے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے اس بات کو لکھا ہے۔ اور جو دور سے بھیجے تو فرشتے آپ کو پہنچاتے

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

پکار کو بھی دور سے سنتے ہیں ۔ لیکن اس صفت مشفقت ایسے سننے کے ثابت کرنے کا کیا فائدہ ۔ مگر یہی کہ آدمی سبب اور گو بزرگ

مردوں کو سمع کی صفت اور علم کی صفت اور بخشنے کی صفت میں خداوند تعالی کے شریک ٹھیراویں ۔ اور اسکی خبر اوس شخص کے اعمال میں

لکھی جاوے کہ ان سے وغیرہ کی باتوں کو دلیل لانا دینداروں کا کام نہیں ہے ۔ بلکہ بے دین مکاروں کا شیوہ ہے ۔ کوئی اس طرح دلیل نہ لاوے ۔ کہ ۹۲

امت کا درود و سلام فرشتے جناب نبوی میں پہنچایا کرتے ہیں ۔ اور امت کے اعمال پڑھتے ہیں ۔ پس یاد رہے کہ مصطفوی میں معروض ہوتے ہیں

پیر کا انکار یا بھی پہنچیگا ۔ جواب درود کا پہنچنا اور اعمال کا معروض ہونا سچ ہے سو ہمارے حدیث آئی ہے فی فصل تخصیصہ علیہ الصلوٰة

والسلام بتبلیغ صلوٰة من صلی علیہ او سلم من الشفا وللقاضی عیاض علیہ الرحمة لسندہ الی ابی ہریرة ان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام ۔ یعنی کوئی مجھ پر سلام

نہیں بھیجتا ۔ مگر یہ کہ اللہ تعالی میری روح کو پھیر دیتا ہے تاکہ میں اسکے سلام کا جواب دوں ۔ یعنی جو سلام کہنے والا مجھکو سلام کہے تو میں اللہ کی قدرت سے

تحسین اسی مجلس میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں ۔ یعنی روایت کی ابوبکر بن ابی شیبہ عن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ ۔ یعنی جو کوئی سلام مجھ پر کہے

میری قبر کے پاس تو میں اسکو سنتا ہوں ۔ اور جو کوئی مجھ پر سلام کہے ۔ دور سے تو مجھکو پہنچایا جاتا ہے ۔ وعن ابی مسعود ان اللہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور خدا یا زبان کے عمل میں ہمہ تن ہونا چاہیے ۔ لیکن جو شخص کہ دعوی نسب ولایت کا نہ رکھتا ہو سلسلہ صحیحہ صحبت میں کسی کا ہو اور کشف و کرامات اسکی طرف سے بھی معلوم ہو تو

سلسلہ صحیحہ اختیار میں نہیں ہے کہ جو بات میں چاہوں معلوم کر لوں ۔ یا جب چاہوں تب منکشف کر لوں ۔ تو شاید یہ بات جو کسی سے شخص شاید سمجھا گیا ہو

اس وجہ سے خالی نہیں ہے ۔ جو سمجھا ہو اس کو حق کا الہام یعنی توحید اور اتباع سنت کا چرچا ہونا اور کشف کی اکثر ہونا اور اسکی بھی محبت

اور اطاعت اور اسکے رسول مقبول کی سنت کی ستودگی اور فرمانبرداری اور اس شخص کی صحبت اور نصیحت سے لوگوں کے دل میں اللہ کی محبت اور بھی محبت

اور اسکے رسول مقبول کے آل و اصحاب کی محبت اور عبادت مضبوط ہونی اور قرآن و حدیث اور علوم دینی کی تحقیق کا شوق اسکی صحبت سے لوگوں کی خاطر میں پیدا ہو

یہ سب اسکے کی علامت ہیں ۔ اور جو مخالف ہے اسکے مردم میں سستی اور قبر کا پوجنا اور جاہلیت کی رسم عادت شادی و غمی میں اور بدعت و نماز میں

شیخ جی کو حاضر ناظر سے کام رہنا مردوں کے نزدیک جا کر یا شب میں یا مشیخی کی محفل میں اسکے اور اسکے اکابر کے قصے قرآن و حدیث

اور علم دینی کے عوض میں مذکور ہوا کرتا ہے ۔ یہ سب جھوٹے کی علامتیں ہیں ۔ اور بھی بہت ہیں ۔ مگر نمونہ مشتے از خروارے ۔ قال اللہ

تعالی وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَھُمْ عَنْ دُعَائِھِمْ غَافِلُوْنَ ۔ اور فرمایا

میں اور کون گمراہ ہوگا اس شخص سے زیادہ کہ پکارتا ہے سوائے اللہ کے ان لوگوں کو کہ قبول نہیں کرتے اسکی بات قیامت کے دن تک اور وہ ان کے پکارنے

سے غافل ہیں ۔ علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَا یَسْتَجِیْبُ لَہٗ

سل جاتی ہیں اور ان ہاتھوں میں بڑی تیزی سے تلیاں اپنی کھڑکی کی سلاخوں پر حرکت کرنے لگتی ہیں۔ جیسے میں بھی کبھی ان سلاخوں کو توڑ سکوں گا۔

یہاں پانی کی سخت قلت ہے۔ جب میں پہاڑوں کو دھرتی کی چھاتیاں کہتا ہوں، جن سے کبھی جوان چھاتیاں ان سے دھرتی اپنے بچوں کو دودھ پلاتی تھی۔ مگر اب یہاں کے خشک اور جھلسے ہوئے پہاڑ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چھاتیوں میں دودھ بالکل سوکھ چکا ہے۔ اب ان کو نچوڑنے سے دودھ تو کیا خون کی بوند بھی نہیں نکل سکتی۔ شاید یہاں کی دھرتی وقت سے پہلے اپنی جوانی کھو چکی ہے۔ شاید وہ اب بوڑھی ہو رہی ہے۔ شاید اس نے زخموں کے راستے اپنا سارا خون نچوڑ کر پھینک دیا ہے۔ اب تھوڑی دیر میں وہ ایک لاش کی طرح ساکت و جامد ہو جائے گی ——

قصبے سے کافی دور دو کنوئیں ہیں جہاں سے پینے کے لئے پانی لایا جاتا ہے۔ کنوئیں کی منڈیر پہ کھڑے ہو کر اگر اندر جھانکا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے ہم کسی لمبی اندھیری سرنگ میں جھانک رہے ہیں۔ جس کے آخری کونے میں ننھا سا دیا روشن ہے۔ یہ ننھا سا دیا ہی اندھیرے میں چھپی ہوئی دھرتی دوشیزہ کی سی چمک ہے جسے اپنی دیکھتے ہے اپنے اپنے گھروں کے چراغ روشن کرنے کے لئے ہر شام عورتیں یہاں آتی ہیں —— میں سوچتا ہوں کیا یہاں کی عورتوں کا سب سے بڑا کام پانی بھرنا ہی ہے۔ دو دو تین تین گھڑے سروں پر اٹھائے جب جوان، ادھیڑ اور کئی کئی چند بوڑھی عورتیں تا نبے کا ٹپتی کنوئیں سے قصبے کی طرف گھسٹنے لگتی ہیں تو میرا دل لرز جاتا ہے۔ شام کو اکثر سیر کے لئے اسی طرف نکل جاتا ہوں، کنوئیں کے گرد عورتوں کا بے پناہ ہجوم اکٹھا ہوتا ہے۔ سو سو گز لمبی ڈوری سے بندھے ہوئے ڈول تھوڑی دیر کے لئے کنوئیں کی گہرائی میں گم ہو جاتے ہیں اور یہ عورتیں انہیں باہر کھینچ کر اپنے اپنے گھڑے بھرتی ہیں۔ بیچاریوں کا انگ انگ دکھنے لگ جاتا ہے۔ اپنے ڈھور ڈنگر کو بھی انہیں کنوؤں سے پانی پلاتی ہیں۔ غریب عورتیں، انہیں ان میں کئی کئی بار جھلسی ہوئی دھوپ میں کنوؤں پر پانی بھرنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ اتنی مشقت کے بعد بھی ان میں سے بھی جو کر بھی رہتی

ہوگی! کیا جذبات کے اظہار سے انہیں زندہ سمجھا جا سکتا ہے؟ کیا انسانیت مجموعی طور پر نڈھال نہیں ہو چکی یہاں؟ —— یہ ہجوم جیسا شام کے دھندلکے میں آہستہ آہستہ گھٹنے لگتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بیسیوں گدھ ایک ادھ مرے مسافر کی موت کے انتظار میں دن بھر اس کے گرد بیٹھے رہے اور آخر مایوس ہو کر اپنے اپنے گھونسلوں میں رات گزارنے چلے گئے ہیں اور صبح ہوتے ہی پھر منڈلاتے ہوئے یہاں چلے آئیں گے۔

یہاں کے رہنے والے ثابت پتھر کی فطرت کے انسان ہیں۔ ان کے دل میں ہمدردی کی ہلکی سی رمق نہیں۔ چاہے ان کے سامنے کوئی آدمی تڑپ کر مر رہا ہو لیکن وہ پاس سے یوں خاموش اور مطمئن گزر جاتے ہیں جیسے کوئی چیونٹی اپنی قدرتی موت مر رہی ہو۔ آخر ہر چیونٹی پاؤں تلے کچلی جائے گی۔ اس کی فنا پر افسوس کا ہے کا —— کسی کے گھر کو آگ لگ جائے تو اس کے ہمسائے تالیاں بجاتے ہیں جیسے آگ کے شعلے انہیں کندن بنا کر رہے ہوں —— یہ یہاں کتنا شیاں جل جاتی ہیں —— کتنی کم قیمت ہے انسان کی اس ماحول میں! قصبے کے قریب ایک بہت بڑا قبرستان ہے جسے دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ یہاں مُردوں کی تعداد زندوں سے کہیں زیادہ ہے اور جو زندہ ہیں ان میں بھی زندگی کی کوئی ہلچل، کوئی حرکت، کوئی روانی نہیں۔ سُونے سے بازار میں گنتی کی چند دکانیں ہیں جہاں سے گزرتے ہوئے لوگ یوں دکھائی دیتے ہیں۔ جیسے وہ کسی کو قبرستان میں دفنا کر واپس آ رہے ہوں —— مجھے تو یہاں کے لوگ اردگرد کے چٹخے ہوئے پہاڑوں سے لڑھکے ہوئے پتھر معلوم ہوتے ہیں۔ پتھر جو صرف ٹھوکر بن کر راستے میں پڑے رہتے ہیں اور ہر راہی کو گرا کے زخمی کر دیتے ہیں۔ پتھر جو کسی مسافر کے لئے بھی سنگِ میل کا کام نہیں دیتے —— مجھے یہاں کے کسی بھی انسان سے مل کر خوشی نہیں ہوتی۔ —— یہ خطۂ دھرتی کے جسم کا ایک ناکارہ اور گلا سڑا حصہ ہے۔ جسے وہ کاٹ کر پھینک بھی نہیں سکتی اور یہی اس کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔

کتنا اچھا تھا وہ ماحول جس سے میں پوری طرح لطف اندوز

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس لیے فقہا نے اس کو پسند نہیں رکھا۔ اور ادب سے وہ دعا ہا مولانا روم مثنوی شریف میں کیا خوب فرمایا ہے ع این نباشد جز کہ اصحاب ضلال

کہ بنی ہنیذ قرآن نہ فال۔ عزیز و قرآن مجید عقیدہ اور عمل سکھانے آیا ہے علماء نے فال میں اسکو فالنامہ بنا رکھا ہے۔ اور حافظوں نے قبروں پر پڑھنا مقرر

کیا ہے۔ اس میں قرآن کی عظمت و شان کو نقصان ہوتا ہے۔ اگر اگلے فقہا ان کے حافظوں کے قبروں پر قرآن پڑھنے کو اور قرآن منحوس جگہ

اور شادیوں میں اس کے ختم کو بدفالی سمجھنے کو دیکھتے ہوتے تو شاید ایسے پڑھنے والوں کو تعزیر کا حکم لکھتے ہوتے۔ اور ان بدشگون سمجھنے والوں کو

مرتد کہا کرتے۔ فال غیرہ کا حال تو معلوم ہو چکا ہے ف ۱۱۰ کیونکہ غیبی چیزوں کی وجہ میں غلطی کبھی نہیں ہوتی۔ سو وہ اُن کے قابو میں نہیں۔ اللہ صاحب جو اب ۱۱۰ ف

جانتا ہے سو بتا دیتا ہے۔ انکی خواہش کچھ نہیں چلتی ہے ع مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ۔ غرض اللہ کے سوا کوئی کچھ آئندہ کی

بات اپنے اختیار سے نہیں جان سکتا۔ یہ رد ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنی اختیار سے ہر غیبی بات کو جان لیتے ہیں جو

مصنف نے ان کے عقیدوں کے رد میں قرآن کی آیتیں لائیں اور ان پانچ چیزوں کو ذکر کیا۔ حضور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پھر اگر کوئی صدق

کہتا۔ کہ حضرات انکو بھی اپنے اختیار سے جانتے ہیں۔ تو گویا قرآن کی آیت کا انکار کیا ہے تو کفر ہے سو اگر یہ کہے کہ ان پانچ چیزوں کے سوا اور غیبی

چیزوں کو اپنے اختیار سے جان لیتے ہیں تو ہم اس کا جواب دیں۔ کہ اللہ نے تو فرمایا ہے کہ مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا یعنی

کوئی نہیں جانتا۔ کہ کل کیا کرے گا۔ یہ بات سب کو شامل ہے جیسے کہ آپ سے آئندہ کیا صادر ہو گا۔ سو معلوم نہیں ہوتا غیب کے پانچ سو کیا معلوم

بلکہ بالطریق اولیٰ معلوم نہ ہووے۔ مگر یہ کہ خداوند تعالیٰ جتنا معلوم کرا دے۔ اتنا معلوم ہو سکے۔ لیکن یہ کہاں سے کہو

[illegible] ٦٠١

[illegible]

[illegible]

[illegible] ٧٠١

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر تعبیر کے قاعدے سے کبھی رویائے صادقہ ہوا کرتا ہے - جوں کا توں ہی ظہور میں آتا - اور کبھی اوس میں تعبیر کی حاجت ہوتی ہے

اور اس کے موافق ظاہر ہوتا ہے - اور اکثر اضغاث احلام ہے - یعنی خواب ہائے پریشاں - جسکو خواب خیال کہتے ہیں - سو کچھ بھی اسکی تاثیر نہیں ہوتی

غرض یہاں استخارہ کے عمل کی کچھ حاجت نہیں - اکثر خوابوں میں اچھی باتیں خداوند تعالی دکھلایا کرتا ہے - چنانچہ کوئی اس کا منکر نہیں ہو سکتا مگر

حدیث شریف میں جو استخارہ آیا ہے - سو وہ کچھ غیب کے معلوم کرنے کے واسطے نہیں بلکہ طلب امداد الہی سے کسی کام کی اجازت اور بھلائی

مانگنی ہے - دو رکعت نماز اسکے واسطے مثل نفلوں کے سنت باندھے اور پہلی رکعت میں الحمد اور سورہ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری رکعت میں

الحمد اور سورہ اخلاص پڑھ کے سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا مانگے - کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ وَبِقُدْرَتِکَ

وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ - فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ - اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ

تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ

بَارِکْ لِیْ فِیْهِ - اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ عَاجِلِ

اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ - اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

یا اللہ میں بھلائی مانگتا ہوں تیرے علم کے باعث اور قدرت چاہتا ہوں تیری قدرت کے سبب اور تجھ سے تیرا بڑا فضل چاہتا ہوں - کیونکہ

واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ معاد ماسوا اقبل پر مخفی نہیں۔ اور قرآن و حدیث میں بھی یہ صفت تشابہ آئی ہے۔ ف پھر اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ جو کوئی ۱۰۶

یہ دعویٰ کرے کہ میرے پاس ایسا کچھ علم ہے۔ کہ جب میں چاہوں اس سے غیب کی بات معلوم کرلوں۔ اور آئندہ کی باتوں کا معلوم کرنا میرے قابو میں ہے

سو بڑا جھوٹا ہے۔ کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ ف کیونکہ علم غیب الوہیت کا لازم ذاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ قُلْ لَا يَعْلَمُ

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ یعنی کہدے نہیں جانتا جو کوئی آسمان اور زمینوں میں ہے غیب کو مگر اللہ سے پھر جو کوئی

اور سب نہ ایسے لازم ذاتی کا دعویٰ کرتا ہے۔ سو خدائی کا ادعا کرتا ہے۔ اور جو کوئی کسی نبی ولی اور جن فرشتے کو یا امام امام زادے کو

یا پیر و شہید کو یا نجومی رمال فال کو یا فال دیکھنے والے کو یا برہمن اشی کو یا بھوت پری کو ایسا جانے۔ اور ان کے حق میں یہ عقیدہ رکھے۔ وہ مشرک ہے [illegible]

اور ان آیتوں سے منکر اور یہ جو وسواس گذرتا ہے۔ کہ بعضے وقت کوئی نجومی یا رمال یا برہمن یا سگونی کچھ بات کہدیتا ہے۔ اور وہ اسی طرح ہو جاتی ہے

تو اس سے اسکی غیب دانی ثابت ہو جاتی ہے۔ سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ سب باتیں انکی غلط بھی ہوتی ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ علم غیب ان کے

اختیار میں نہیں۔ انکی اٹکل کبھی درست ہوتی ہے۔ کبھی غلط۔ اور یہی حال ہے استخارے کا اور کشف کا اور قرآن مجید کی فال کا۔ ف نشان معلوم کیجئے ۱۰۷ ۱۰۹ فائدہ

کہ استخارہ عرف میں اسکو کہتے ہیں۔ کہ ابھی فلانی اور ابھی مشائخوں کی نکالی ہوئی رسموں کو کرکے اور منتروں کو پڑھکے سو رہنے سے غیب کی

بات میں نظر آنیکا خیال میں رکھیں۔ مثل مشہور کے موافق۔ جو من میں بسے سو سپنے دیسے۔ وہ بات خواب میں دکھلائی دیتی ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

واسطے مصنف نے یہ بیان کیا ہے - جو کہ نامنکر بے ایمان اسکی تکفیر کرتے ہیں - اور جن کو احمق بیت یا کفر کر دیکھا سب سیتے - کہ جن والے اشتباخ جن کو غیب جاننے والے

سمجھا کرتے ہیں - اس زمانے میں انکی بہتایت بہت ہے - لیکن جو کتب پرست ہیں لوگ جو انکو بالکل غیب دان سمجھتے سو اس زمانے میں کم ہیں - اس بات کو اکثر لوگ ہی اندر

سمجھا - اور بعضی لوگ صاحب جانتے ہیں - کہ امام کو علم غیب ہو نہیں عدہ تو ادراک ہی نہیں - اور ان کے ملن جہاں امام زادوں کے واسطے بھی علم غیب ثابت کرتے ہیں -

اس واسطے ان کا ذکر کرنا ضرور پڑا - وہی لوگ منسوب کیا مسلمان بہت ہیں کہ بالکل غیب دان سمجھا کرتے ہیں حضور سرور جہاں والی ہوتیں اس واسطے ان

کا مذکور کرنا بھی لازم تھا - حاصل یہ کہ سوائے خدا کے کوئی غیب دان نہیں - اب غیب کے معنی بھی سمجھو کہ نسبت اسکی ہوئی خبر جیسی ہوتی ہے جیسے کام کو عام کرنے ف ١٤١

ہیں - پھر جو ہمکو نظر نہ آئے نہ سنا جائے - یا سونگھا جائے - یا نہ چکھنے میں آئے - نہ چھونے میں آوے - یا نہ سمجھنے میں آوے یا نہ بوجھتے ہیں - یا نہ عقل میں

سو وہم پر غیب ہے - اور جو اندھے پر غیب ہے - سو وہ دیکھنے والے پر شہادت ہے - جو زکام والے پر غیب ہے سو ہر کوئی نکسر والے پر شہادت ہے - جو ہوش والوں پر غیب ہے

سو گنگے بہلوں پر شہادت ہے - جو سب ہمہ پر غیب ہے - سو ہمہ والے پر شہادت ہے - جو بے عقل پر غیب ہے سو عقل والے پر شہادت ہے - جو بے عقل پر غیب ہے

سو عقل والے پر شہادت ہے - لیکن ان کو غیب مطلق نہیں کہتے - اور نہ اس علم اللہ تعالیٰ کے معلوم کرانے سے جو صاحب معجزوں کو اور صاحب کرامتوں کو علم ہو

ہم پر غیب ہے - اور انہیں پر شہادت - پھر انکو غیب دان نہیں کہتے - اور یہی حال ہے - کہ جنوں کے دیکھنے کی قوت اور سننے کی قوت اور بوجھنے کی انکا علم

کے سبب تیز ہے - اکثر آدمیوں کی نسبت کرتے اس واسطے سے غیب کی باتیں آدمی سے بڑھکر دیکھتے ہیں تو بے وجہ جانتے ہیں سو اتنے ...

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ - فرمایا اللہ تعالی نے سورہ انعام میں کہ اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا
انکو کوئی مگر وہی - ف یعنی جس طرح اللہ صاحب نے بندوں کے واسطے ظاہر کی چیزوں کے دریافت کرنیکو اسباب بنادیے ہیں جیسے آنکھ دیکھنے کو کان
سننے کو - ناک سونگھنے کو - زبان چکھنے کو ہاتھ ٹٹولنے کو - عقل سمجھنے کو - پاؤں چلنے کو - اور یہ اسباب انکے اختیار میں خوشی میں دیے ہیں کہ
اپنی خواہش کے موافق ان سے کام لیتے ہیں - جیسے جب کچھ دیکھنے کو دل چاہا - تو آنکھیں کھول دیں نہ چاہا تو بند کرلیں جس چیز کا مزہ دریافت کرنیکو
ارادہ ہوا منہ میں ڈال لیا - نہ ارادہ ہوا نہ ڈالا - سو گویا کہ ان چیزوں کی کنجیاں انکو دیں ہیں - پس جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے - قفل اسی کے اختیار
میں ہوتا ہے - جب چاہے کھولے جب چاہے نہ کھولے - اسی طرح ظاہر کی چیزوں کا دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے - غیب یعنی اختیار
چیزوں میں آنا فانا اللہ تعالی کے دیا کرنے نہیں سمجھا کہتا ہے - کہ بندے کے اختیار میں ہے - جب چاہیں کرلیں - سو اس طرح غیب کا دریافت
کرنا اپنے اختیار میں ہو جب چاہے کر لیجئے - یہ اللہ کی ہی شان ہے - کسی نبی ولی جن فرشتہ پیر شہید کو امام امام زادہ کو بھوت
و پری کو دیا ہے - یہ بے ادبی ہے - اس کے جواب میں بہت ہیں - انہیں ایک مختصر یہ ہے - کہ معظم خیالوں کو اس نے اول ذکر کیا
یہ دلالت کرتا ہے - اس کے پاس ادب پر - اور ان خیالوں کو یہاں ذکر کرنیکا سبب یہ تھا - کہ گو بہت ان سب حضرتوں کو غیب
جاننے والے ٹھہراتے ہیں - اور فقہا ان خیالوں کو بھی غیب دان سمجھنے کو کفر کہا کرتے ہیں - پھر ان گور پرستوں کے ایمان بچانے کے

بھی نہ ہو سکا ۔۔۔ نہر کے کنارے چلتے چلتے ہم اکثر افق پر کھلی ہوئی شفق کی بہار کو دیکھ کر ایک عجیب سی مسرت محسوس کرتے تھے۔ ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں میں چمکتے ہوئے [illegible] کی سرخی نہیں بلکہ ہماری آرزوؤں کے کھلے ہوئے پھولوں کی چمک تھی ۔۔۔ کتنی دور افق وہاں! یوں محسوس ہوتا تھا جیسے زمین اور آسمان کہیں ملتے ہی نہیں، جیسے توقعات کی حدیں ہی نہیں، جیسے تصورات کے نازک جالے ہیں ہی کہ انسان ہارتا ہی نہیں، جیسے تخیل کہکشاں کی طرح بلند تر اور شفاف ہے۔ اور میں اکثر کہا کرتا تھا کہ ارتقا کے لئے یہاں کتنا وسیع دائرہ بخشا ہے۔ ہمیں خدا نے ہم ارتقا کی آخری منزل پر پہنچ کر ستاروں کو چھو سکتے ہیں، یہ مقاصد کتنی بلندی اور اعتماد تھا ۔۔۔ اور یہاں چند سو گز کے فاصلے پر ہر طرف [illegible] جھکے ہیں کہ آسمان کی چھاتی میں پیوست ہو رہے ہیں، آسمان گھائل ہو رہا ہے، ڈوبتے ہوئے سورج کی سرخی شفق کی سرخی نہیں، آسمان کی چھاتی سے بہتا ہوا خون ہے۔ جو ان خنجروں سے بہہ رہا ہے جنہیں تیز تیز [illegible] نے اس کے جسم میں پیدا کر دیے ہیں ۔۔۔ افق تو کہیں نظر ہی نہیں آتا جہاں اس جگہ انسان کی توقعات مخصوص حدود کے اندر ہی پنپ سکتی ہیں۔ تصورات کے باریک جالے چٹانوں کی تیز دھاروں میں الجھ کر ٹوٹ جاتے ہیں، تخیل کے خوبصورت معصوم پنچھی ان دیواروں کو پار کر کے دھرتی کے ہر حصے کو اپنی راگنیوں سے جنت نہیں بنا سکتے اور یہاں اُن کا گانا قفس میں بند پرندے کا گانا بن چکا ہے جو گانے سے زیادہ فریاد ہوتی ہے ۔۔۔ رات بھر سامنے والے پہاڑ کی چوٹی کے قریب ایک تارہ یاس بھری نظروں سے مجھے تکتا رہتا ہے اور مجھے احساس ہوتا ہے کہ وہ چمکتا ہوا تارا میرا ماضی ہے جو اب دور سے روشنی کی ہلکی سی شعاع دکھا کر مجھے ترساتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اُس تارے کے قریب پہنچ جاؤں۔ لیکن اُس تارے کا پہاڑ کی چوٹی کے قریب نظر آنا تو محض ایک دھوکا ہے، پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ بھی جاؤں تو میں اُس تارے کو نہیں پا سکوں گا، وہ تو پہلے سے بھی زیادہ دوری پر چلا جائے گا ۔۔۔ تو ماضی کو اپنے قابو میں کیسے لایا جا سکتا ہے؟ کاش میرا ماضی فقط چند لمحوں کے لئے میرے نزدیک آ سکے!

ماحول کی اس کرختگی سے گھبرا کر میری تھکی ہوئی مایوس نگاہیں غیر ارادی طور پر سامنے والے چوبارے کی طرف اٹھ جاتی ہیں، جن میں مجھے ایک ان جانی خنکی کا احساس ہوتا ہے وہاں پہنچ کر میرے تخیل کی گھٹن کچھ گھٹ جاتی ہے ۔۔۔ کھڑکی کی سلاخوں میں سے جھانکتا ہوا چہرہ اب جانے کیوں روشن ہو رہا ہے۔ اُن نگاہوں میں ایک ان بوجھی چمک دکھائی دیتی ہے اس چمک میں ایک دعوت ہے ۔۔۔ ایک اجنبی عورت ایک اجنبی مرد کو بلاتی ہے۔ یہ جنسی بلاوا ازلی ہے، آدم و حوا کے وقت سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے ۔۔۔ اُس کے کالے کالے بالوں میں کھلی سے میٹھی میٹھی باس آ رہی ہے، وہ باس ایک تحفہ ہے جو ایک محبوب اپنے چاہنے والے کو دے سکتا ہے ۔۔۔ اُن گوری گوری ہتھیلیوں میں اب حنا کی ہلکی سی تحریر نظر آتی ہے۔ اور وہ انگلیاں اب لوہے کی سلاخوں پر زخمی پرندے کی طرح تڑپتی نہیں اُن کو مضبوطی سے جکڑتی ہیں، ان کی گرفت ہر لحظہ مضبوط ہوتی چلی جا رہی ہے ۔۔۔ لیکن میری کھڑکی میں لگی ہوئی سلاخیں جانے کیوں؟ ۔۔۔ زیادہ موٹی ہو گئی ہیں، میرے ہاتھ اُن کو پکڑتے وقت کانپ جاتے ہیں اور میرا دل یونہی کسی مبہم سے خوف سے بیٹھنے لگتا ہے ۔۔۔ [illegible] پرسوں میری [illegible] پیر کی قبر پر چراغ جلانے گئی تھی۔ پرسوں جمعرات تھی نا، اب وہ جانے کیوں ہر جمعرات وہاں چراغ جلایا کرتی ہے ۔۔۔ اُسکی ماں اب خوش ہے اُسکی بیٹی اُس کے بیٹے کے لئے دعائیں کر رہی ہے [illegible] لیکن اُسکی بے نور آنکھیں شاید اپنے سامنے والے مکان کی کھڑکی کی طرف کبھی نہیں اٹھیں جو کچھ دنوں سے کرایہ پر چڑھ گیا ہے ۔۔۔ میں آج صبح سے سوچ رہا ہوں کہ اگر دعاؤں اور سجدوں سے جنگ کی توپوں اور تلواروں کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تو کیا ان [illegible] کی تعلیم [illegible] ذہنی سلاخوں کو توڑا جا سکتا ہے اور کیا ایک کمزور [illegible] انسان میں بغاوت کرنے کی جرأت پیدا کی جا سکتی ہے؟

اپنے اور خدا کے درمیانے - دوسرا تقوی کرنا اپنے اور خلق کے درمیان - تیسرا تقوی اور پھر یہ بھی کہا کہ تقوی حراموں کو چھوڑنا ہے عذاب کے بچنے کیواسطے - اور شبہات کو چھوڑنا حرام میں پڑنے سے بچنے کے واسطے - اور کبھی مباحوں سے بچنا آپ کو حفظ کرنے کے واسطے تاکہ کہیں اسکا نفس کی نجاست میں گرفتار نہو - پھر جب آدمی اپنے اور آدمیوں کے درمیانے جو معاملے ہیں انمیں تقوی کرے اور رذیلے کاموں سے آپکو بچا رکھے - تو اسکو ظاہر میں متقی کہینگے - اگرچہ اس باطن میں دونوں طرح کا تقوی کرے جو آدمی کو اپنی جان کے ساتھ چاہیے - یا خدا کے ساتھ ہو - وہ نکرے اور باطن کا متقی نہ ہو بلکہ دل کا چور اور باطن کا فاسق یا مشرک ہو تو بھی ظاہر والے اسکو ظاہر متقی کہینگے - چنانچہ شیخ سعدی نے کہا ہے ع ہر کرا جامہ پارسا بینی پارسادان و نیک مرد انگار اس صورت میں تقوی یا فسق یا شرک باطنی سے جمع ہو سکتا ہے - اگر کوئی ویسے کو فاسق متقی یا مشرک کہا تو اس پر کچھ اعتراض وارد نہیں ہوتا - اس واسطے فاسق موحد ہزار درجے بہتر ہے - متقی مشرک سے اور مدبر یعنی تقصیروار ہزار درجہ بہتر ہے بانی خودنمائی کہ یہ اپنی تقصیر پر شرمندہ ہے - اور وہ فریب پر مغرور -

دوسری فصل اشتراک فی العلم کے بیان میں

یعنی اس فصل میں ان آیتوں و حدیثوں کا ذکر ہے جن سے اشتراک فی العلم کی برائی ثابت ہوتی ہے - قال اللہ تعالیٰ ف ١٠٣

کہ ظاہری تقوی جدا ہے اور باطنی تقوی جدا جیسا فرمایا۔ کہ فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ یعنی مقرر یہ دلوں کے تقوی کی
قسم سے ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ تقوی ظاہری فسق و شرک باطنی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بہت بدعقیدہ لوگ ظاہر میں متقی
نظر آتے ہیں۔ اور باطن میں شاہد پرست اور ہوا پرست اور ضد پرست اور نشہ پرست رہتے " اور اسی طرح جائز ہے۔ کہ بعض تقوی باطنی
بعض فسق کے ساتھ جمع ہوئے جیسا مومن فاسق کے ساتھ خیال میں نظر آتا ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ متقی مکثر گناہ ہونا دونوں کا
جمع نہیں۔ نہ عقلاً نہ شرعاً نہ عرفاً۔ پھر اس پر اعتراض کرنا یا حسد سے ہوگا۔ یا کچھ نہیں ہے۔ اسکے سوائے شرک پسند لوگ اپنی
جماعت کے متقی نماؤں کو پرہیزگار کہا کرتے ہیں۔ پھر مصنف نے ان کے عرف کے موافق انکے متقیوں کو متقی مکثر کہا ہوگا۔
کونسی قباحت لازم آئی۔ ف ـــ چنانچہ یہود اپنے علما کو ربانیون کہا کرتے تھے حالانکہ علما ربانی خداشناس ف ١٠٠
اور کفر و شرک و فسق سے پاک ہوا کرتے ہیں۔ انکے علما تو ایسے نہ تھے۔ باوجود اس کے اللہ نے انکے عرف موافق فرمایا ہے
کہ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
یعنی کیوں نہیں منع کرتے انکو ربانی لوگ اور علما انکے گناہ کی بات کہنے سے اور ان کے حرام کھانے سے البتہ برا کرتے ہیں
ف ـــ اور تقوی کا مذکور بیضاوی میں ہے۔ سو اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ تقوی کرنے کے تین مرتبے ہیں۔ ایک تقوی کرنا ف ١٠١

تو اسی کے حکم سے کہ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ - یعنی شفاعت نہ کرینگے - مگر اسکی جسکے لئے رحمٰن نے حکم دیا - ھ سو جبتک

بات خوب ولیں ثابت ہو جاوے - پھر جتنے گناہ اس سے ہونگے - لغزش کی راہ سے ہونگے - یا بھول چوک کر - اور ان گناہوں کا ڈر اسکے

دل پر گھر رہا ہوگا - ش - یعنی اس کے دل کے آس پاس لپٹا ہوا رہیگا - اور ان سے السا بیزار ہوگا اور شرمندہ کہ اپنی حالت سے گنہگار ہوگا

اور ایسے آدمی پر اللہ کی رحمت بہت آتی ہے - سو جوں جوں اس سے گناہ ہونگے - اس کے موافق اسکی ندامت بڑھیگی - اسی قدر اللہ کی رحمت بھی

بڑھیگی - سو یہ سمجھ لیا چاہیے - جسکی توحید کامل ہے - اسکا گناہ وہ کام کرتا ہے - اور اوروں کی عبادت وہ کام نہیں کر سکتی

ش - چنانچہ شیخ سعدی نے کہا - خوب کہا ہے ھ ہر کہ در سایہ عنایت اوست ،، گنہش طاعت است و دشمن دوست ،،

اور یہ فاسق موحد ہزار درجہ بہتر ہے متقی و مشرک سے - ش - اصل الفاظ - جو مشرک ہو سو متقی نہیں ہو سکتا - اور جو متقی ہو سو مشرک نہیں

ہو سکتا - پھر متقی مشرک کا کیا معنی - جواب - ق - ہم کہتے ہیں کہ متقی کا معنی لغت سے آپ کو بچا رکھنے والا ہے - اور محاورہ عرفی ف ۹۹

میں عمومی برائیوں سے بچنے والا اگرچہ باطنی رذائل سے نہ بچتا ہووے - چنانچہ عرف میں کہتے ہیں - کہ فلانا [illegible] میں بڑا متقی ہے

اور فلانا متقی رہا کرتا ہے - لیکن اصطلاح شرعی میں ظاہر و باطن کے پرہیزگار کو متقی کہا کرتے ہیں - اب ہم کہتے ہیں - کہ یہاں تین

کی عبادت محاورہ عرفی کے موجب واقع ہوئی ہے - پھر محاورہ عرفی پر اعتراض کرنا نادانی ہے - اسکے سوائے قرآن کریم میں مذموم ہوئے ہے

کسی شاعر نے کیا خوب باندھا ہے ؎ گر گوہر طاعت نہ سفتم ہرگز - ور گرد گنہ ز رخ نہ رفتم ہرگز + نومید نیم ز بارگاہ کرمت
زیرا کہ یکے را دو نگفتم ہرگز - اور یہ نہ سمجھے - کہ یہ بات توحید والوں کو گناہ کرنیکی رخصت دینے کے واسطے ہے - بلکہ توحید کی خاصیت کو سمجھے
کیونکہ جو توحید والا ہوگا سو یقین جانیگا کہ خدا ہی گناہ بخشنے والا ہے - اور وہی گناہ پر عذاب کرنے والا - اور وہ بے پروا خداوند ہے کسی کا
حق واجب نہیں - کوئی اسکو روکنے والا نہیں سب نبی ولی اسکی قدرت اور قوت کے آگے عاجز ہیں - اسپر کسی کا دعوی نہیں - جب یہ بات
توحید کے قاعدے سے اسکے دل پر نقش ہو جاے - تو اس کو گناہ کرنیکی جرأت کہاں باقی رہی - اگر توحید کے کہنے پر گناہ کیا کرے وہ توحید کا اسکا
مگر تقدیر سے چارہ نہیں - اس واسطے اگر مقدر کا مارا گناہ کرے تو اسکی مغفرت کی امید ہے - چنانچہ مصنف نے بھی اس بات کا لحاظ رکھا تھا
اور کہا کہ میری یہی حق ہے - اس نے جب شرک سے آدمی پر ایک ہوا - کہ یکو الله کے سوا ہی مالک سمجھے اور اس کے سوا کہیں بھاگنے
کی جگہ جانے - مثل کہ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اور یہ کہ اس کے دل میں خوب
ثابت ہوئی - کہ الله کے تقصیروار کو اس سے بھاگ کر کہیں پناہ نہیں - مثل وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ۝ اور اسکی مقابل
کسی زور آور کا زور نہیں چل سکتا - مثل کہ اِنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ اور اس کے دربار میں کسی کی حمایت نہیں چلتی اور کوئی
کسی کی سفارش اپنے اختیار سے نہیں کر سکتا - کہ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ بلکہ جو کوئی کرتا سو

مقصود اس تمثیل سے یہ ہے۔ کہ بادشاہ کا غلام اپنے برآمد مقاصد کے واسطے فی الحقیقت کسی سے ملتجی نہیں ہوتا۔ لیکن قانون بادشاہی کے موافق
جس سے جو کام متعلق رکھتا ہے۔ اسی قاعدے کے موافق اسی کارخانہ والے سے اس کے کام بنتے ہیں۔ برخلاف میاں بادشاہ سے کام کھانا بادشاہ سے
مانگنے کا مقصد کسی امیر وزیر سے مانگنا بادشاہی قاعدے کے خلاف سمجھتا ہے۔ اگرچہ بکاول سے کھانا منگواتا اور توشکخانے سے لباس اور قورچی سے ہتھیار
اور ہودہ وزرا کفش موزے سے موزے تحویل اور خاکروب سے آنگن اور طہارت خانے کی صفائی کرواتا۔ پران سب التجا اور بلائی نہیں گنا ہے۔ اَخرَجَ الترمذی
عَن انس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ قال اللہ تبارک وتعالیٰ ابن آدم لو لقیتنی بقراب الارض خطایا
ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابہا مغفرۃ ۔ مشکوٰۃ کے باب الاستغفار میں لکھا ہے۔ کہ ذکر کیا ترمذی نے
کہ انس نے نقل کیا۔ کہ حضرت نے کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ اے آدم کے بیٹے اگر بالفرض تو مجھ سے ملے۔ دنیا بھر گناہ لیکر مجھ سے ملے تو مجھ سے
نہ شریک سمجھتا ہو میرا کسی کو۔ تو مستحق البتہ میں تیرے پاس بخشش اسی دنیا بھر۔ یعنی اس دنیا میں سب گنہگار ملکر گناہ کئے ہیں
فرعون بھی اسی دنیا میں تھا۔ اور ہامان بھی اس دنیا میں۔ بلکہ شیطان بھی اسی میں۔ پھر یوں سمجھئے۔ کہ جتنے گناہ ان سب گنہگاروں سے ہوئے ہیں
سو ایک آدمی بھی وہ سب کر گزرے۔ لیکن شرک سے پاک ہو۔ تو جتنے اس کے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ ہی اس قدر بخشش کریگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ
توحید کی برکت سے سب گناہ بخشے جاتے ہیں جیسے کہ شرک کی شامت سے سب اچھے کام ناکارے ہو جاتے ہیں۔ ف۔ اس مضمون کی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فرض کیا کہ مقدس روحیں حاضر و ناظر ہی ہوویں۔ پھر رسول نے کہاں تمہیں فرمایا ہے۔ کہ وے حاضر ناظر ہیں۔ تم انسے کار بار پوچھو۔ بھلا ان
مقدس ارواح سے تم سبق کیوں نہیں پڑھتے۔ کیونکہ وے حضرات تو دنیا میں علم کی کھان تھے۔ اب تو کیا ہو چھپے۔ نور علی نور۔ پھر تم ان سے
سے الف وبے کا جز تو پڑھو۔ الحمد وغیرہ جلدی بات ہے۔ عجب ہے۔ کہ کوئی دینی مسئلہ ان حضرتوں سے نہیں پوچھتے۔ باوجودیکہ انکو حاضر
ناظر سمجھتے ہیں۔ اور دین کے مسئلہ بتلانا ان کا اصل کام ہے۔ پھر ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی شخص مسئلہ ان سے پوچھا ہو دنیا کے کاموں میں
ان حضرتوں کو دخل نہ تھا سو گمراہ لوگ جو کام ان سے مانگتے ہیں۔ تو دنیا ہی کا۔ پھر یہ خلاف قیاس اور غارت مومنوں ہے۔ اور کیسا وضع الشئ فی غیر محلہ ہے
یعنی احمق لوگ تو ایسے ہیں۔ کہ ان حضرتوں کو دیچ بتلاکے اپنی حاجت عرض کرتے جو مقصد بر نہ آئے۔ تو انکی جناب سے بد اعتقاد ہوئے
بلکہ برا کہتے۔ کیا یہ بے ایمانی ہو گی سوان بچاو۔ ملاں بچا سے دوسری۔ شق بات ہے۔ یہ کہ ہمارا رب خالق اللہ ہے اور اسی نے ہم کو پیدا کیا
ہے سنا دیں بس۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اُدْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؕ یعنی مجھے پکارو میں تمہاری پکار کو پہنچوں گا اور استفہام انکاری
سے فرمایا۔ کہ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ۔ اور استفہام تقریری سے فرمایا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ ؕ ان
سب ارشادوں کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ اللہ ہی کو پکارئیے۔ کہ وہ پکار کو پہنچنے والا اور دعا کو قبول کرنیوالا ہے اور اس بن کون کسی لاچار کی پکار کو پہنچے
والا اسکی تقصد بر لانیوالا کیا اللہ اپنے بندے کو بس نہیں۔ ہاں بس ہے۔ پھر اوروں کے پکارنے کی کیا حاجت ہی مگر ضلالت فاسد کا کچھ علاج نہیں

[illegible]

اس شبہ سے وہ چھوٹا کام ہرگز نہیں ہو سکتا - اور اللہ تیری بات میں شمع تمہاری راہ کو روشن کریگی - اگر پیر بلاؤ کے شمع اللہ کی روشنائی کا نور کو

تو وے بچارے کیا کرینگے - درزی کے آگے تھان ڈال دو - تمہاری مرضی کے موافق قطع تراش کر کے سی دیگا - اگر پیر بلاؤ کے مزار کے آگے

تھان ہمیشہ ڈال کر فرمائش کریں - تو وہ غریب کیا کرینگے - اسی طرح بعضے لوگ عمل آگئی سنگنے لگتے پیر بلاؤ کی قبر پاس بیٹھ کے ٹھنڈا

دفع کی التماس کریں - تو وہ غریب کیا کرینگے - اب تم ہی انصاف کرو - کہاں مشغل کہاں درزی - اور کہاں تمہارے پیر بلاؤ - پھر جو ان

چیزوں سے کام ہوتے ہیں سو ان مزاروں سے کام نہیں ہو سکتا - لیکن خدا تعالی نے ان چیزوں کو ان کاموں کے سبب گردانا ہے نہ پیر بلاؤ کو

اگر تم کو عقل ہے - تو یہ بات سمجھ - نہیں تو وہی بات ہے جو شیخ سعدی نے کہا ہے ۔ اگر صد باب حکمت پیش نادان - بخوانی آیدش بازیچه در گوش

ف ٩٥ اب کوئی یہ کہے کہ ہاں پیر بلاؤ اگرچہ ان کاموں کے سبب یقینی نہیں لیکن کبھی کرامت سے ایسے کام ہو جاتے ہیں - تو ممکن ہے اسباب کا ظہور بھی ہو جائے

سو پہلے کرامت کا معنی سمجھو - کہ کرامت کس کو کہتے - اور اس کا مقصود کیا ہے جو اس واسطے ہم کہتے ہیں کہ کرامت اللہ کا فعل ہے - کہ جو اپنی قدرت کے

کسی بات کی بزرگی جتلانے کے واسطے کبھی ظاہر کرتا ہے - نہ ہمیشہ کیونکہ اگر ہمیشہ رہے تو وہ عادت ہوئی نہ خرق عادت اور یہ بھی جاننا

کہ اللہ کی عادت توڑنے کو کسی بندے کی قدرت نہیں - اور مقصود کرامت کا ظاہر کرنے سے یہ ہوا کرتا ہے کہ لوگ اس ولی کی بات سنکے سمجھیں

سب اللہ کی طرف رجوع ہوویں - اور شریعت کی پابندی کریں - اور کرامت ظاہر ہوتی جب کہ وہ ہے کہ جہاں ولی دنیا طلبی نہ کرے

فارغ بخاری

تین غزلیں

(۱)

دے بھر کر جام پہ جام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
نظروں سے تارے اوجھل ہیں، مہتاب کی پلکیں بوجھل ہیں
وہ رنگ نہیں وہ جوش نہیں، محفل نا و نوش نہیں
آنکھوں میں نیند سمائی ہے انگڑائی پر انگڑائی ہے
وہ شمع بجھا ہی چاہتی ہے وہ صبح ہوا ہی چاہتی ہے
سب پیمانے ہیں گردش میں لا، آنکھوں سے لنڈھا ہونٹوں سے پلا
یہ وقت نہیں خاموشی کا، مدہوشی کا، سرگوشی کا

لا اور مئے گلفام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
کرنوں کا دامن تھام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
مستوں کو ہوا الہام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
اب کر مجھے اذنِ عام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
میخانے میں ہے کہرام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
رہ جائیں نہ تشنہ کام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
پیغام کوئی پیغام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے

رضا ہمدانی

(۲)

میرے شعور خرد کی خامی جنوں کے سانچے میں ڈھل رہی ہے
کہ تیرے ساغر کی تند موجوں میں پل رہا ہے شباب میرا
ادھر تقاضائے ترجمانی، ادھر امنگوں کی بے زبانی،
ہیں دونوں تقدیر کے معمے سوال تیرا جواب میرا
سنا رہی ہے قضا دیارِ عدم کی وحشت فزا کہانی
کہاں ہے ساقی ماہ طلعت کدھر ہے جام شراب میرا
میرے سوال فسردہ کو لاجواب تیور دکھانے والے
تری نگاہوں کی روشنی میں چمک رہا ہے جواب میرا
یہ میرے ادراک کی ہے خامی کہ تیرے احساس کا تسلسل
نہ چھو سکا تیرے دامنِ دل کو موجۂ التہاب میرا

خورشید انصاری

(۳)

رسوا ہوئی امید تمنا ہوئی بدنام
اے حسن تری چشم کرم پر ہیں یہ الزام
دھیمی ہوئی جاتی ہیں زمانے کی صدائیں
دل کو تری آنکھوں نے دیا ہے کوئی پیغام
دل خون سے خالی ہے لہو آنکھ سے باہر
یہ جام ہے بے بادہ تو وہ بادہ ہے بے جام
ایمائے نگاہِ غلط انداز ہو جس میں
سن اے دلِ بے حس وہ تڑپنا بھی ہے آرام
خورشید ترقی پہ ہے اب سوزِ محبت
ہر داغِ جگر ہے مرا خورشیدِ لب بام

اور گلستان میں بھی ہے ؎ منشین ترش از گردش ایام کہ صبر — گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد — اور قرآن مجید میں آیا ہے۔ کہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ

یعنی یہ امر خوشخبری دے صبر والوں کو — اور کھرے مومنوں کی تعریف میں آیا ہے — وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ

أُولٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ یعنی صبر والے سخت محتاجی میں — اور بیماری میں — اور لڑائی کی سختی میں

وہی لوگ سچے ہیں اور وہی لوگ پرہیزگار — اور إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ یعنی صابر لوگ ہی پوری

پاویں گے نیگ اپنے ان گنت — اور تو یہ بھی سمجھ لینا ہے — کہ صبر جو ہے چاروں فضیلت کا اصل ہے — ما برا صبرست علت نسبت

ہے أَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الذَّنْبِ أَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ قَالَ أَنْ تَدْعُوَ لِلّٰهِ نِدًّا

وَهُوَ خَلَقَكَ ۝ مشکوٰۃ کے باب الکبائر میں لکھا ہے — کہ بخاری و مسلم نے ذکر کیا — کہ ابن مسعود نے نقل کیا — کہ ایک شخص نے

کہا یا رسول اللہ — کونسا گناہ سب سے بڑا ہے — آنحضرت نے فرمایا — کہ یہ کہ پکارے تو کسیکو اللہ کی طرح کا ٹھہرا کر حالانکہ اسی نے

تجھکو پیدا کیا یعنی جب کہ اللہ کو سمجھتے ہیں — کہ وہ ہر جگہ حاضر اور ناظر ہے — اور سب کام اسی کے اختیار میں ہیں — یہ

ہر مشکل کے وقت یہی سمجھ کر اسکو پکارتے ہیں — سو کسی کو اس طرح کا سمجھ کر ہرگز نہ پکارا چاہئے منکر یہ سب بڑا گناہ ہے

اول تو یہ بات خود غلط ہے — کہ کسی کو حاجت پر ہر جگہ کی طاقت ہے — شرک ہے مگر نہ حقیقتاً معلوم — معلوم ایسا حقیقتوں میں ہے

بری الٰہی کی طرف سے ہے۔ کیا گلستان ہی نہیں پڑھی۔ اس میں کیا ہے ع گر گزندت رسد ز خلق مرنج ٭ کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج

گر چہ تیر از کمان ہمی گذرد ٭ از کماندار بیند اہل خرد ٭ بعض ہیں مقامات جابجا چھپے ہو گئے دیکھو اس میں کیا لکھا ہے۔ ع گر جہانیاں خواہند

کہ سر موئی ز جہاں کاہند ٭ گر نباشد چناں ارادتِ او ٭ نتواں کاستن سر یک مو ٭ ور بہ مقام آں آید ٭ کہ بر آں ذرہ بیفزایند ٭ ہے ارادت

او سو ٭ نتوانند ذرہ افزود ٭ اور اللہ نے فرمایا۔ وعلی اللہ فلیتوکل تکلوا ان کنتم مومنین ٭ اس واسطے مومن کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسا کرے

اور اپنی بات پر قائم رہے۔ یعنی توحید کے قول و قرار پر قائم رہے۔ چنانچہ آگے کی عبارت اس بات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ

محاورے میں بات قول و قرار اور عہد کو بھی بولتے ہیں۔ چنانچہ مثل مشہور ہے۔ مرد جاوے۔ بات نہ جاوے۔ اور یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ میرا دین جانتا ہے

اور چنانچہ اللہ جہت سے ظالم آدمیوں کو ڈھیل دے کر پکڑتا ہے۔ اور مظلوموں کو ان کے ہاتھ سے چھڑاتا ہے۔ اسی طرح ظالم جنوں کو

بھی اپنے وقت پر پکڑیگا۔ اور نیک آدمیوں کو انکی ایذا سے بچاویگا۔ شرح یہاں کوئی نہ کہے۔ کہ مصنف نے فقط شیطانی ایذا پر صبر کرنے

کی وصیت کی لازم تھا۔ کہ اسکی نیک جزا بھی ذکر کرتا۔ تا صبر کرنیوالے پر صبر کرنیکی مشقت آسان ہوتی۔ اور بلاغت اور واقعی کا تقاضا

ادا ہوتا۔ اس خیال کا جواب یہ ہے کہ صبر فرمانے ہی سے صبر کی بھلائی اور اس کا ثواب ہر واقفی اہل علم کے ذہن میں آ جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سب لوگوں

میں یہ بات مشہور ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی نے گلستاں میں فرمایا ہے ٭ صبوری برآرد مراد ولیت ٭ کہ از عاقلاں حل شود مشکلات

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس کے ابلے تلنے نہ کرے۔ مگر یہ وہ سر چڑھتا ہے۔ چنانچہ سورہ جن میں آیت ہے۔ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ
بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا۔ یعنی اور یہ کہ کتنے مرد آدمیوں کے پناہ پکڑتے۔ کتنے مردوں جنوں کی پھر انکو بڑھا
ف ۹۲ اور سر چڑھا۔ اکثر شائع ابھی اور کئی ملا بھی لوگوں کے ہاتھ سے شیطان پجواتے ہیں۔ اور ان سے پوجے کا سامان منگواتے
جیسے سیوہ مٹھائی خوشبودار اور کسی رنگ کا کپڑا ایسی جو اس کے پسند ہو۔ سوا اپنے اور بکاری چیزیں ہوں کہتے کہ اس کو لیجا کے کسی
پانی کے کنارے یا کہیں جنگل میں یا مسان یا گورستان میں رکھ دو۔ شیطان تمہارا پیچھا چھوڑ دیگا۔ یہاں ایک شبہ بھی لگا رکھا
کے ارشاد فرمایا کہ اَلصَّدَقَةُ رَدُّ الْبَلَاءِ ۔ حالانکہ اس حدیث کا لفظ یوں ہے۔ کہ اَلصَّدَقَةُ تَرُدُّ الْبَلَاءَ
یعنی کچھ خدا کیواسطے خیرات کرنی بلا کو دفع کرتی ہے۔ لیکن وہ صدقہ اس ڈھب کا نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ کسی محتاج کو
محض اللہ کی خوشی کیواسطے کچھ دینا۔ اس کے فائدوں میں ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ دنیائی اور آخرتی بلائیں ٹل جاتی ہیں
پھر اگر کوئی محض بلا ٹلنے ہی کی نیت سے کسی محتاج کو کچھ دیوے۔ تو نیت صحیح نہ ہونے کے سبب وہ صدقہ مقبول نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ
وہ شیطان کو رشوت دے۔ پھر شیخ جی اس سے کہے کہ اَلصَّدَقَةُ رَدُّ الْبَلَاءِ ۔ یہ صدقہ کا نکو بدعتی اتارا ہے
شیطان کو اور ان پر چڑھ گیا۔ ان پیروں اور ملاؤں کے کام اس بابت میں بہت عجائب ایمان رہا ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ

نیاز کی فکر کرتا اس رشوت سے ان کو خرق عادت پہلاوے۔ کبھی خوشامد کی باتیں اور حرکتیں کر کے اُن سے خرق عادت کی توقع
رکھتا پر سیدھا سادہ چارہ ہدایت پر نہیں آیا۔ یہ سب اسکی حماقت اور ضلالت ہے۔ مگر کامل مومن وہی کہ اس خرق عادت کو الله کا فعل مانتا
اور اس بزرگ کو الله کا بندہ جانتا اور اس سے ہدایت یعنی الله کی راہ دریافت کر کے اس موافق چلتا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ اور بالفرض کوئی شیطان کسی پیر یا شہید کا نام لیکر ایذا دینے لگے تو اس پر صبر کرے جیسے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو شیطان نے اپنی قوت سے چھو گیا۔ جیسے بڑے بخار جذام اور خارش اور آنکھ آنے کے اور سیتلا وغیرہ کے ہوا کرتے ہیں۔ کہ جگہ اثر کرنے سے
بدن میں اسی قبیل کے مرض پیدا ہوتے ہیں۔ یا شیطان کسی شیطان الانس کے جی میں یہ وسوسہ کر کے موحد لوگ کے گھر میں تیر پھنکوانا یا گھر
جلانا یا کھیتی جرانی یا پیٹی مار ڈالنے تعلیم کرے۔ القصہ تو صید والوں کی ایذا پر کوئی شیطان آپ کھڑا ہووے۔ یا کسی اور شیطان الانس کو
کھڑا کرے۔ تو موحد کو چاہیئے کہ ڈرے بلکہ لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم و اعوذ بالله من الشيطان الرجيم پڑھے اور دونوں ناؤں کے
معنوں کے موافق عمل کرے۔ لا حول یعنی نہیں طاقت اور نہیں بعد مگر الله کی طرف جو سب سے بڑا ہے۔ اور اعوذ الخ یعنی پناہ لیتا ہوں میں
الله کی شیطان مردود سے الله نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
اور کچھ نہیں یہ شیطان ڈراتا ہے اپنے یاروں کو سو تم اس سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو تو۔ لیکن شیطان کی

تاکہ کچے اور پکوں میں فرق ہو جاوے - اور مومن منافق جدا جدا معلوم ہو جاویں جیسے ظاہر میں کبھی متقیوں کو ہاتھ سے فاسقوں کے ہاتھ سے اور
مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھ سے اللہ کے ارادے سے ایذا پہنچ جاتی ہے - سو اس پر جو صبر کرتے ہیں - اور ان کے تابعدار ہرگز نہیں بنتے - اس
حدیث سے معلوم ہوا - کہ اگر کوئی شخص اس شرک سے بیزار ہو کر امدروں کا ماننا چھوڑ دے - اور انکی نذر و نیاز ماننے کو چھوڑ جاوے اور غلط غلط رسموں کو
مٹانے لگے - اور اس میں اسکو کچھ نقصان مال کا یا اولاد کا یا جان کا پہنچ جاوے - اور کوئی شیطان کسی پیر یا شہید کا نام لیکر ایذا دینے لگے - تو اسپر صبر
کرے - ف - اعتراض - مصنف کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے - کہ شیاطین کو ایذا دینے کی قدرت ہے - لیکن اسکی اکثر عبارتوں سے ظاہر
ہوتا ہے - کہ بزرگوں کو ہرگز رنج و راحت پہنچانے کی قدرت نہیں - یہ تو صاف بد اعتقادی ہے - جواب - شیاطین بھوت کو بالذات
قدرت ہی کب ہے مصنف کے قول سے کہاں نکلتا ہے - بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے - کہ اللہ ہی کسی شیطان کو کسی بندے کی آزمائش کے واسطے مسلط کرتا ہے
تا اس بندے کا ایمان اور بے ایمانی ظاہر ہووے - اسکی عبارت میں خوب تامل کیجیے - اسی طرح خداوند تعالے کسی نیک بندے کے ہاتھ پر کوئی کام
خلاف عادت پیدا کرتا ہے تا دوسرے بندوں کے ایمان داری اور بے ایمانی ظاہر ہووے - پھر ان میں کوئی شقی باوجود اس خرق عادت کو دیکھنے کے
منکر رہتا - اور ہدایت کی بات سنتا ہی نہیں - کوئی بدبخت اسکو جادو سمجھتا - اور ہدایت پر نہیں آتا - کوئی بے ادب اس بزرگ کو
خدا ہی مانتا - اپنی گمراہی میں چلا جاتا - کوئی احمق لالچی طمع خام پیدا کرتا - اور اس بزرگ کو اسی خرق عادتوں کی فرمائش کیا کرتا کبھی نذر

[illegible]

[illegible]

[illegible]

٠٤ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

٦٧ [illegible]

[illegible]

اگر سکہائیں۔ تو انکو پیر استاد مولوی کاہیکو کہینگے۔ پہر انکی بات شرک میں نہ مانئیے کیا مہمل بات ہے۔ جواب بہت لوگ اس زمانے
میں ہیں۔ کہ ایک صحبت سے پیر استاد اور مولوی بزرگ اور دوسری طرح سے برا سکہانے والے بدراہ لوگ اس زمانے میں ہیں۔ اور [illegible]
سینے والے بزرگی میں ثابت گنے جاتے ہیں ادھر شرک و کفر کی باتیں اور کام کیا کرتے۔ اور ادھر شرک و کفر سے منع کرتے اس واسطے حضرت نے
فرمایا کہ دورنگوں سے دہوکا نہ کھائیے۔ ایک صحبت سے ان کے مولوی پن دیکھ کے انکی دوسری صحبت کی شرکی کی توحید نہ سمجھئے۔ اور انکی سند
نہ پکڑئیے۔ جیسا خواجہ حافظ نے کہا ہے ۔ دوش از مسجد سوی میخانہ آمد پیر ما ٭ چیست یاران طریقت بعد ازین تدبیر ما۔ اور یوں بھی کہا ہے
۔ دام تزویر مکن چون دگران قرآن را۔ اور یوں بھی ہے ۔ واعظان کین جلوہ بر محراب و منبر می کنند ٭ چون بخلوت میروند آن کار دیگر میکنند
اور یوں بھی کہ ہے ۔ مشکلے دارم ز دانشمند مجلس باز پرس۔ توبہ فرمایان چرا خود توبہ کمتر میکنند۔ اور یوں بھی۔ ای کبک خوشخرام کجا میروی بایست
غرہ مشو کہ گربہ زاہد نماز کرد۔ اور ایک ہندی مثل مشہور ہے۔ کہ یہ تو آدہ ہو جانے سے اور یہ جو کوئی خیال کرے۔ کہ ہم دنیا میں آکر اس بات کو
بھول گئے۔ پہر معمولی بات کی کیا سند ہے۔ سو یہ خیال غلط ہے۔ اس واسطے کہ بہت باتیں آدمی کو آپ یاد نہیں ہوتیں پہر معتبر لوگوں کے کہنے سے
یقین کرلیتا ہے۔ جیسے کسی کو اپنی ماں کے پیٹ سے اپنا پیدا ہونا یاد نہیں ہے۔ پہر لوگوں ہی سے سنکر وہ یقین کرتا ہے۔ اور اپنی ماں ہی کو
ماں سمجہتا ہے۔ اور کسی کو ماں نہیں بنا سکتا۔ پہر اگر کوئی اپنی ماں کا حق ادا نکرے۔ اور کسی کو ماں بتاوے۔ تو اس کو سب لوگ برا کہینگے اور [illegible]

پرکاش موہن

مردم خور

لکڑیاں گیلی تھیں۔ آگ ابھی پورے طور پہ پھیلی نہ تھی کہیں کہیں اس کے شعلے لکڑیوں کے انبار سے ایک ساعت کے لئے اپنی آتشیں زبانیں باہر نکالتے تھے گویا کسی شکار کی طرف لپک رہے ہوں مگر پھر وہیں دب کر رہ جاتے تھے۔ اور دھوئیں کے بادلوں میں وہ ان کا چھپ جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک ایسا ہی گھومتا ہوا شعلہ لکڑیوں کو ایک خاص انداز سے کسی ایسی جگہ چھوڑ دیتا تھا۔ جہاں اس کی سیدھی ہوئی آنکھ اس کا بہترین مسرت دیکھ پاتی تھی اور اپنا پھر بھڑک اٹھتی تھی۔ آگ اور لکڑیوں کی یہ جنگ برابر جاری تھی۔ کبھی یہ غالب آجاتی تھیں کبھی وہ۔ مگر آہستہ آہستہ یہ آگ ان لکڑیوں کو کھاتے جاتی تھی۔ ان ہلکے ہلکے بخار کی طرح جس نے مرنے والے کے جسم کو کھوکھلا کر ڈالا تھا۔ جس کا اس میں کچھ سہنے کی تاب بھی نہ رہی تھی۔ شاید ان لکڑیوں کے نیچے دبی ہوئی لاش آگ کی لا انتہا زبانوں سے محفوظ نہ تھی۔ بلکہ آگ اس کے گوشت اور پوست کو گویا اپنے ظالم پنجوں سے نوچ نوچ کر کھا رہی تھی۔ اور مرنے والا بھی چپ تھا۔ اس مزدور کی طرح جس کے علاقے میں ابھی تک کوئی ٹریڈ یونین نہ ہو! . . . . .

گوپال نے انگڑائی لینے کی ضرورت محسوس کی۔ وہ اس جھنجھٹ سے متنفر سے۔ جو ہر وقت اس کے دماغ میں بیٹھا تقریریں کئے جاتا تھا۔ کچھ دیر کے لئے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس جھنجھٹ سے منصف سے بھی۔ جو ہر وقت ایک رپورٹر کی طرح یہ تقریریں سنتا رہتا تھا۔ اور نقاد کی طرح ان پہ فیصلے دیتا رہتا تھا۔ مگر اس کی انگڑائی دب کر رہ گئی۔ اسے یہ موقعہ اس قدر ماتم اور دردناک معلوم ہوا کہ انگڑائی جیسی چیز بے پرواہ عامیانہ حرکت گویا اس موقعے کی ہتک تھی۔ خود موت کی ہتک تھی۔ پھر بھی اس کا تھکا ہوا جسم جسے انگڑائی کے اکڑاؤ کی سخت ضرورت تھی۔ اکڑے بغیر نہ رہ سکا۔ اور انگڑائی کسی گمنام سازشی کی طرح اس کے سارے جسم پہ پھر گئی۔ اس نے سوچا کیا لاش انگڑائی نہ لینا چاہتی ہوگی؟ کون نہ جانے اسے بھی بھاری طرح درد محسوس ہوتا ہو۔ آگ اس کے جسم پہ آبلے ڈال رہی ہو۔ اور وہ اس وقت انتہائی کرب و اذیت میں ہو۔ مگر اس کی قوت بیان سلب کر لی گئی ہو۔ وہ اپنا ہر عضو آہستہ آہستہ جلتا محسوس کرتی ہو مگر ایک خوفناک خاموشی نے اس کا گلا گھونٹ رکھا ہو۔ اور اس کی چیخیں آگ کی شدید گرمی کے باوجود منجمد ہو کر اس کے گلے ہی میں پھنسی رہ گئی ہوں۔ اور اس طرح آہستہ آہستہ اس کے جسم کا ہر حصہ اس تیز آنچ میں بھونا جا رہا ہو۔ موت کی پر تکلف ضیافت کے لئے۔ شاید اس وقت بھی آگ اس کے ناک پر حملہ کر رہی ہو۔ وہی ناک جس کے بچانے کے لئے اپنی زندگی کے دوران میں اس نے پیٹ کاٹ کاٹ کر پیٹ بعد دیگرے چار لڑکیوں کی شادی کر دی تھی۔ جس کی خاطر اس نے زندگی کے آخری دن ڈاکٹروں کی ہدایت کی پروا نہ کرتے ہوئے بغیر کچھ کھائے پیئے گذار دیئے۔ تاکہ شاردا پچی کے جہیز کے روپے میں سے اس کے لئے ایک مرغ۔ ایک انڈا۔ چاندی کا ایک چھپر کھٹ نہ خریدا جا سکے۔ اور اس کی ناک ایک بہادر راجپوت کی طرح چھاتی تانے۔ فخر سے سر اٹھائے۔ اس کے زرد چہرے پر لگاتار پہرا دئے جائے۔ تاکہ زندگی کا کوئی ذرہ سنگوار جھونکا اس کی عزت اور آبرو کو چھو تک نہ جائے۔

گوپال نے محسوس کیا۔ ان بے ڈھنگے۔ بے سنگم خیالات کی وجہ سے اسکا چہرہ غیر ارادی طور پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ میں کھلتا جا رہا ہے۔ اس نے سرعت سے اپنے چہرے پر رنگ اور افسردگی کے آثار پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اور اپنی ابھی ہوئی مسکراہٹ کو بالکل ہی بجھا دیا۔ اس نے چاروں طرف اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ کسی نے اس کی مسکراہٹ دیکھ تو نہ لی تھی؟

سامنے جلتی ہوئی چتا سے تھوڑی دور۔ عورتوں کا ایک گروہ چلا چلا کر مرنے والے کا ماتم کر رہا تھا جیسے آسمانوں کے مالک کی بے پناہ طاقت کا اعتراف

یعنی اللہ صاحب نے سورہ اعراف میں یوں فرمایا ہے۔ اور جب نکالی تیرے رب نے پشت آدم سے انکی اولاد اور اقرار کروایا ان سے انکی جانوں پر کہ میں نہیں ہوں رب تمہارا
بولے کیوں نہیں۔ یہ ہمنے اس لیے کیا۔ کہ کبھی کہنے لگو قیامت کے دن کہ بیشک اس بات سے ہم غافل تھے۔ یا کہنے لگو کہ شرک تو کیا تھا۔ ہمارے باپ دادوں نے
پہلے سے اور ہم تھے پیچھے انکے سو کیا برباد کرتا ہے۔ ہمکو ان جھوٹوں کے کام کے بدلے۔ یہ ترجمہ ہے کلام اللہ کی آیت کا سو اسکی تفسیر میں ابی بن کعب
نے فرمایا۔ کہ اللہ صاحب نے ساری اولاد آدم کی ایک جگہ اکٹھی کی۔ اور انکی جدی جدی شکلیں بنائیں۔ جیسے پیغمبروں کی جدی اور شہیدوں کی جدی مثل اور نیکبختوں
کی جدی مثل۔ اور حکم برداروں کی جدی مثل۔ اور بدکاروں کی جدی مثل۔ اسی طرح کافروں کی شکلیں بنائیں۔ جیسے یہود اور نصاریٰ اور مجوس و ہنود
علی ہذا القیاس۔ پھر ان سب کی صورتیں بنائیں۔ یعنی کسی کی صورت جیسی دنیا میں بنانی منظور تھی۔ ویسی ہی اول ظاہر کی۔ اسکو خوبصورت کسیکو
[illegible] بدصورت کسی کو سوانکھا کسی کو کانا کسی کو اندھا۔ علی ہذا القیاس۔ پھر ان کو بولنے کی طاقت دی۔ پھر ان سب سے اللہ صاحب نے یوں فرمایا کہ میں تمہارا رب ہوں
سو سب نے اقرار کیا۔ کہ تو ہمارا رب ہے۔ پھر ان سے سب قول و قرار لیا اور اللہ صاحب نے اسبات پر آسمان و زمین و آدم کو گواہ رکھا۔ اور یہ فرمایا کہ
ف ۸۰ اس قول قرار کو یاد دلانے کو پیغمبر آوینگے اور کتابیں لاوینگے۔ سو ہر کسی نے جدا جدا اللہ کی توحید کا اقرار کر لیا ہے۔ اور ترک کا الکفار۔ فیس شرک کی
بات میں اپنے پیر کی سند نہ پکڑنی چاہیے۔ نہ پیر کی۔ نہ استاد کی نہ باپ دادوں کی نہ کسی بادشاہ کی۔ نہ کسی مولوی کی نہ کسی بزرگ کی
اعتراض۔ جو مصنف نے کہا کہ شرک کی بات میں کسی کی سند نہ پکڑنی چاہیے۔ نہ پیر نہ استاد نہ مولوی نہ بزرگ کی [illegible] پیر مولوی استاد کا بھی تو شرک سکھا سکتے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میری ف - یعنی جتنے پیغمبر آئے ہیں - اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں - کہ اللہ کو مانیے - ش - یعنی پوجیے ، صرف اور اس کے سوا کسی کو نہ مانیے "یعنی

پوجیے - اس آیت سے معلوم ہوا - کہ شرک سے منع اور توحید کا حکم سب شریعتوں میں ہوتا آیا ہے - سو یہی راہ نجات کی ہے - اور اس کے سوا سب راہیں غلط"

اَخْرَجَ مُسْلِمٌ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ

عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَکَ فِیْهِ مَعِیْ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَشِرْکَهٗ وَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ - ترجمہ - مشکوٰۃ کے باب الریاء میں لکھا ہے کہ مسلم نے

ذکر کیا کہ نقل کیا - ابو ہریرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کہ میں بے پرواہوں ساجھیوں میں ساجھے سے جو کوئی کچھ کرے کام

کہ ساجھی کرے اس میں وہ میرے ساتھ اور کسی کو تو میں چھوڑ دیتا ہوں - اس کو اور اس کے ساجھے کو اور میں آپ سے بیزار ہوں . ف یعنی جس طرح

اور لوگ اپنی مشترک چیز آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں - سو میں یوں نہیں کرتا - کیونکہ میں بے پرواہ ہوں - بلکہ جو کوئی کچھ کام میرے واسطے کرے اور غیر کو بھی اس میں

شریک کرے تو میں اپنا حصہ بھی نہیں لیتا - بلکہ سارے ہی کو چھوڑ دیتا ہوں - اور اس سے بیزار ہو جاتا ہوں - اس حدیث سے معلوم ہوا - کہ جو شخص اللہ کے کام

اللہ کے واسطے بھی کوئی کام کرے - اور کسی کے واسطے اس پر کچھ شرک ثابت ہوتا ہے - اور یہ بھی معلوم ہوا - کہ جو عبادت اللہ کی کرے - سو وہ بھی

٨٧ اللہ کے ہاں مقبول نہیں - ش - گو کہ وہ نامقبولوں میں داخل ہو سکا - پھر اس کا کام مقبول کہاں - بلکہ اللہ اس سے بیزار ہے -

اَخْرَجَ اَحْمَدُ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ رض فِیْ تَفْسِیْرِ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ

اس نتیجے کا حاصل یہ کہ شئے کی ذات خود اپنی ذات سے بھی ذلیل ہے - یہ تو بالکل مصنف کے مقصود نہیں - بلکہ مقصود مقدا ہے سوا اللہ کی شان کے

آگے مخلوق کی شان گئے بجا لانیکا بیان ہے - یہ اللہ کی مخصوص شان کے آگے ہر مخلوق کو چمار کہنا مصنف کے قول سے نہیں نکلتا - بلکہ چمار حقیقی ہی

ہم چمار سے بھی ذلیل ہے - کہنے سے چمار کہنا تو کفر تھا - جو مخلوق ہر بات چمار بھی چمار کرتے پھرتے ہیں - لیکن خوبی بہانہ سب اپنے کسی

کے تصور کو خدا اپنے نوع کا کر کے خیال نہ کیجئے - کیونکہ خدائی کی عظمت شان کے آگے کسی کی عظمت و شان باقی نہیں رہتی - خدا کے رتبہ پر تمام کرنے کے واسطے

کسی شئے کے تصور کو ذہن میں لائیے - تو وہ اس رتبہ بلند کے سامنے چمار سے بھی ذلیل لگے - یعنی خود سے بھی خوار نظر آوے - فی الحقیقت گر یہ ذلیل

کی نسبت کرتے عرش اعظم کا درجہ رکھتا ہے والقصہ یہ مصنف کی بات اسی طرح پر ہے - اسمیں کفر کہاں سے نکلتا - لیکن حسد اور نفرت [illegible]

کی بات ہو بھی - قصہ مختصر - اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ - کی آیت سے شرک سب سے بڑا گناہ ہے - اسی طرح عمل کی راہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے

کہ شرک سب گناہوں سے بڑا عیب ہے - اور یہی حق ہے - اس واسطے کہ آدمی میں بڑے سے بڑا عیب یہی ہے - کہ اپنے بڑوں کی بے ادبی کرے

سو اللہ سے بڑا کوئی نہیں - اور شرک اسکی بے ادبی ہے - وقال اللہ تعالیٰ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ

أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ - اور فرمایا اللہ صاحب نے سورہ انبیا میں اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اسکو یہی حکم بھیجا - یعنی بات

یہی ہے - کہ کوئی ماننے کے لائق نہیں سوائے میرے - تو یعنی پوجنے اور عبادت ماننے اور حقیقی شارع ماننے کے لائق نہیں سوائے میرے مخلوق کی [illegible]

جیسے جوتیاں سینی چمڑے سڑہانے یا بدبو کا اثر نہ پانا اور اس کے مانند لیکن یہ بھی ایک گالی ہے۔ اگر کہیے کہ چمار بیمار نہیں ہے۔ تو اس سے مراد ذلت اور محتاجی

نہ خاص چمار پن نہ چمار کی۔ اسکی کوئی صفت۔ اور کوئی ذاتی یا خارجی صفت۔ اور جب کہے کہ چمار سے بھی ذلیل ہے۔ تو مراد بڑی ذلیل ہے۔ چمار پن نہ اسکی اور

نہ کوئی صفت۔ مصنف کا کہنا کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا بڑا اپنے سے جو بڑا ہے کہ کبھی بڑے مخلوق کو دوسرے مخلوقوں پر ثابت ہے۔ سو اس کا اقرار کیا ہے اور اللہ کی

شان کے آگے کہنے سے۔ جو نسبت کہ اللہ کی شان عظیم حقیقی اور مخلوق کی شان اپنی ذاتی اعتباری کے درمیان واقعہ ہے کہ اپنے عظمت وجلال سے مخلوقات کی طرح

شان کو کم حساب رکھتی ہے۔ سو اس کا ذکر کیا ہے۔ ہمارے نبی نے بیان کیا ہے۔ کہنے سے مخلوق پرستوں کے عقیدے کے خلاف مخلوق کی طرح کی شان حالتی

معبود عظیم کے مقابلہ میں کیا ہے۔ یہی اس کے ارادہ کیا ہے۔ چمار بھی ذلیل ہے۔ سو اگرچہ مرتبہ غلبہ ہے۔ لیکن اہل بیان کے طور پر سالبہ جاہیہ مقصود ہے

یعنی خدا کا حق جو عبادت ہے "کسی غیر کو تو گویا پہنچا دو" "کسی غیر کو پہنچایا نہیں گیا" گویا بڑوں کی بڑی شان جو عقل و نقل سے چھوٹوں پر ثابت ہے

سو اللہ کی شان بلند کے آگے موہوم ہے۔ باوجود کہ یہ چھوٹوں پر بھی دوسرے مخلوقوں پر علی الدوام ثابت ہے۔ جیسے آفتاب اور فرشتے کہ انکو منہ ہو اور جو ہیں

دیکھے بوجھے ہیں۔ اگرچہ انکی شان مخلوقات تو بیشمار ہے۔ پر اللہ کی شان عظیم کے آگے مانو ذرے کے شمار میں بھی نہیں ہے

چوں سلطان عزت علم برکشد — جہاں سر بجیب عدم درکشد ؛ اور مصنف کے قول سے یہی سمجھتا ہے۔ کہ اس شان جلیل کے آگے چمار جو ہماری

ذلیل ہے۔ اس سے سمجھا جاتا ہے یہ کہ چمار جوتوں میں [illegible] ہے۔ اور ہر چھوٹا بھی اللہ کی شان کے سامنے چمار سے ذلیل ہے جیسے چمار بھی ہمارے آگے ذلیل ہے

[illegible] کے سبب میں آیا ہے۔ سو اکثر لوگ [illegible] اور [illegible] دو دو [illegible] گئے۔ [illegible] کا [illegible] سمجھا کہ یہ [illegible] نہیں۔ [illegible]

ظاہر ہے۔ ایسے مثل میں ہم کہیں کہ اللہ کی سی شان اور عظمت کے آگے برابر ہو یا [illegible] نہیں ہے۔ تو اس کی تو میں [illegible]۔ اس عبارت میں دو [illegible] ہیں

ایک تشبیہ — دوسرا حلیہ۔ حلیہ یا صورت تو [illegible] تفصیل سے [illegible]۔ [illegible] تمثیل عقلمندوں کے پاس [illegible] نہیں۔ کیونکہ مثل کے جمیع اجزا کی مطابقت

[illegible] جمیع اجزا [illegible] نہیں آتی۔ [illegible] اس کی صورت کا [illegible] ضرور ہوتا ہے۔ تو اس [illegible] مثل میں کب [illegible]

نہیں ہوتا۔ [illegible] مخلوق [illegible] خدا ہی [illegible] دوسری [illegible] خدا ہی کے [illegible]

[illegible] وہ بزرگ [illegible] ہے۔ کہاں خدا کی [illegible] بزرگ کی [illegible] ہے۔ [illegible] کوئی [illegible]

[illegible] ہرگز [illegible] ہیں۔ [illegible] نسبت ان کی طرف [illegible] ہوگی۔ جو مخلوق [illegible] اور یہی [illegible] مخلوق

۸۹ [illegible] ہے۔ اس بات [illegible]۔ اگرچہ [illegible] وغیرہ [illegible]۔ البتہ [illegible] اس کا [illegible]

کہ اگر کوئی [illegible]۔ یا [illegible] کیا [illegible] باتیں ایک ہی معنی پر ہیں۔ اور ایک ہی [illegible] مخلوق پرستوں نے کیا

[illegible]۔ [illegible] نے [illegible] کیا ہے۔ [illegible] تو نہیں کیا۔ [illegible] پرستوں نے کیا ہے۔ [illegible] کہ اگر کوئی کسی کو [illegible]

[illegible] ہو۔ تو [illegible] کو گالی دی۔ [illegible] کیا۔ اگر کیا ہو [illegible] تو [illegible] نہیں [illegible] ہے۔ [illegible] اس میں کوئی

میں بھی تشابہ واقع ہوا۔ اور شرک شاہی میں خواصیں وہم کرنے لگے۔ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ
کے مصداق ہے۔ دوسری تقریر یہ ہے۔ کہ جو کام نشان عبودیت کا ہونے سے خاص حق حضرت معبود برحق کا ہو۔ سو ایسے کام کو کسی بڑی مخلوق کی حرمت کا نشان
ٹھہرانا ہے۔ تو شرک ہے۔ جیسے شیخ سجدہ اور رکوع اور لمبی اٹکل ہستی یا ایسی اور بہت سی کی تعظیم کے واسطے بجا لاتے ہیں۔ کیونکہ ویسے بزرگ کام ایسے
ملکوں کے حق میں بجا لانا ان کاموں کو ذلیل کرنا ہے جیسے حاکم کو تسلیم یا قدم بوسی کرنی یا اس کے روبرو ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونا۔ یا اس کی ایسی باتیں کرنی جیسے
بادشاہوں کی جناب میں کیجیے۔ تو یہ بہت ادب سے بادشاہ کو ذلیل کرتا ہے۔ لیکن اگر ویسے کام کسی فرشتے یا نبی یا ولی کی خدمت میں بجا لاویں۔ تو کیا مضائقہ ہے اگر ادب
بادشاہی وزیروں اور امیروں سے بجا لاتے ہیں۔ اور یہ خلاف قاعدہ بادشاہی نہیں۔ اسی طرح حنفیوں کا ادب پیروں اور استادوں کے ادب سا کرتے ہیں۔ یہ بات بھی
عرف کے قانون کے موافق نہیں۔ مگر جو خدا تعالیٰ کے نبیوں کو ایسے آداب بجا لاتے ہیں۔ تو کیا مضائقہ اس صورت میں شرک کیوں ٹھہرتا۔ خصوصاً اپنے پیروں کی جناب میں
نقل ہے کہ کسی نے خواب میں اپنے پیر کو اور خدا کو دیکھا۔ پیر نے کہا کہ خدا کو آداب بجا لاؤ۔ یا سجدہ یا طواف۔ لیکن مرید نے اس فرمودہ کو اپنے پیر کو ہی بجا لایا۔
التفات نہ کیے یا خدا نے سبب پوچھا۔ تو عرض کی کہ میں نے اسی قدم کی برکت سے اس جناب کو پایا۔ پیر پرستی ہی افضل ہے۔ اسکو شرک کیونکر کہتے۔ اور نقلیں
کہا کرتے ہیں۔ سو یہ رسم [illegible] اور فرزند [illegible] اور مسلم اور بزرگی میں [illegible] ہے۔ جو انکی تعظیم خدا کی تعظیم جیسی کیجیے۔ تو شرک [illegible]
تھا۔ وہ عین توحید اور ایمان ہے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فَقَدْ اَخْزَیْتَہٗ - یعنی اے پروردگار ہمارے جسکو تو نے داخل دوزخ کیا - سو تو نے اسکو رسوا کیا - پر جابر کو جمادین سے یا کتے کو تمثیل سے دوزخ میں لے

جانے کی رسوائی لازم نہیں آتی - پھر خدا کے صفات یا ذات کسی میں ثابت کرنے حقیقت میں اسکو ذلیل ٹھہرانا ہے - از کارہا ماند ہمچو بیت از خدائی

اور کسی بڑے سے بڑے درجہ کو خدائی کے رکھنا خدا کے اور اسکے رسول کے حکم کے برخلاف ہے - جو توحید میں وارد ہے - جو کوئی علم الٰہی کا خلاف کرے یا اسکی خلاف

مرضی ہووے - وہ بڑا ذلیل ہے - خدای تعالیٰ نے فرمایا - اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ - یعنی جو لوگ کہ اللہ کا اور اسکے رسول کا

خلاف کرتے ہیں - سو وے لوگ بڑے ذلیلوں میں کے ہیں - پھر ایسے بڑے ذلیل نے جب کسی شخص کو خدائی کے رتبہ کا حق کا مستحق تصور کیا - اس شخص کا تصور البتہ ذلیل

ذلیل کے تصور سے بھی ذلیل ہے - خواہ وہ ذلیل جمادات ہووے - سیاسنگ یا خوک "یہاں انصاف سے نظر کیجیے" - خدا اور رسول کے حکم کا اوپر مخالف کسی بزرگ کے

خدائی کے درجے پر تصور کرے - سو وہ تصور اس بزرگ کی ذات کا تصور کا ہیولیٰ ہوا - کیونکہ وہ تصور بالذات ذلیل ہے - اگرچہ وہ تصور بزرگ تصور کرنے کو جھبا جاوے - لیکن

حقیقت میں ذلیل ہمارے بھی زیادہ ذلیل ہے - پھر اسی تصور سے ذلیل ہوا حکم اس بزرگ کے اصل تصور کی طرف کب راجع ہوا - خیانچہ جب اِنَّکُمْ وَمَا

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ اَنْتُمْ لَہَا وَارِدُوْنَ - کی آیت اتری - قریش کے کفار نے سن کے یاد کی باتیں محمد بن اسحاق

کی روایت میں ہے - نضر بن حارث کہ ایک کافر تھا - سو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابل آیا - حضرت نے بحث کر کے اسکو خاموش کر دیا - اور یہ آیت پڑھی کہ

اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ الآیہ جب یہ الفاظ آپ تشریف لے گئے - تب عبداللہ بن الزبعری نام آیا - ... اسکی ... کی خبر دی - اسنے کہا اگر میں ...

سمجھنا یہ ہے ۔ خلاصہ یہ ہے بڑے بڑے لوگ اور ان کے خاص بندے ہونے کے لحاظ سے بڑوں بڑوں سے بہت بڑے ہیں ۔ لیکن انکو خدا تعالیٰ کی نظر سے دیکھئے

تو اس اللہ کی عظمت اور شان کے آگے ذلیلوں سے بھی ذلیل تر یعنی بے عظمت و شان اور معدوم نظر آتے ہیں ۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے ۔ چراغ پیش

آفتاب پرتوے ندارد و منارہ بلند بر دامن کوہ الوند پست نماید ۔ اگر ایسی جگہ میں جا کر اپنی ذلیل کر کے لاتا ہوا ۔ تو [illegible] سے

عبد مخلوق پرست [illegible] ہے ۔ کہ مصنف نے بڑے لوگوں کو عاجز کہا ۔ اب [illegible] شبہوں اور شکووں اور اعتراض کے جواب سنئے ۔ اگر کوئی احمق کبھی

خدا کی عبادت کی ہی کسی بزرگ یا دین کو جانا ہو ۔ وہ ہرگز قبول نہیں کرے گا ۔ بلکہ مخلوق پرست اس بزرگ کو نہیں پوچھا ۔ نہ اس کے بدلے تصور کامل کو بلکہ اسکے

تصور ناقص کی پرستش کرنے لگا ہے ۔ چنانچہ ہم کا بیان ہے ۔ کہ شئی کا تصور اسکی ذاتیات اور عوارض ذاتیہ کے ساتھ اس شئی کا کامل تصور ہے ۔ اور اس ذاتیات و غیرہ کے

سلب کلی یا جزوی کے ساتھ اس کا تصور ناقص یا ناقص ہے ۔ اور شئی کرم کا تصور جیسے موجبات اکرام کے ساتھ کامل تصور ہے اور اس موجبات کے سلب کلی یا جزوی

کے ساتھ اس کرم کا تصور تکریم کی وجہ سے اتر جاوے گا ۔ چنانچہ پیر و مرید کا تصور محبت الٰہی اور توحید اور اتباع سنت اور طلب رضائے حق کے بغیر ناقص تصور ہے اور خدا

بیٹے یا بیٹیاں ہونے کے ضمیمہ سے ذلیل تر تصور ہے ۔ کہ جا بجا کہتے کہ [illegible] ایسی جو بھی خدائی سے اعلیٰ ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ اَنْتُمْ لَہَا وَارِدُوْنَ ۔ یعنی تحقیق تم اور جو کچھ تم پوجتے ہو سو جہنم کی [illegible] ہو اور تم سب اترنے والے ہو ۔ یہ حالت

[illegible] بزرگ لوگوں سے بھی [illegible] کے جواب میں ۔ اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی فرمایا ۔ [illegible] تَبَارَکَ مَنْ تَدْعُوْنَ [illegible]

سکتا ہو جس نے ابھی ابھی اس نحیف جسم پر برسوں کی کاوش کے بعد فتح حاصل کی تھی۔ گوپال کی توجہ بے اختیار اس گروہ کی جانب مبذول ہوگئی۔ ان کی دردناک چیخوں کے شور میں ملتی ہوئی لکڑیوں کا چٹخنا دبا جا رہا تھا۔ اور شاید مرنے والے کی کرب انگیز چیخیں بھی۔ گوپال نے اپنا چہرہ اور بھی غمناک بنا لیا۔ وہ اس آہ و بکا پر از حد غم و یاس محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اور اپنے دل پر ایک گہری اداسی طاری کر لینا چاہتا تھا جو بعد ازاں ایک دردناک نظم یا دلا دینے والے افسانے کی شکل میں پھوٹ پڑے۔ وہ ہر وقت اس الہامی نظم۔ اس الہامی افسانے کی انتظار میں رہتا تھا جس کی وجہ سے وہ لازوال شہرت حاصل کرے گا۔ اور دنیا کے دل پر اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا سکے گا۔ اس ادبی سرمایہ کا سرورق اس کی آنکھوں کے آگے اکثر گھوما کرتا تھا جس میں وہ اپنے افسانے شائع کرانا چاہتا تھا۔

لیکن اس وقت اس کی تمام تر توجہ اس مجذوبانہ ماتم کرتے ہوئے گروہ پر مرکوز ہوگئی۔ اور دنیا کے دراز جسم کے حسین نشیب و فراز تک اُسے فراموش ہو گئے۔ یہ سات آٹھ عورتیں۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے۔ لمبے لمبے گھونگھٹ نکالے زمین پر بیٹھی تھیں۔ ان میں سے بیشتر اونچی آواز میں چلا چلا کر بین کر رہی تھیں۔ دو ایک خاموش نظر آتی تھیں۔ جن کا اندازہ گھونگھٹ کی وجہ سے صرف اسی امر سے لگایا جا سکتا تھا کہ وہ نہ تو ہاتھ پھیلا پھیلا کر اشارے کر رہی تھیں۔ نہ اُنکے جسم ایک خاص لَے سے ہل رہے تھے۔ بلکہ وہ بے حس و حرکت بیٹھی تھیں صرف کبھی کبھی ایک آدھ سسکی ان کے سانس کو مضطرب کر جاتی تھی۔ ایک چھوٹے قد کی عورت زمین پر بازو پھیلا پھیلا کر رو رہی تھی۔ اس انداز سے۔ گویا ایک بہت بڑا ڈھیر اپنی جانب سمیٹ رہی ہو۔ مرنے والے کی زندگی کے آخری لمحے؟ گوپال نے سوچا۔ ہزاروں سالوں سے لوگ اسی طرح مرتے آئے ہیں۔ اور اُن کا اسی طرح ماتم کیا جاتا رہا ہے لیکن انسان نے ابھی تک موت کی بے پناہ قوت اور کلی فتحیابی کا احساس نہیں کیا۔ زندگی اب بھی موت کے دروازے پر آخری لمحے تک دستک دیتی رہتی ہے۔ کہ شاید وہ مالِ غنیمت اب بھی لوٹا دے۔ اب بھی لوٹا دے!

اس عورت کی آواز سب سے بلند تھی اس کی حرکات سب سے زیادہ مجذوبانہ۔ گویا وہ دیکھنے والوں کو دعوت دے رہی ہو۔ او لوگو! دیکھو میرے مقابلے میں ان کا غم کیا ہے؟ میرے دل کے خون آلود ٹکڑوں کو دیکھو۔ کیا ان دو سو تیرہ ٹکڑوں میں ایک بھی سلامت ہے؟ میرے اس گہرے غم کا جائزہ لو۔ میری بے پناہ محبت پر غور کرو۔ اور میری دردمندی کی داد دو ———— گوپال نے حقارت کے ابھرتے ہوئے جذبے کو ایک ہمدردانہ ٹیس میں بدلنے کی کوشش کی ———— رونے جا اے غریب لڑکی۔ تو مرنے والے کی کون ہوتی ہے؟ بیٹی؟ بیوی؟ ماں؟ ———— زلیخا، جذبانیت! نہیں نہیں یہ۔ رونے جا۔ روتے جا۔ بقرار دل۔ آسمان پر چھائی سب گھٹا ماسے۔ . . .

اور وہ عورت۔ برابر روتی گئی: ”او میرے بابل۔ تو کدھر چلا؟ ارے لوگو دیکھو رے میرا بابل چلا جا رہا ہے۔ ہائے رے میرا کوٹ پتلون والا بابل!“

اور پھر جب۔ اس کے بین میں ایک گت آگئی۔ جیسے کوئی تحت اللفظ میں پڑھتے پڑھتے ترنم میں کہنے لگ گیا ہو۔ تو گوپال نے ایک سرد آہ بھری۔ اور اپنی آنکھوں کو زور سے بند کیا۔ لیکن وہ کپکپی جس کی وجہ سے اس نے اپنی آنکھوں کی جانب آنسوؤں کے بخارات اُٹھتے محسوس کئے تھے۔ اور اپنا گلا رندھتا پایا تھا۔ ان بخارات کو منجمد کرنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی۔ اور اس لئے باوجود کوشش کے کوئی گرم گرم آنسو اس کے گالوں سے بہتا ہوا خاک میں گر کر گم نہ ہو سکا۔ اور اُسے ایک سرد آہ پر اکتفا کرنا پڑی!

آگ اب اچھی طرح جل اُٹھی تھی۔ آچارج کی کوششیں بر آئی تھیں۔ اور اُس کے مشاق ہاتھ جنہوں نے سینکڑوں چتائیں آندھی اور مینہ میں جلتی کر دکھائی تھیں۔ بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ اپنی تیز نگاہوں سے وہ بار بار آگ کا جائزہ لیتا تھا۔ اور جہاں لکڑیوں کو آگ پر غالب آتے دیکھتا تھا۔ جلدی سے آگ کی لپٹ وہاں پہنچا دیتا تھا۔ کہ کہیں آگ کہیں لکڑیوں کے ہاتھوں شکست نہ کھا جائے۔ جنہیں وہ ہزاروں سالوں سے کھاتی آئی تھی نگلتی آئی تھی۔ یہ تو اس کی غذا تھی۔ اور اس طرح آچارج اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ مثلاً ہم [illegible] وہ اپنے فن اور [illegible]

حَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ اور وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اور لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس شان کے آگے کسی شان کو وجود نہیں رہتا۔ اگرچہ ایک اعلیٰ مخلوق کی شان سے
دوسرے ادنیٰ مخلوق کی شان تک عرش سے تحت الثریٰ تک کا فرق عقل اور شرع سے ثابت ہے۔ اور یہ آپ ہی ظاہر ہے اور منکر اس کا کافر لیکن مومن کا مخلص عبد کا اور معبود
کی شان کے باب میں ہے۔ جو بہت سے لوگوں پر مخفی ہے اور خبر کے شائع کا غلو توڑنے سکے کسی چھوٹے مخلوق کی کسی شان مقصود نہیں۔ بڑے مخلوق کی کسی شان تو کیا ہو معقول
کیونکہ مصنف نے امثلہ و کنایات کے طور پر ادا کرنے کو مناسب جانتے مقبولات شرعی اور مشہورات عرفی کو لے کے تمثیل خیالی کے طور پر مطلب ادا کی ہے۔ یعنی مخلوق کی
نسبت اللہ کی شان کی طرف بہت کمتر ہے۔ اس نسبت سے جو کہ جاگیردار کو بادشاہ کی عزت کی نسبت کرتے ہو۔ دوسرا یہ کہ کسی مجلس میں ایک بیٹھا آتش پرست ایک [illegible]
صحبت کر رہے تھے۔ قضاکار ایک محمدی بھی وہیں جا نکلا۔ سنتا کیا ہے کہ ہندو کہ رہا ہے۔ تیری مورتی کا پوجا خواہ ان سب کو دیجئے۔ یا آپ ایک گرو [illegible]
کیونکہ میں خدا پرست ہوں۔ گویا یہ تینوں خدائی کے دوسرے درجہ میں واقع ہیں۔ یعنی ہر بات میں ہمیشہ کا پوجا نہیں۔ بلکہ میں خدا پرستی ہے۔ اور دوسرے آتش پرستی پر
لگے کہا۔ کہ ہم یعنی عقل اول وغیرہ [illegible] کا پوجا گرچہ شرک نہیں۔ گویا وہ صفات کی نسبت کرتے خدا کا درجہ رکھتا ہے۔ اور خدا کی نسبت کرتے کمتر کا درجہ رکھتا
نے کہا۔ یہ سب کچھ نہیں۔ یہ روح القدس اور ربوبیت کا رجال اللہ کی عین ملاوٹ ہے۔ گویا یہ ولی یہ دو اللہ کے ساتھ برابر ہیں۔ [illegible]
عبادت میں۔ اور موحد محمدی نے کہا۔ یہ سب بندے ہیں۔ اور کچھ نہیں تھا۔ اس کی عظمت کے سامنے ان بزرگوں کو کیا نسبت۔ کیسا ہی بزرگ بندہ ہو دوسرے
اور اس کا درجہ دوسرے بندے کے درجہ سے کروڑوں درجہ بلند ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ کے رتبہ کے برابر ہوئے۔ ہرگز نہیں یہ تمام [illegible] اور ہم [illegible]

۵۵ بیشک شریک بنانا اس کا کسی کو بڑی بے انصافی ہے۔ ف۔ یعنی اللہ صاحب نے لقمان کو عقلمندی دی تھی سو انہوں نے اس سے سمجھا کہ بے انصافی یہی ہے
کہ کسی کا حق کسی اور کو پکڑا دینا۔ اور جن نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق بے قدر ذلیل سے ذلیل کو دیا۔ جیسے بادشاہ کا تاج ایک چمار کے
سر پر رکھ دیجیے۔ اس سے بڑی بے انصافی کیا ہوگی۔ اور یقین جان لینا چاہیے۔ کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے
ش۔ جب مصنف نے شرک کے ظلم عظیم ہونے کی توجیہ تحقیق میں کیا۔ کہ بڑے سے بڑے کا حق بیکے ذلیل سے ذلیل کو دیا۔ ایسی تو بہ اس سے بڑی بے انصافی کیا
ہوگی۔ اور یقین جان لینا چاہیے۔ تو اس سے یہاں ایک سوال اٹھتا تھا۔ کہ اللہ تو سب بڑوں سے بڑا ہے۔ اس کا حق بیکے ذلیل سے ذلیل کو
دیجیے۔ تو البتہ بڑی بے انصافی ہوگی۔ لیکن جب وہ حق مخلوقات میں کے بڑے بڑے عزت والوں کو دیں۔ تو بڑی بے انصافی کاہے کو ہوگی اور
اس خیال سے لوگ کہیں ملائک اور کہیں ارواح کو کہیں ستاروں کو کہیں بزرگوں کو بلکہ زندوں کو بھی پوجنے لگے ہیں۔ ایک اسکی ہوتی کا۔ دوسرا
اوس کے لوازم عارضی کا امتیاز اس کے رتبہ کا اس سے اتر کے مخلوقات پر۔ چوتھا اس کے دعوی کی کالک بالاتر مخلوقات سے۔ جب مومن نظر ایسی
ان جانیں بحالتوں میں نظر کرے۔ تو ہر مخلوق کا مرتبہ اس کو مسلم ہو وے۔ اسی موافق ہم کے باب میں عقیدہ شرعی رکھا کرے اس بات میں کئی زبانیں تفاوت
ہیے۔ یعنی جسکو شرع نے اشرف المخلوقات فرمایا ہے سو اس کو اشرف المخلوقات ہی سمجھے۔ اور جسکو شرع نے ادون مخلوقات مانا ہے سو اسکو ادون ہی جانے
ہاں ایک باریک بات ہے۔ کہ ہر مخلوق کی شان کو اللہ کی شان جلیل عظیم کے آگے رکھ کے تامل کرے تو سب مخلوق میں ہی اللہ کا فرمودہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کل شئ

اور پیغمبر کا فرمودہ سنتے ہوتے بھی شرک کے کام میں پھنسے۔ یہ تو صاف پیغمبر کا خلاف ہے۔ بالحاصل شرک کی سزا تو معلوم ہو چکی ہے اور باقی جو گناہ ہیں انکی
جو جو کچھ سزائیں اللہ نے ٹھیرائیں ہیں۔ سو اللہ کی مرضی پر ہیں چاہے دیوے چاہے معاف کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک کوئی چھوٹا گناہ نہیں اسکی مثال کہ پادشاہ کی
تقصیریں یا تقصیریں انکے ملک کے لوگ کرتے ہیں جیسی چوری قزاقی چوکی پہرے کے وقت سو جانا۔ دربار کے وقت کو ٹال دینا۔ لڑائی کے میدان سے ٹل
جانا۔ کار سرکاری پہونچانے میں قصور کرنا۔ علیٰ ہذا القیاس اُن سب کی سزا بادشاہ کے ہاں مقرر ہے۔ پکڑے چاہے معاف کر دے
بعض تقصیریں اس سبب کی ہیں کہ جن سے بغاوت نکلتی ہے۔ جیسے کسی امیر یا وزیر یا چودھری کیلئے تاج و تخت تیار کرنا۔ یا اسکو ظل سبحانی کہے۔ یا اس کیلئے
اکیلے جشن کا ٹھیرا دے۔ یا اُسے بادشاہ کا سا مجرا کرے اور بادشاہ کی طرح نذر دیوے۔ یہ تقصیریں سب تقصیروں سے بڑی ہیں۔ انکی سزا مقرر اسکو
پہنچتی ہے۔ اور جو بادشاہ اس سے غفلت کرے۔ اور ایسا لوگوں کو سزا نہ دے۔ تو اسکی بادشاہت میں قصور ہے۔ چنانچہ عقلمند لوگ ایسے بادشاہ کو
بے غیرت کہتے ہیں۔ پس اس مالک الملک شہنشاہ غیور سے ڈرا چاہیے کہ بڑے سے بڑے کا تھی یعنی انتہائی مرتبے کا ہے زور رکھتا ہے
اور ویسی ہی غیرت۔ وہ مشرکوں سے کیونکر غیرت نہ کریگا۔ اور کس طرح انکو سزا نہ دیگا۔ اللہ ان سب مسلمانوں پر رحمت کرے اور انکو شرک
کی آفت سے بچاوے آمین۔ قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ
عَظِيْمٌ ۔ ترجمہ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ لقمان میں اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو اور وہ نصیحت کرتا تھا اسکو اے بیٹے مت شریک ٹھیرا اللہ کا

۱۳ محمد رسول اللہ نہ مانا کرے۔ اور ان شہروں میں کسی شہر کے رسول سے مضبوط ہے اس کا حکم مرتد کا حکم ہے۔ پھر جو کوئی طبیب اُسے سنانے پر کیا کرے
اس کا معنی ہی نہ سمجھی تو گو کہ جاہل ہے یعنی نادانی کے کفر ہیں اگر اس کے ساتھ اسمیں کوئی شرک بھی کرنے لگے تو جاہل کافر شرک ہے۔ پھر کہے کے معنی جان بوجھ کے ایسے
حکم کا شرک کرنے تو وہ شرک غلو ہی ہے یعنی ضد یا کسی اگر ان سب باتوں کو دل میں یا منکر زبان سے ٹھٹھے کرے تو وہ جو ہی کافر ہے یعنی نڈر کا کافر
۸۲ یہاں تک پہلی وجہ کی بات ہو چکی۔ اب دوسری وجہ کی تقریر ہے۔ جاننا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کے کوئی شخص قرآن کے معنی نہیں سمجھتا تھا
خلفاء صحابہ رہا ہے۔ کہ جو کچھ حدیث میں ہے۔ سو وہ گویا حضرت نے قرآن سے سمجھا تھا۔ خدا نے کہا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ بارے شرک کی
باریکی کو سمجھ کے کئی باتوں کو شرک ٹھہرایا ہے۔ ایک تو یا مسمی منا جو اس کا شرک ہونا مشہور ہے۔ سو اس پس کے طیرہ یعنی بدفالی کو بھی شرک ٹھہرایا
اور فرمایا ہے کہ الطیرۃ شرک اسی طرح فرمایا۔ کہ التِّوَلَۃُ شِرْکٌ یعنی صورت پر تو مانگنا مردہ پر شرک ہے۔ اور اسی طرح فرمایا کہ مَنْ عَلَّقَ تَمِیْمَۃً فَقَدْ اَشْرَکَ
رواہ احمد والحاکم عن عقبہ بن عامر۔ یعنی جس کسی نے گنڈہ وغیرہ لٹکایا۔ سو گویا شرک کر لیا۔ اور ایسی باتیں بہت ساری ہیں کہ آپ نے ان کو شرک ٹھہرایا ہے
اور پہلے درجے کے شرک کیا لگایا ہے۔ کیونکہ انکی انتہا میں شرک نکلتا ہے۔ ایسے ہی بندوں کو فاعل مختار کہنا اور منفعت کو تاثیر میں مستقل سمجھنا پہلے درجہ کا
شرک ہے۔ اس واسطے پاک مسلمان کو چاہیے کہ ایسے شرکوں سے بچے۔ کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو شرک فرمایا ہے۔ آپ کا فرمودہ خالی نہ جائیگا
اور بخشش انکی مشکل ہوگی۔ وہاں پہ کہنا قرآن کا انکو جائز ٹھہرانا البتہ کام آئیگا۔ بھلا یہ کوئی بات ہے کہ حیلہ حوالہ سے خواہ مخواہ شرک کیا ہی چاہیے

ہمیں تاکید میں آمین رکھوں نعمت ہوا الٰہی کی اور دعائے قنوت میں آیا ہے۔ کہ وَنَرجُو رَحمَتَکَ وَنَخشیٰ عَذَابَکَ اور آیت وعلی اللہ

فلیتوکل المتوکلون کی اور وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین کی اور حسبی اللہ ونعم الوکیل اور ومن یتوکل علی اللہ فہو حسبہ اور الیس اللہ

بکاف عبدہ کی ان سب آیتوں سے اللہ ہی پر توکل کرنے کا حکم نکلتا ہے۔ نہ اس کے غیر پر۔ پھر غیر اللہ پر توکل کرنا شرک فی التوکل ہے۔ اور ان

۱۲ باتوں کی تفصیلیں بہت ہیں۔ باقی باتوں کو ان پر قیاس کیا چاہیے۔ اور یہ بھی پوشیدہ نہ رہے۔ کہ عبادت ایک لفظ ہے۔ جو کہا جاتا ہے۔ ایسے

حد کے کاموں پر جو ان کا کرنے والا کمال عاجزی اور نہایت محتاجی اور بڑا امیدوار اور ہیبت و ڈر اور [illegible] سے کسی کے لیے اس کو عمل

میں لاوے [illegible] اور اغنیاء اور ارادہ اللہ سے دنیا اور آخرت کے کام بنا ہوا اور نفع و ضرر پہنچا سکنے والا سمجھ کے کیا کرتا ہے۔ پھر اگر معاملہ بموجب

شرع خدا ہی سے کرتا ہے۔ تو وہ عبادت شرعی ہے۔ اگر طبیعت کے اقتضا سے بدون فرمودہ پیغمبر کے ایسے کام اللہ کی جانب کرتا ہے تو وہ عبادت

طبعی ہے۔ اگر عرف کے اصطلاح موافق بدون حکم شرع کے کرتا ہے۔ تو وہ عبادت عرفی ہے۔ ان دونوں کا نام [illegible] گناہ ہوتا ہے

پھر اگر عبادت شرعی یا طبعی یا عرفی خواہ کلی ہو یا جزئی ہو غیر اللہ کو جاوے تو وہ شرک کہلاتا ہے۔ شریعت کے حکم سے [illegible] اور مرتکب [illegible]

وغیرہ اگر چہ نبیوں اور اولیوں اور فرشتوں اور شیطانوں اور [illegible] اور [illegible] اور جنوں اور حیوانوں اور درختوں [illegible] کو عبادت شرعی سے نہیں [illegible]

بلکہ عبادت طبعی یا اصطلاحی یا عرفی سے پوجا کرتے ہیں۔ سو ان پر [illegible] غیر اللہ [illegible] آیت [illegible] جو شخص کہ [illegible]

کہ ہمیشہ ہمیشہ کو دوزخ میں رہیگا۔ نہ اس سے کبھی باہر نکلیگا۔ نہ مریگا۔ نہ اس میں کبھی آرام پاویگا۔ اور جو کسی اور وجہ سے شرک میں تو اسکی

جو اللہ کے یہاں مقرر ہے سو پاویگا۔ شعر بر سر شدہ ۔ کہ اللہ تعالی نے جو فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ اور اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ اللہ اپنے شریک ٹھیرانے والے کو نہیں بخشیگا شریک ٹھیرایا۔ تین قسم کا ہوتا ہے۔ یا ذات میں جیسا کہ نصاری کا کہنا کہ تین مل کر اللہ ہوا ہے ٨١

یا صفات میں جیسی اللہ کی صفت کسی اور کی صفت ثابت کرنی یا اللہ کے مانند حق میں جیسے محبت ایمانی اور تعظیم ایمانی اور خوف اور امید اور کمال اسی

اور لوازمہ سے اللہ سے حکم کو اور کسی کے بھیجے ہوئے حکم کو شریک سمجھنا دلیل ان باتوں پر یہ ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ

مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۔ یعنی بعضے لوگ ہیں۔ جو پکڑتے ہیں اللہ کے سوائی اور وں کو دوست

محبت رکھتے ہیں۔ انکی جیسی محبت کی اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ محبت ہے اللہ کی یہ مورت شرک محبت کی منع ہے وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ

رَبِّہٖٓ اَحَدًا ۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۔ یہ کسر غیر کی عبادت اور غیر کی مناجات سے منع ہے۔ اور وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْہُ

السے آیتیں شرکی خوف سے منع کرتی ہیں۔ اور مسئلہ مقرری ہے۔ کہ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ ظاہر ہے کہ کمال رجا یعنی بس امید الیسی

نقصان خوف ایمان ہے۔ سو السی امید رکھنی شرک ہے اس واسطے کہ حسن کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ اَللّٰھُمَّ اَقْذِفْ فِیْ قَلْبِیْ رَجَاءَکَ وَاقْطَعْ رَجَائِیْ

عَمَّنْ سِوَاکَ حَتّٰی لَا اَرْجُوْ اَحَدًا سِوَاکَ یعنی اللہ ڈال دے اپنی امید میرے دل میں اور کاٹ دے میری امید کہ تیرے سوا

ف - یعنی شرک فی العلم - شرک فی التصرف - شرک فی العبادت - شرک فی العادت کا صریح قرآن وحدیث میں ذکر ہے - سو اسکو

اسمیں پانچ فصلیں مقرر کی ہیں - پہلی فصل میں ذکر ہے شرک کی برائی کا اور توحید کی خوبی کا - دوسری فصل میں ذکر ہے اشراک فی العلم

کی برائی کا - تیسری فصل میں ذکر ہے اشراک فی التصرف کی برائی کا - چوتھی فصل میں ذکر ہے اشراک فی العبادت کی برائی کا - پانچویں

ف ۱۰ فصل میں ذکر ہے اشراک فی العادت کی برائی کا - پہلی فصل بیچ بیان شرک کے یعنی اس فصل میں محض شرک کی برائی کا ذکر ہے - قال اللہ

تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا

بَعِيْدًا - ترجمہ کیا اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں بیشک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک ٹھیرائے اس کا اور بخشتا ہے ورے اس سے جسکو چاہے - اور جس نے

شریک ٹھیرایا اللہ کا سو بیشک راہ بھولا دور بھٹک کر - ف - یعنی اللہ کی راہ بھول جانا یوں بھی ہوتا ہے کہ حرام وحلال میں امتیاز نہ کرے

چوری بدکاری میں گرفتار ہو جاوے - نماز روزہ چھوڑ دیوے - جورو بچوں کا حق تلف کرے - ماں باپ سے بے ادبی کرے - لیکن جو شرک میں آپڑا

وہ سب سے زیادہ بھولا - اسلئے کہ وہ ایسے گناہ میں گرفتار ہوا - کہ اللہ اسکو ہرگز نہ بخشیگا - اور سب گناہوں کو شاید بخشدیوے - اس آیت سے

معلوم ہوا - کہ شرک نہ بخشا جاویگا - جو اسکی سزا ہے مقرر ملیگی - پھر اگر پرلے درجہ کا شرک ہے - کہ آدمی جس سے کافر ہو جاتا ہے - تو اوسکی سزا یہی کہ

یا اسکو شہنشاہ کہے یعنی شہنشاہ تو شرک میں پڑے کہ معنی بادشاہوں کا بادشاہ ہے - اور یہی ترجمہ ملک الملوک کا
حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لفظ مخلوق کے حق میں کہنے سے فرمایا ہے - اس کا بیان آگے آئیگا - مگر بعضے بیہودہ لوگ متکبروں اور
سرکشوں کے حق میں بولتے ہیں - اور اسکے برے ہنوز اسی طرح ہوتے رہتے ہیں - اور فقہ کی کتابوں میں بھی ایسے کلمات کی برائی لکھی
ہے یا حسب شی اوسکو یہ ہے حاجت قسم کھانے کی پڑے تو پیغمبر کی یا علی کی یا امام کی یا پیر کی یا باپ کی یا انکی قبروں کی قسم کھائے
بس غیر اللہ کی قسم کھانے کے منع میں ایک حدیث آگے آچکی - دوسری ابو داؤد اور نسائی کی کتاب میں ابو ہریرہ سے روایت ہے
کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ وَلَا بِأُمَّهَاتِكُمْ وَلَا بِالْأَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوا بِاللّٰهِ إِلَّا وَأَنْتُمْ صَادِقُونَ - یعنی قسم مت کھاؤ
اپنے باپوں کی اور جھوٹے معبودوں کی - اور قسم نہ کھاؤ - اللہ کی مگر سچے رہ کے - جب بھی بات میں قسم کھائے تو چاہئے کہ اللہ
کی قسم کھانے میں مضائقہ نہیں - پر غیر اللہ کی قسم کسی حال میں نہ کھائیے - اور حضرت عمر سے مروی ہے کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
فرمایا - کہ إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ - یعنی اللہ منع کرتا ہے تم کو اپنے باپوں کی قسم کھانے سے - یہ روایت موطا کی
کتاب کے سوا ایسی صحاح میں ہے - سو ان تین شرک آمیز - یہ باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے - اسکو اشراک فی العادۃ
کہتے ہیں - جیسا کہ عبادت یعنی اپنی عادت کے کاموں میں جو اللہ کی تعظیم کرنی چاہئے سو غیر کی کرے - ان چاروں قسم کے شرک

فلانا کیا آنا نہیں۔ حضرت بی بی کی صحبت مرد سے تھا وہیں۔ سو وہ بیان نہ کھاویں جیسی عورتیں کہ مو طرح خاوند کا نام لیا ہو۔ وہ کھاوے شاہ

ف ۷۸ منبلیق جب کہا تو شاہ حقہ پیتے والا نہ کھاوے۔ ف۷۷ اور بڑی بدی جو دنیا میں پیش آتی ہے۔ اسکو انکی طرف نسبت کرے کہ فلانے ف ۷۷

انکی شگون بیر آگر دلوانہ ہو گیا۔ اور فلانے کو انہوں نے راندا تو محتاج بن گیا۔ اور فلانے کو نواز دیا تو اسکو فتح واقبال مل گیا۔ اور فلانے ستارے کے

ف ۸۰ سبب قحط پڑا اور فلانا کام جو فلانے دن ستر و مکیا تھا۔ یا فلانی ساعت میں سو لوبرانہ ہوا۔ ف۸۰ یا یوں کہے۔ کہ اللہ و رسول چاہیگا ف ۷۹

تو میں آ و نگا یا پھر جاوینگا۔ تو یہ بات مرجاینگی۔ ش۔ چنانچہ حضرت نے منع فرمایا ہے۔ کہ لا تقولوا ما شاء اللہ و شاء فلان و

قولوا ما شاء اللہ وحدہ۔ یعنی یہ نہ کہا کرو۔ کہ اللہ اور فلانے کے چاہنے سے ہوا۔ سو گیا۔ بلکہ یوں کہا کرو۔ کہ اللہ ہی چاہا سو ہوگا۔ کیونکہ غیر اللہ کا چاہنا

۸۲ ہوگا شرک فی المشیت ہے۔ ف۸۱ یا ان کے حق میں ش۔ یعنی غیر اللہ کے حق میں۔ جسے یوں لیپے یا معبود یا۔ ش۔ یہ شرک فی الالفاظ ف ۸۱

کیونکہ داتا جواد مطلق کا ترجمہ ہے۔ یہ بھی اللہ کی خاص صفت ہے۔ سو اوس کو بزرگ کسی پیر پر اطلاق نہ کیجئے۔ اور جسے خداوند خدایگان

شہنشاہ خاوند اور جیسے مالک الملک شہنشاہ کی صفت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی نے اس کلمہ کو اپنے ہی حق میں ہر رسول مقبول کو

سکھلایا ہے فرمایا ہے کہ قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔ یعنی کہدے اے

اسے مالک بادشاہی کے دیتا ہے تو بادشاہی جس کو چاہے اور چھین لیتا بادشاہی جس سے چاہے۔ پھر ایسے لفظ کے حقیق

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

گوپال کو مذموم سا محسوس ہوا .... پھر اس نے سوچا۔ آخر یہ مرحوم خود ہی تو ہے۔ اگر مردہ جلانے میں تندہی دکھانے۔ تو کھانے کہاں سے؟ اُس نے دیکھا۔ جارج اب آگ کے قریب گھی کا ایک بڑا سا برتن رکھ رہا تھا۔ کہ گھی بخوبی جل جائے

آگ کی شدت کے ساتھ ساتھ اس عورت کا بین بھی شدت پکڑتا جا رہا تھا۔ گوپال کے کان اس مسلسل رونے کے ساتھ اس قدر مانوس ہو گئے تھے۔ کہ جب ایک لمحہ کے لئے یہ آواز دفعتاً رک گئی۔ تو اس کی نگاہیں بے ساختہ اس کی طرف اٹھ گئیں۔ گوپال نے دیکھا۔ وہ اپنا رونا [illegible] ابھی ابھی کچھ لمحہ کر چپ ہوئی تھی۔ اُس کے چہرے پر ایک استفسار تھا۔ اور تھوڑا سا غصہ ـــــ ایک عامیانہ سا انداز۔ گویا وہ الجھن میں نہ بیٹھی ہو۔ جیسے اُس کے باپ کی لاش اُس کی آنکھوں کے سامنے نہ جل رہی ہو۔ جیسے وہ فرطِ غم میں نیم پاگل نہ حرکتیں نہ کر رہی ہو۔ بلکہ ابھی ابھی کسی پھیری والے سے ٹماٹروں کا بھاؤ چکانے کی کوشش کرتے ہٹی ہو۔

وہ یہ تو نہ سن سکا۔ اس نے جارج سے کیا کہا تھا۔ مگر اس نے جارج کا جواب صاف الفاظ میں سنا۔ بی بی جی۔ ابھی آپ کے سامنے سارا گھی آگ میں ڈالے دیتا ہوں۔ گھر تو نہ لے جاؤں گا۔ اور اس نے دیکھتے دیکھتے سارا گھی آگ میں انڈیل دیا۔

آگ تیزی سے جل اٹھی۔ اس کے شعلے ایک دم آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ اور ان شعلوں کے ساتھ دکھیاری بیٹی کے رونے پھر سے بین بھی۔ گویا سچ مچ اُس کا زندہ باپ جلا جا رہا ہو۔ "ارے لوگو۔ میرا بابل تو جل چلا۔ ہائے یہ تو گرمیوں میں ٹوپی اتار اتار پھینکتا تھا! ہائے اب اسے گرمی کیوں نہیں لگتی لوگو ـــــ؟"

"کیونکہ وہ مر گیا ہے" گوپال نے سوچا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہا۔ کہ کوئی بھی محسوس کرنے والا دل موت کے دروازے پر آ کر موت کے سوا اور کسی چیز کے متعلق کیسے سوچ سکتا ہے۔ اُس نے دیکھا جس چبوترہ پر وہ اب تک ٹانگیں لٹکائے بیٹھا رہا۔ اس پر ماتم پرسی کیلئے آئے ہوئے دوسرے لوگ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹے بیٹھے تھے۔ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کچھ ایک ہنس بھی رہے تھے۔ ایک مدھم سی۔ دبی سی۔ شرمسار سی ہنسی۔ گویا انہیں ڈر ہو۔ کہیں مرنے والا ان کی ہنسی سن نہ لے۔ اور ناراض نہ ہو جائے۔ گوپال کے دماغ میں گھسے ہوئے مقرر نے دفعتاً کروٹ لی۔ اور گوپال نے محسوس کیا۔ گویا وہ اپنا ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر ایک ہنگامہ خیز تقریر کرنے کو ہو۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ذرا دور ہٹ کر دو آدمی دھیمے دھیمے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ گوپال بغیر کسی خاص مطلب کے ان کی طرف بڑھا۔ اس کی نظروں نے ایک لاابالیانہ بے اعتنائی سے ان دونوں کو پرکھا۔ ان میں سے ایک بہت موٹا اور بہت کالا تھا۔ دوسرا بہت چھوٹا اور بہت گورا۔ بہت بڑے آدمی کے دانت از حد سفید تھے۔ بہت چھوٹے آدمی کے دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ اور ان پر میل کی ایک پیلی سی تہ جمی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ گویا وہ کسی کام چور جارج کی مجرمانہ لاپرواہی کی وجہ سے کسی جلتی ہوئی چتا سے کھسک آیا ہو۔ بہت بڑا آدمی بہت چھوٹے آدمی کے تناسب کے باعث مضحکہ خیز طور پر بڑا دکھائی دیتا تھا۔ اور بہت چھوٹے آدمی بہت بڑے آدمی کی قربت کے باعث مضحکہ خیز طور پر چھوٹا۔ گویا اجتماعی زندگی نے اس اصول کے مطابق۔ جو دولتمند کو اور بھی دولتمند اور غریب کو اور بھی غریب بنائے جاتا ہے بہت بڑے آدمی نے بہت چھوٹے آدمی کے چھوٹے سے قد سے ایک دو فٹ اور لوٹ کر اپنے قد میں شامل کر لئے ہوں۔

گوپال اُن کے اس قدر قریب آ گیا تھا کہ وہ اُن کی باتیں سنے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ بہت بڑا آدمی کہہ رہا تھا۔ "بابو بھوانی داس ظلم کر گئے۔ کچھ کیا کہتے ہو؟ لو بولو۔ اب اس بچی کے سر پر کون ہاتھ رکھے گا۔ لڑکے کو تو خیر سبھی سنبھالنے کو تیار ہو جائیں گے۔ آخر بڑا ہو کر کمائے گا۔ لائق بنے گا۔ پر لڑکی کی شادی کے لئے کون ذمہ دار بنے؟ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ جس کے در لڑکی کی پرورش ہوتی۔ اس کے نام روپیہ لکھوا جاتے۔ کیوں کیا کہتے ہو؟"

بہت چھوٹے آدمی نے اپنے پیلے پیلے دانت اور بھی باہر نکال کر کہا۔ "جی ہاں! جی ہاں! جی ہاں۔"

بہت بڑے آدمی نے بہت چھوٹے آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "گنڈا مل جی بابو بھوانی داس کو مرتے وقت کسی نے نیک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

الذی خلق فسوی یعنی پاکی بیان کر اپنے سب سے بلند پروردگار کے نام کی۔ جس نے یوں کہا۔ ہمارا رب ہمارا مالک ہمارا خالق ہے۔ ش۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں بہت جا بجا آیا ہے۔ کہ ربنا اور ولینا اور مولینا ہے اور کلام میں جب قسم کھانے کی حاجت ہو تو اسی کے نام کی قسم کھاوے۔ ش۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا ہے کہ من کان حالفا فلا یحلف الا باللہ۔ یعنی جو کوئی قسم کھانے والا ہے۔ مگر نہ قسم کھاوے مگر اللہ ہی کی۔ یہ روایت نسائی کی کتاب میں ابن عمر سے آئی ہے۔ اعتراض۔ فلانے بزرگ فلانے بزرگ کے نام کی قسم کھاتے تھے۔ چنانچہ زید صاحب عمرو صاحب کی کیا وہ مشرک تھے جواب فقہا نے غیر اللہ کی قسم کھانیکو مکروہ اور حرام لکھا ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک ایسی قسم کھانیوالا مرتکب مکروہ اور حرام کا ہوا کہ نہیں۔ اگر تم کہوگے کہ نہیں۔ ہم کہتے ہیں کیا فقہا تمہارے پاس جھوٹے تھے۔ اگر تم کہوگے کہ فقہا سچے ہیں۔ اور فی الواقع یونہی ہے تو وہ بزرگ مرتکب مکروہ یا حرام کا ہوا۔ پس اب تم مختار ہو کہ اس بزرگ کی بزرگی بحال رکھو لیکن مگر اسکی پیروی اس بات میں نہ کرو۔ کیونکہ مکروہ اور حرام میں کسی کی سند نہ پکڑیئے۔ دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ کسی شرک کے کام کو مکروہ کہتے۔ تو وہ شرک نہ ہوگا۔ سو نہیں کیونکہ جو شرک ہو سو مکروہ اور حرام ہے اگرچہ ہر مکروہ اور حرام ہے سو شرک نہیں پھر جو فقہا نے غیر اللہ کی قسم کھانیکو مکروہ لکھا ہے تو تم نے کہاں سے سمجھا۔ کہ وہ شرک نہیں اب جاننا چاہیئے۔ کہ شریعت کی اصطلاح میں غیر اللہ کی قسم کھانیکے یہ معنی ہیں۔ کہ اللہ تعالی کی ذات کی عظمت اور جلال کو خاطر میں لاکر زبان سے اسکی قسم کا لفظ نکالنا کسی کام کے کرنے یا نکرنے پر سو اس مقدمہ میں کوئی اللہ کا شریک نہیں۔ اسی واسطے غیر کی قسم کھانیکی شرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ یعنی جو کچھ رسول نے تم کو دیا سو لو اور جس سے منع کیا ہو۔ سو اس
سے باز رہو۔ لیکن بہت جاہل اپنے پیروں کی تقلید ان باتوں میں کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ ہمارے پیر نے ہمکو [illegible] کھانے سے اور گھیا ترائی کھانے
سے منع کیا ہے ۔ ہم نہ کھائینگے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ ہمارے بزرگوں نے کالے رنگ کی چیز سے ہم کو پرہیز بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہم لوگوں کو راس نہ
ہوگی۔ اور بہت ساری باتیں اسی پر قیاس کر لیجئے۔ اب توحید فی الاطاعت پر توحید فی التصرف کو عطف کرکے کہتا ہے۔ کہ وے ف اور برائی بھلائی ف ٦٩
جو دنیا میں پیش آتی ہیں جیسے قحط اور ارزانی صحت اور بیماری فتح اور شکست اقبال اور ادبار غمی اور خوشی یہ سب انکے اختیار میں سمجھنا۔ جیسے بہت سے
گمراہ لوگ ہندوؤں کے طور پر ایسے کاموں کو اپنے بزرگوں کے تصرف اور ارادے سے سمجھتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلانے لوگوں نے ہمارے پیر کی
نیاز [illegible] میں سے نہ دی۔ انہوں نے اسکی بستی میں قحط ڈال دیا۔ اور فلانا شخص انکی منت چھوڑ دینے سے انکی پھٹکار میں آکر بیمار ہو گیا ۔
اور فلانے انکی نذر ادا کرنے سے مر گیا۔ ایسے مہمل عقیدے رکھتے ہیں۔ اب توحید فی التصرف پر توحید فی العادت کو عطف کرکے کہتا ہے ف ٧٠
کہ وے ف اور زیادہ جس کام پر جازم کرنا تو پہلے اسکے اللہ کے ارادے کا ذکر کر دینا۔ جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ
اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۔ یعنی نہ کہیو کسی چیز میں کہ کل ہونے والا ہوں گا ۔ مگر یہ کہ جو اللہ اگر چاہیگا۔ تو ہم فلانا کام کرینگے
اور اسکے نام کو ایسی تعظیم سے لینا کہ جس میں اسکی مالکیت نکلے اور اپنی بندگی جیسے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی

[illegible]

[illegible] ٧٨

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

لحاظ کرنا - یعنی نہ ان پر سوار ہونا نہ لادنا شی - مگر بن ضرورت کے جیسا کہ صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت نے فرمایا

کہ ارکبھا بالمعروف حتی تجد ظہرا - یعنی سوار ہو ہدی کے جانور پر اگر تو محتاج ہے - اسکی طرف جب تک کہ تو دوسری سواری پاوے اور اس واسطے

حدیث مذکور میں لکھا ہے - کہ ولا یرکبہ مطلقا بلا ضرورۃ فان اضطر الی الرکوب ضمن ما انتقص برکوبہ وحمل متاعہ وتصدق

بہ علی الفقراء - یعنی ہدی پر سوار نہ ہووے بالکل بغیر ضرورت کے اگر اس پر سوار ہونا ہی ضرور پڑ جاوے تو اپنی سواری سے اور اپنا سامان لادنے سے

جتنا نقصان ہوا ہو - اتنے نقصان کا عوض اسپر آ گیا - اور وہ عوض فقیروں کو دیا جانا چاہئے - لیکن حدیث جو ترمذی کے سوا اور صحاح میں ابوہریرہ

کی روایت سے آئی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رای رجلا یسوق بدنۃ فقال ارکبھا فقال یا رسول اللہ

انھا بدنۃ فقال ارکبھا ویلک فی الثانیۃ او الثالثۃ وفی روایۃ انس عند الترمذی فقال لہ فی الثالثۃ والرابعۃ

ویحک وویلک وللنسائی منہ فی الرابعۃ ویلک - یعنی آنحضرت نے ایک شخص کو دیکھا - کہ ہدی کا اونٹ لئے جاتا ہے کعبۃ اللہ کی طرف

سو آپ نے فرمایا کہ اس پر سوار ہولے - اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ کعبہ کے ذبح کرنے کا اونٹ ہے - تو فرمایا سوار ہولے وائے تجھ پر - پھر فرمایا سو دوسری

بار میں یا تیسری بار میں انس کی روایت ترمذی کے نزدیک یوں ہے کہ فرمایا تیسری بار میں یا چوتھی بار میں ویحک یا ویلک اور نسائی کی روایت میں

انس سے یوں ہے - کہ چوتھی بار میں ویلک کرکے فرمایا - علماء نے جو کچھ اس حدیث کے بیان میں کہا ہے اس کا خلاصہ یہ کہ جاہلیت والے لوگ سانڈ اونٹ

صلاح نہ دی۔ لو بولو اب اس معصوم بچی کا کیا بنے گا۔ اس کے چاچانے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ لڑکا سنبھالنے کے لئے تیار ہے لیکن اس کے بس کی بات نہیں۔ ویسے اپنے خون کا کون ہے۔ مگر ہم بھی کیا کریں۔ آخر قبیل دار ٹھہرے۔ کیوں کیا کہتے ہو؟"

بہت چھوٹے آدمی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سنجیدگی سے بولا "جی ہاں۔ جی ہاں۔ جی ہاں"

بہت بڑا آدمی چند لمحوں کے لئے خاموش رہا گویا بہت چھوٹے آدمی کے جواب کی اتھاہ گہرائی میں غوطہ زن ہو۔ وہ اس کی بے لاگ سچائی پر غور کر رہا ہو۔ وہ گویا اس جواب کے وزن کے باعث ذرا نیچے جھک گیا۔ اور آواز دھیمی کر کے بولا "یہی بات ہے گنڈا مل جی۔ چار ماہ کا معاملہ ہو تو ہم ہی رکھ لیں۔ مگر ساری عمر کا ٹھیکہ کون اٹھائے؟"

بہت چھوٹے آدمی کے چہرے پر ایک تبدیلی ہوئی۔ مسکراہٹ نے دبے پاؤں قدم رکھا مگر شاید کھال کی سختی کے باعث فوراً قدم واپس کھینچ لیا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سارا جسم جھلاتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ جی ہاں۔ جی ہاں"

بہت بڑا آدمی اور بھی نیچے جھک آیا۔ اور اس کی آواز اور بھی مدھم ہو گئی "اور ہم تو کہتے ہیں گنڈا مل جی کہ دو چار بڑے بوڑھے اب بھی مل کر لکھا پڑھی کر دیں جس کے سپرد لڑکی ہو۔ اس کے تحفہ کا روپیہ ہو۔ وہی لڑکی کے ہاتھ پیلے کر دے بس قصہ ختم۔ کیوں کیا کہتے ہو ——— ؟"

بہت چھوٹے آدمی نے غور کرنے کے لئے اپنا منہ بند کر لینے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کے ہونٹوں پر اتنا گوشت نہ تھا کہ اس کے دانتوں کو کلیتاً ڈھانپ لیتا۔ البتہ اس ناکام کوشش کے باعث اس کے گالوں کے گڑھے وقتی طور پر اور بھی نمایاں ہو گئے۔ اور اس کی دو تین دن کی داڑھی کے بال کھال کی کھچاوٹ کے باعث اور بھی صاف نظر آنے لگے۔ اس نے اپنی پگڑی کو ذرا پیچھے کی طرف کھسکا دیا۔ اور متفکرانہ انداز میں اپنے گنجے سر کا اگلا حصہ جو اس کے ماتھے اور پگڑی کے درمیان چمک رہا تھا، سہلاتے ہوئے کہا "جی ہاں۔ جی ہاں۔ جی ہاں"

گوپال نے محسوس کیا۔ اس کی روح متلی کر رہی ہے۔ کیا یہ لوگ ان باتوں کے لئے دو ایک دن صبر بھی نہ کر سکتے تھے؟ کیا انہیں مرنے والے کا اتنا لحاظ بھی نہ تھا۔ کہ اس کی جلتی ہوئی لاش کے سامنے تو یہ قصہ نہ لے بیٹھتے؟ کیا دنیا کے سبھی لوگ مردم خور تھے؟ کیا ہر شخص اسی تاک میں تھا کہ موقع ملتے ہی مردے کا جو ہاتھ آئے۔ اسے لے جائے؟

وہ پھر اسی طرف مڑ گیا۔ جہاں وہ پہلے کتنی دیر پیر لٹکائے بیٹھا لاش کو جلتے دیکھتا رہا تھا۔ اس نے دیکھا آگ اب پوری تیزی سے جل رہی تھی۔ اچارج کا کام اب ختم ہو چکا تھا اب اسے صرف اپنی دصولی کرنا باقی تھی۔ وہ چتا سے دور وہیں آ کھڑا ہوا۔ جہاں گوپال اب پھر پیر لٹکائے بیٹھا تھا۔ لکڑیاں اب کلیتاً آگ کے چنگل میں تھیں۔ اچارج چاہتا تو کہہ سکتا تھا میں کب چاہتا ہوں کہ آگ اور لکڑیوں میں یوں ٹھنی رہے۔ میں تو یہاں خود کھڑا ہوں۔ مگر یہ دونوں کمبخت لڑتی ہی رہتی ہیں۔ مگر اچارج نے ایسی کوئی بات کہنے کی بجائے ایک جمائی لی۔ اور زمین پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔

لاش اب پنڈت جی کے سپرد کر دی گئی تھی۔ جو اس کے زادِ راہ کے لئے آخری انتظامات مکمل کر رہے تھے۔ تاکہ جانے والے کو اپنے لمبے سفر میں کسی چیز کی کمی نہ رہے اور نہ کسی آسیب کا خوف رہے۔ مرحوم خوش قسمت تھا۔ کہ وہ دس بارہ برس کا جیتا جاگتا لڑکا چھوڑ چلا تھا۔ جو اسے عمر بھر کھانے پینے کا سامان مقررہ اوقات پر پہنچاتا رہے گا۔ پنڈت جی کے احکام کے بموجب اب یہ لڑکا بڑی تندہی سے آخری رسوم ادا کر رہا تھا پنڈت جی تیزی سے منہ میں کچھ بڑبڑا رہے تھے۔ شاید یہ ویدوں کے مقدس منتر تھے۔ جنہیں گوپال بخوبی سن نہ سکتا تھا۔ اور سن بھی پاتا۔ تو کیا خاک سمجھ لیتا؟ ——— قاعدہ کے مطابق لڑکا چتا کا طواف کر رہا تھا۔ پنڈت جی ہر چکر کے خاتمہ پر باآوازِ بلند "سواہا" کہتے تھے۔ اور اس اشارے پر لڑکا گھی میں بھگوئی ہوئی ایک لکڑی۔ جو پنڈت جی خاص اسی مطلب کے لئے اسے دے دیتے تھے۔ آگ کے سپرد کر دیتا تھا۔ ظاہر تھا کہ

عند الله وهو في الصحيحين عن ام حبيبة وام سلمة ايضاً ذكرتا كنيسة رأتاها الحديث ۰ وفي الصحيحين عن عائشة وعبد الله

بن عباس قال لما نزل برسول الله صلى الله عليه وسلم طفق يطرح خميصة له على وجهه فاذا اغتم كشفها فقال وهو

كذلك لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد يحذر ما صنعوا وفي الصحيح عن ابي هريرة ان رسول الله

صلى الله عليه وسلم قال قاتل الله اليهود اتخذوا قبور انبيائهم مساجد ۰ ولمسلم لعن اليهود والنصارى ثم

قال المغني فاتخاذ المساجد على القبور تعظيماً لها ولهذا اخبر الله عن الذين غلبوا على امر اصحاب الكهف انهم قالوا لنتخذن

عليهم مسجداً ۰ وقد صار التعظيم لها وسيلة الى الفتنة بها فلهذا نهى صلى الله عليه وسلم في آخر حياته ولعن

وهو في السياق فاعل ذلك لان هذا وامثاله هي العلة التي اوقعت كثيراً من الامم في الشرك الاكبر والاصغر

ولهذا تجد قوماً يتضرعون عندها ويخشعون بعبادة لا يفعلونها في مواضع العبادات ولا اوقات الاجابة ويرجون

من بركتها ما لا يرجون في المساجد الثلثة ۰ ان حدیثوں سے ظاہر ہے۔ کہ قبر مبارک جو سب قبروں سے اشرف اور اعلیٰ اور سب زیارت گاہوں سے

بہتر اور اولیٰ ہے۔ سو اس کے حق میں حضرت نے یہ دعا کی ہے۔ کہ بت نہ بنے اس سے ایسی رسوم نہ کیجیے کہ حضرت کی نظر مبارک میں اور جگہوں کا

بت کتنا نا پسند ہو گا اس پہلے جو کہ بت پرست لوگ اپنے بتوں کی تعظیم کے واسطے کیا کرتے۔ سو مسلمان کو نہ چاہیے۔ کہ زیارت گاہوں کو بے

وثنا يعبد اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد قال الشارح قال ابن عبد البر قيل معناه

النهي عن السجود على قبور الانبياء وقيل النهي عن اتخاذها قبلة وقال البيضاوي لما كانت اليهود والنصارى يسجدون

على قبور انبيائهم تعظيما لشانهم ويجعلونها قبلة واتخذوها اوثانا لعنهم ومنع المسلمين عن مثل ذلك وقال الشارح

ايضا لهذا سند وصل الحديث اسنده البزار من طريق عمر بن محمد بن عبد الله بن عمر عن زيد بن اسلم عن

عطاء عن الخدري بلفظ الموطأ واخرجه العقيلي عن ابي هريرة رضي الله عنهم مرفوعا قال ابو عمر واما قوله اشتد غضب الله

فانه محفوظ من طرق كثيرة صحاح وكان ذلك القول في مرض موته قبل وفاته بخمسة ايام لما ذكرت له ام سلمة وام حبيبة

كنيسة راتاها بالحبشة اور حضرت عائشہ رضی الله عنہا سے روایت ہے کہ قال صلى الله عليه وسلم في مرضه الذي لم يقم منه

لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد ولولا ذلك ابرز قبره غير انه خشي ان يتخذ مسجدا اه

وعطا ابن يسار سے رفعه اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد ه مالك ه وفي الصحيحين عن عائشة ان ام سلمة ذكرت لرسول الله

صلى الله عليه وسلم كنيسة راتها بارض الحبشة فذكرت له ما رات فيها من الصور فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اولئك

قوم اذا مات فيهم العبد الصالح او الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا وصوروا فيه تلك الصور اولئك شرار الخلق

روایت میں ہے۔ کہ المساجد بیوت اللہ فی الارض تضیئ لاہل السماء کما تضیئ نجوم السماء لاہل الارض۔ دوسری سب
ساری حدیثیں انکی فضیلت میں آئی ہیں۔ پھر اُس کے کیا معنی کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام تین مسجدوں کے سوا اور کوئی مسجدوں کی طرف سفر کرنے کو تو منع کیا
اور مزاروں کے سفر کو روا رکھا۔ باقی رہا جہاد کا سفر اور تحصیل علم کا اور ہجرت کا سو ضرورت دینی کے سبب مشروع ہے۔ اسی طرح جان بچانے کا سفر اور تجارت
وغیرہ کا دنیا کی ضرورت کیلئے مباح ہے۔ وہ تیسرا اسی حق میں اشتراک فی محض العبادۃ کا کلیہ قاعدہ باندھ کے کہا ہے۔ سو یہ ہے۔ اللہ کی تعظیم کرنی
مخلوق کیلئے وہ تعظیم جزئی ہو یا کلی۔ اس تعظیم کو اس مخلوق کا اصل حق سمجھے یا اللہ کی خوشی کا سبب یہ سب صورتیں شرک کی ہیں۔ پھر ان دونوں قاعدوں
کے مقدمات کی ترتیب سے یہ نتیجہ نکلا۔ کہ جو باتیں اہل کلام اللہ اور رسول کے حکم سے جن کے لئے نکالے جاویں۔ اور شرک فی العبادۃ نہ ٹھہریں۔ یہ مصنف نے انکی
منع کا ہرگز ارادہ نہیں کیا۔ اُس کے کلام سے ایسے امور کی منع کے ارادہ کا گمان کرنا اُس کے خلاف مقصود کو مقصود ماں کے اپنی بے سمجھی یا ہٹ دھرمی کو
ظاہر کر کے آپ ہی رسوا ہونا ہے۔ اور فی الحقیقت مصنف کا ارادہ انہیں کاموں کے منع سے ہے۔ جو اشتراک فی العبادۃ ہووے۔ خواہ جزوی خواہ کلی خواہ
زور زبردستی ان کو خدا اور رسول کے کلام سے کھینچ کر نکال کے شرک شماری میں ختم کرنے کو چاہتے ہوں۔ خواہ اپنی عقل کی تیزی سے اختراع کر کے
چرب زبانی سے اور عوام فریبی سے رواج دیتے ہووے۔ لیکن جو کچھ خدا اور رسول کے کلام سے صاف نکلتا ہووے۔ سو مومنوں کی ہدایت کا سبب ہے
و ایسی باتوں کا مصنف کب منکر ہے۔ وہ تو انہیں کے رواج دینے کیواسطے قلم و دم و قدم قدم سے ایسی وقتیں کوشش کرتا تھا کہ دوسرے عالم

اس کھیل میں از حد لطف آ رہا تھا جس کا اندازہ گوپال نے اس امر سے کیا کہ اس کی خدمات میں شوخی تھی۔ وہ چتا کے گرد گویا ناچ رہا تھا۔ وہ ہر بار لکڑی اس انداز سے تاک کر پھینکتا تھا گویا نشانہ تاک کر تیر پھینک رہا ہو۔ اور جب چکر دل کی مجوزہ تعداد ختم ہو گئی۔ تو اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

گوپال کے دماغ میں چھوٹے سے فقرے نے پھر کروٹ لی۔ اور کچھ بڑبڑانے لگا۔ اور جب اس کی باتوں میں ربط آگیا۔ تو گوپال کے دماغ کے دوسرے حصے نے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا "کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ آخر زندگی موت سے کیوں شکست کھا جائے؟ زندگی پھر زندہ ہے۔ اور موت پھر مردہ۔ یہاں۔ اس مرگھٹ میں۔ زندگی اور موت کے اس سنگم پر بھی۔ جو جانی بوجھی زندگی کی آخری منزل ہے۔ اور انسانی زندگی کا پہلا پڑاؤ۔ اور جہاں موت بظاہر حکومت کرتی ہے۔ اور زندگی خود اُسے خراج دینے آتی ہے۔ زندگی تبسم ہے۔ اور موت ایک بے بس غصے میں دانت پیستی ہے۔ یہاں بھی زندگی بجلی سے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتی ہے۔ موت کا جمود زندگی کی دیوانی حرکات پر غالب نہیں آ پاتا۔ اور باپ کی جلتی ہوئی چتا کے گرد طواف کرتے ہوئے بیٹے کے پاؤں میں زندگی کی تھرکن آ جاتی ہے۔ جھٹانک بھر گھی ضائع چلے جانے کا خیال ہی کرتی ہوئی بیٹی کی مجنونانہ آہ و بکا چند لمحوں کے لئے رُک دیتا ہے اور موت کی منجمد رگوں میں بھی زندگی کی حرارت سرایت کر جاتی ہے۔ زندگی اور موت کی اس ازلی جنگ میں جب آخر کار ہزار موتیں ہزار زندگیوں کا گلا گھونٹ چکتی ہیں۔ اور جنگ کا آخری محاسبہ کیا جاتا ہے۔ تو موت کی وسیع و بلند وادی میں۔ موت کی دست و برد سے بچی ہوئی زندگی پھر رینگ کر ابھرتی ہوئی نظر آتی۔ ہے ایک کونپل کی طرح۔ ایک کلی کی طرح پھوٹتے ہوئے ایک بیج کی طرح!" . . . .

چند لمحوں کے لئے الفاظ اس کے دماغ کی تنگ اور پیچیدہ گذرگاہوں سے جھپٹ جھپٹ کر باہر آتے اور صف آرا ہوتے رہے۔ اس اٹھتے ہوئے بہاؤ میں اس کے ہزاروں ادھ سوچے ادھ سمجھے خیالات بہتے چلے گئے۔ اور ایک وقفہ کے لئے اس کے دماغی نقاد کی آواز دب سی گئی۔ مگر اب الفاظ کے سوتے گویا سوکھے جا رہے تھے۔ اور اس کے تحت الشعور سے اس کے دماغ میں بیٹھے ہوئے نقاد کی آواز ابھر کر اس کے ذہن میں گونجنے لگی: "بہت خوب۔ بہت خوب۔" حتےٰ کہ اس کے دماغ میں صرف ایک احساسِ فتحمندی کے سوا کچھ نہ رہا! اس کے تخیلات کی ندی جس میں چند لمحوں کے لئے گویا طغیانی آ گئی تھی۔ اپنی معمولی سطح پر بہنے لگی۔ ایسے لمحات اُسے ہمیشہ اپنی برتری کا احساس دلاتے تھے۔ اور ان کھوکھلے الفاظ کے مدوجزر کو وہ معراجِ کمال سمجھا کرتا۔ اس نے سوچا میرے الفاظ میں کتنی روانی ہے۔ کاش کہ انہیں کوئی بجنسہٖ لکھے جاتا۔ کاش کہ میری یادداشت اس قدر تیز ہوتی۔ کہ وہ ایک ایک لفظ قابو کر لیتی۔ اس نے محسوس کیا۔ دراصل فنکار بننے کے لئے تخیل سے کہیں زیادہ یادداشت کی ضرورت ہے۔ اور ایک زبردست تنقیدی احساس کی۔ بیشتر لوگوں کو معلوم تک نہ ہوتا ہوگا۔ کہ وہ کیا کیا سوچ جاتے ہیں۔ اور جب میری طرح یہ احساس ہو بھی جاتا ہوگا۔ تو ان کی یادداشت جواب دے جاتی ہوگی . . . . . .

وہ اپنے خیالات کے پایاب بہاؤ سے ڈوب سا گیا۔ اور اس کی آنکھیں کسی اور دلچسپی کے لئے متجسس ہو گئیں۔ اس کی نظریں پاس ہی زمین پر بیٹھے ہوئے اچارج پر پڑیں۔ اچارج نے اُسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اُسے گویا باتوں کی دعوت دینے کے لئے کہا: "اب تو لاش بھی جلنے لگی بابو جی۔ یہ شعلوں کی آواز گوشت جلنے کی ہی ہے۔" اور گوپال نے سنا۔ واقعی آگ سے گوشت بھننے کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی۔

"کیا مُردے کو آگ لگنے میں اتنی دیر لگ جاتی ہے؟" گوپال نے گویا دعوت قبول کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ جب تک لکڑیاں اچھی طرح نہ جلنے لگیں۔ مُردے تک آگ نہیں پہنچتی۔ اسی لئے تو لکڑیاں زیادہ ڈالی جاتی ہیں۔ تاکہ آگ بخوبی روشن ہونے سے پہلے ہی نہ بجھ جائے۔ اور مردہ ادھ جلا نہ رہ جائے۔"

"ایک مردے کے لئے کتنی لکڑیاں درکار ہوتی ہیں؟"

اصحاب کہف "۔ بعیر سوال کے کلام سے ان مبارک مقاموں کو جانیکی خوبی ثابت ہے لیکن اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ ان مقدس جگہوں کی سفر کا منع مصنف کو

مقصود نہیں ہے۔ لیکن ان جگہوں کے سفر کا منع مقصود ہے۔ جہاں کا جانا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے کیونکہ حدیث سے وہاں کا جانا منع نکلتا ہے

جنانچہ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اور لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ کی حدیثوں سے آگے معلوم ہو چکا۔ اور قبر مبارک کی زیارت کے سفر پر اور مقبروں اور زیارت گاہوں کے

سفر کو قیاس نہ کیجئے۔ کیونکہ کسی نبی یا ولی کی قبر کی زیارت کو دور دور سے مسافری کا رنج و تعب کھینچ کے جانیکا حکم شرع سے ثابت نہیں۔ اور صحابہ و

تابعین و تبع تابعین اور چاروں اماموں سے ایسے سفر کی روایت نہیں۔ بلکہ لَا تُعْمَلُ الْمَطِيُّ إِلَّا إِلَى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ اور ایک قصے کی روایت سے جو مسلم میں ہے

سمجھا جاتا ہے کہ ایسے امور کا سفر نہ مقصود شارع ہے نہ پسندیدہ۔ بلکہ منع کی عموم میں داخل ہے۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کی قبروں کی زیارت کے

سفر کا کبھی حکم فرمایا تھا۔ آپ کے وقت میں کون دور دور سے ان مکرم قبروں کی زیارت کو سفر کر کے آتا تھا۔ اسی طرح سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ

کی مزار مبارک کو۔ اور باقی سب شہدائے احد کے مقبروں کو اور بقیع کے متبرک قبروں کو اور امہات المومنین کی قبروں کو قیاس کیجئے۔ کہ ان بزرگ مزاروں

کی طرف نہ کوئی صحابی نے سفر کیا۔ نہ تابعی نے نہ تابع تابعین نے۔ باوجودیکہ شام اور مصر میں انبیائے کرام کے قبور ہیں۔ انکے سفر کا حکم نہ حضرت نے فرمایا نہ صحابہ نے

ویسا سفر کیا۔ علی الخصوص حدیثوں کی رو سے کعبۃ اللہ کے حجر میں اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر اور مسجد خیف کے تئیں کہتے ہیں کہ ستر نبی کی قبریں ہیں۔ کہیں ایسے مکرم مقبروں

کی زیارت کا سفر کرنے کا حکم نہ آیا۔ مگر حج اور عمرے ہی کا سفر کرنیکا حکم ہے۔ پھر اگر کوئی شخص اپنی طرف سے ایسے سفروں کو فرض یا واجب یا سنت ماننے

ف قبر اسمٰعیل فی الحجر … في مسجد الخيف قبر سبعين نبيا رواه الطبراني عن ابن عمر

في حياتي ومحيي ١٣ وفي رواية من حج فزارني في مسجدي بعد وفاتي كان كمن زارني في حياتي - و ١٤ قوله عليه السلام

من لم يزر قبري فقد جفاني - ذكره ابن عساكر في تحفة الزائر - ومنها ١٥ قوله صلى الله عليه وسلم من زارني متعمدا — اشاره زيارت مطلق

كان في جواري يوم القيامة ومن سكن المدينة وصبر على بلائها كنت له شهيدا او شفيعا يوم القيامة

ومن مات باحد الحرمين بعثه الله من الآمنين يوم القيامة ۔ اخرجه ابوداود الطيالسي ومنها ١٦ قوله صلى الله

عليه وسلم من زارني بالمدينة محتسبا كنت له شهيدا او شفيعا يوم القيامة رواه ابو عوانة ١٧ قال رسول الله صلى الله — زيارت بعد ممات

عليه وسلم من زار قبري وجبت وفي رواية حلت له شفاعتي رواه الدارقطني وغيره وصححه جماعة من ائمة الحديث

١٩ وفي رواية من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي ٢٠ ومنها قوله صلى الله عليه وسلم من زار قبري او قال

من زارني كنت له شهيدا او شفيعا ومن مات في احد الحرمين بعثه الله عز وجل في الآمنين يوم القيامة رواه

ابوداود الطيالسي ۔ ٢١ ومنها قوله صلى الله عليه وسلم من زارني بعد موتي فكانما زارني في حياتي ومن مات

باحد الحرمين بعث في الآمنين رواه الدارقطني وغيره ٢٢ ومنها قوله صلى الله عليه وسلم من زارني بعد موتي فكانما

زارني وانا حي ومن زارني كنت له شهيدا او شفيعا يوم القيامة - رواه ابن مردويه ٢٣ ومنها

اخرجه الدارقطني والطبراني وغيرهما وفي رواية من جاءني زائرا كان له حقا علي ان اكون شفيعا او شهيدا يوم القيامة

رواه الدارقطني وفي رواية من زارني الى المدينة كنت له شفيعا وشهيدا - رواه الدارقطني وفي رواية

من زارني في المدينة متعمدا كان في جواري يوم القيامة - اخرجه الحافظ عبد الواحد التميمي ومنها

قوله صلى الله عليه وسلم من مات في احد الحرمين بعث من الآمنين يوم القيامة ومن زارني محتسبا

الى المدينة كان في جواري يوم القيامة رواه البيهقي - ومنها قوله صلى الله عليه وسلم من حج الى مكة

ثم قصدني في مسجدي كتبت له حجتان مبرورتان رواه الديلمي في مسند فردوس ومنها قوله صلى الله عليه وسلم

من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني ومن وجد سعة ولم يفد الي فقد جفاني ما من احد من امتي له سعة

ثم لم يزرني وليس له عذر فقد جفاني الا من له عذر وقوله صلى الله عليه وسلم لا عذر لمن كان له

سعة من امتي ولم يزرني اخرجه ابن عساكر بمعناه عن انس ومنها قوله صلى الله عليه وسلم من

حج فزار قبري - ومن حج وفي رواية فزارني بعد وفاتي عند قبري كان كمن زارني في حياتي رواه الطبراني

والدارقطني والبيهقي وابن عساكر عن ابن عمر - وفي رواية من حج فزار قبري بعد موتي كان كمن زارني

اس حدیث میں اتنا ہی ہے۔ پس اگر تمہارے نیک عمل ہونگے۔ تو اللہ کا شکر کرونگا۔ اور تمہارے بد عمل ہونگے۔ تو جناب الٰہی میں عرض کرونگا کہ یا غفور الرحیم انکے گناہ بخش دے۔ یعنی ان کے گناہ بخشے جانے کے سبب جو شریعت محمدی میں مقرر ہیں۔ سو مہیا کر۔ سو بڑا سبب توبہ ہے یعنی گناہ سے پھر جانا باستیفائے آئندہ پھر گناہ نہ کرنے کا عہد مضبوط اور نیت درست کرنی اس پر۔ خدا نے فرمایا ہے۔ یہ باتیں کہاں اور مراد مانگنے کا خیال کہاں۔ اب باقی رہا آپ کے حضور میں حاضر ہونا اور آپکے گناہ کی بخشش اللہ سے مانگنا سو یہ دونوں باتیں زیارت شریف کو آنے سے۔ اللہ کے پاس استغفار کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ تو امید قوی ہے کہ گناہ بخشے جاتیں۔ اور قیاس بھی یہ ہے۔ دوسری آیت ہے کہ مَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے وطن چھوڑ کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آ ملے اسکو موت تو ٹھہر اس کا اجر ہو چکا۔ اللہ کے اوپر اللہ گناہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس آیت کے اشارے سے بھی زیارت مقدس کا فائدہ آخر وہی نکلتا ہے اس طرح کہ اپنا گھر ور چھوڑ کے رسول کی طرف جانیوالے کا اجر غفور الرحیم کے یہاں ثابت ہوتا ہے۔ ہجرت میں زیارت اور ملاقات کا معنی بھی ہے اس لیے ان معنی سے یہی اجر ثابت ہو سکتا ہے۔ چوتھا یہ کہ احادیث بہت ثبوت کے زیارت مطہر کی ترغیب میں آئی ہیں۔ اس میں کوئی صحیح بھی ہے اور باقی سب مل کر حد حسن کے درجے کو پہنچ سکتی ہیں۔ اور کئی حدیثیں زیارت مبارک کے سفر کی ترغیب طرف بھی اشارہ رکھتی ہیں۔ وہ حدیثیں یہی ہیں۔ قال رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَنِيْ زَائِرًا لَا تُعْمِلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ شَفِيْعًا لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اچارج نے اپنے بہترین کاروباری لہجے میں کہا: "یہ تو صاحب اپنی حیثیت پر منحصر ہے۔ اب بابو بھوانی داس کے لئے دس من لکڑیاں پڑیں۔ وہ سامنے درختوں کے نیچے جو مردہ جل رہا ہے۔ پانچ من میں جلا۔ پورا ہوا تھا۔ اور لکڑیاں ٹھہریں مہنگی۔ بابو جی۔ آجکل تو غریبوں کے لئے عزت سے مرنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ یہ دیکھئے۔ کہ اچھے دنوں میں آکر آپ ریشمی کفن بھی پہناتے۔ تو بھی بیس پچیس روپے میں مردہ شان سے جل جاتا ہے۔ بہت ہوا کسی نے ایک آدھ من صندل ڈلوا دیا۔ بیس پچاس اور اٹھ گئے۔ مگر آج کل تو صاحب معمولی مردہ ساٹھ ستر سے کم میں نہیں جلتا۔"

گوپال نے سوچا۔ کیا خوب۔ گویا موت بھی روپوں میں جانچی تولی جاتی ہے۔ مُردے بھی امیر و غریب ہوتے ہیں۔ اور پھر بھی لوگ کہتے ہیں۔ سیاست جدا چیز ہے معاشیات جدا چیز۔ مگر اُس نے اچارج سے اِس بارے میں گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور اُس کی بجائے پوچھا "کیوں لکڑیوں پر کافی خرچ آجاتا ہے؟"

اچارج کی زبان اب کھل گئی تھی۔ بولا: "جی صاحب۔ لکڑیوں کا کیا پوچھتے ہو۔ بس یہ سمجھئے کہ دنیا میں ہر طرف لوٹ ہی لوٹ ہے جس کا داؤ چل گیا اُس نے لوٹ لیا۔ ہم نے تو صاحب سبھی کو لٹتے دیکھا ہے۔ لوٹتے کسی کو نہیں دیکھا۔ بازار جاؤ تو کنجڑا لوٹتا ہے حلوائی لوٹتا ہے۔ کریانے والا لوٹتا ہے۔ گھر آؤ تو بیوی لوٹتی ہے بچے لوٹتے ہیں۔ شادی بیاہ ہو۔ تو رشتہ دار لوٹتے ہیں۔ دوست یار لوٹتے ہیں بس داؤ چل جانے کی بات ہے۔ اور کوئی مر جائے۔ تو تم لوٹتے ہو۔ پھر شکایت کیسی؟"

اچارج شکایت آمیز لہجے میں بولا: "نہ صاحب ہم تو اپنی محنت کی کمائی کھاتے ہیں۔ مرنے سے لیکر پھول چننے تک۔ کریا کرم۔ دھرم شاستر کی طرح ساتھ لگے رہتے ہیں۔ دھرم سے کہتا ہوں۔ ہم نہ ہوں۔ تو لوگوں کو پتہ نہ لگے۔ کہ مُردے کا کریں کیا۔ [illegible] آپ دیکھئے نا۔ ان گیلی لکڑیوں کو کوئی مائی کا لال جلا کر تو دکھائے!"

گوپال بولا: "پر میں تمہاری بات سمجھا نہیں۔ ہم بات کر رہے تھے لکڑیوں کی قیمت کی۔ اور تم ذکر لے بیٹھے ہو لوٹ مار کا۔"

اچارج ایک ٹانگ پسار کر، دونوں ہاتھوں سے گھٹنا دبانے لگا۔ بولا: "وہی تو بات ہے نا جی۔ یہ لکڑی جو چتا میں جل رہی ہے گیلی ہے۔ بازار میں اس کا ڈیڑھ روپے من کا بھاؤ ہے اور ٹھیکیدار یہاں بیچتا ہے اڑھائی روپے من۔ یوں سمجھئے کہ ہر مُردے کے پیچھے ٹھیکیدار پانچ سات روپے کھرے کر لیتا ہے۔ اور لکڑیوں کا باقی نفع علیحدہ۔" یہ کہہ کر اُس نے دوسری ٹانگ بھی پسار لی۔ اور اپنی چلم نکال کر اُسے سلگانے کی فکر کرنے لگا۔

گوپال نے محسوس کیا۔ اُس کے دل میں ٹھیکیدار کے خلاف بے انداز غصہ ابل رہا ہے۔ اس نے اچارج سے کہا: "بڑا خبیث ہے یہ ٹھیکیدار۔ ایسے آدمیوں کو گولی مار دینی چاہئے۔ ایسے لوگ انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ ہیں اور سوسائٹی کے بدترین دشمن۔"

اچارج نے کہا: "رام رام۔ یہ بات نہیں بابو جی۔ بڑا بھاگوان آدمی ہے۔ ہزاروں کا تو دان سال کے سال کر ڈالتا ہے۔ گئوشالہ کھلوا رکھی ہے۔ پاٹھ شالہ اسی کے سر پر چل رہی ہے۔ شہر میں بڑی عزت ہے۔ کمیٹی کا ممبر بھی ہے۔ ہر ایک سے ہنس کر ملتا ہے۔ کسی کو دکھ دیکھ ہی نہیں سکتا۔ ایسے دھرماتما تو بہت کم ہوتے ہونگے۔"

گوپال نے کہا: "کمینہ ہے جی کمینہ۔ ہزاروں روپے لوٹ کر اس میں سے سو پچاس دان کر دئے۔ تو کون سا تیر مارا۔ تم تو خیر مجبوری سے مُردوں کا کام کرتے ہو۔ یہ آدمی ہزاروں روپے ہوتے ہوئے یہ خباثت کرتا ہے۔"

اچارج ہنس کر بولا: "مجبوری سے کیوں کرتا ہوں بابو جی۔ اپنا بزرگوں کا کام ہے۔ دال روٹی اچھی مل جاتی ہے۔ نہیں اور تھوڑے کام ملتے ہیں؟ اور بابو جی۔ جو ٹھیکیدار یہ کام نہ کرے۔ تو ہزاروں کہاں پائے۔ اور پھر یہ تو ٹھہری دکانداری۔ دکانداری میں یہ سب تو ہوتا ہی ہے۔ بابو جی۔ ورنہ دنیا کا کام دھندا کیسے چلے؟"

گوپال نے سوچا یہ شخص ٹھیک کہتا ہے۔ تہذیب کا انحصار لوٹ کھسوٹ پر ہی تو ہے۔ منظم لوٹ کھسوٹ پر اگر دیکھا جائے۔ تو اِس

میں نے کہا طور سے — تو اس نے کہا کہ میں تمہیں اگر وہاں سے آگے پاتا — تو تم ادھر کو نکلنے نہ پاتے — میں نے پیغمبر خدا کو فرماتے سنا کہ لا تعمل المطی الا الی المسجد الحرام

والی مسجدی هذا والی مسجد ایلیا او بیت المقدس — ابو ہریرہ نے کہا — کہ بعد میں نے ملاقات کی عبد اللہ بن سلام کی پھر اسکو سنایا اپنا ملنا

کعب الاحبار کے ساتھ اور جو حدیث کہ میں نے سنائی تھی اسکو جمعہ کے روز کے باب میں سو کہا میں نے کہ کعب نے کہا — کہ وہ ساعت ہر برس کی ایک دن ہے — عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ جھوٹ

کہا کعب نے — تب میں نے کہا — کہ پھر کعب نے توریت پڑھ کے کہا بلکہ وہ ہر جمعہ میں ہے — تو عبد اللہ بن سلام نے کہا — کہ کعب نے سچ کہا — کہ میں نے جانا ہے اس ساعت کو

کہ کون سی ہے — ابو ہریرہ نے کہا — کہ تب میں نے کہا اسکو کہ مجھے اسکی خبر دو — دریغ نہ کرو — عبد اللہ بن سلام نے کہا — کہ وہ پچھلی ساعت ہے جمعہ کے دن کی — ابو ہریرہ نے

کہا تب میں نے کہا — کہ وہ کیونکر پچھلی ساعت ہوگی جمعہ کے دن کی — رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے — کہ جو بندہ مسلمان نماز کرتے ہوئے اسکو پاوے الی آخر

اور اس ساعت میں تو نماز نہیں کی جاتی — تب عبد اللہ بن سلام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا — کہ جو کوئی ایک نشست بیٹھے جس میں انتظار کرتا ہے

نماز کی سو وہ نماز ہی میں ہے — ابو ہریرہ نے کہا کہ میں نے کہا کیوں نہیں — کہا کہ پس وہی ہے — اس حدیث کو مالک و اصحاب نے روایت کی ہے — اور اس

حدیث کی رو سے صحت ترجیح ہے حدیث ایک زمان ہی اس واسطے یہ حدیث مدینہ مشہور کے درجے سے نقلاً و معناً بڑھکر ہے — اور دلالت کرتی ہے

اس پر — اور اسکے بموجب عمل کرنا واجب ہے — اور جس کام کی نہی آئی — اسکا کرنا حرام ہے — پھر ان مقبول کا خلاف کرنا حرام ہوا — مگر جو جھوٹے اور اٹکی سیدھی

باتوں سے مثال دینے کی ضد ہی نہیں — پھر جو لوگ اجمیر اور کلبرگہ اور ناگور اور کہیں اپنا دیار جاتے ہیں حمایت وغیرہ کے مزاروں کو اور سوا اسکے جو [illegible]

اپنی انگلیوں میں انگلیاں ملا کے نکالیں۔ اور کہنے لگے کہ ایسا۔ پھر اگر توبہ کرے تو اس کا ایمان الٹ آتا ہے۔ اور انگلیوں میں انگلیاں بیچ دیوے

ف ۹۱ اور ابو عبید اللہ نے کہا۔ کہ وہ کچا مومن نہیں رہتا۔ اور اس کا ایمان کامل نہیں رہتا۔ پھر جو کوئی مزاروں وغیرہ مزارات کی زیارت کو۔ یا ایسے مکان میں دور

دور سے قصد کر کے جاوے۔ ش کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی ۔ امام جلال الدین

سیوطی نے کہا۔ کہ اس حدیث کو امام احمد نے اور بخاری نے اور مسلم نے اور نسائی نے اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے لایا ہے۔ پھر امام احمد اور بخاری نے اور مسلم نے اور ترمذی نے

اور ابن ماجہ نے اور ابو سعید خدری سے اور پھر ابن ماجہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے انتہیٰ ۔ اور امام مالک نے موطا میں یزید بن عبد اللہ بن اسامہ بن الہادی اللیثی سے

اس نے محمد بن ابراہیم الحارث التیمی القرشی التابعی المدنی سے اور اس نے ابی سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف سے اور اس نے ابوہریرہ سے یہ روایت کی کہ انہ قال خرجت الی الطور

یعنی انہوں نے فرمایا کہ میں طور کی طرف کو نکلا۔ سو کعب الاحبار کو دیکھا پایا۔ تب اس کے ساتھ بیٹھا۔ سو اس نے مجھ کو توریت کی باتیں کہنے لگا۔ اور میں اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

حدیثیں سنانے لگا۔ پھر ان میں سے جو حدیث سنا تھا سو یہ تھا۔ کہ میں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بہتر دن جس میں آفتاب نکلا ہو۔ سو جمعہ کا دن ہے۔ روز جمعہ کی

حقیقت پھر یا جانور نہ ہوگا۔ جو جمعہ کے دن گھڑی نہ ہوگا۔ اس دن کی بابت خوف سے بیٹھے آفتاب نکلنے تک قیامت کے ڈر سے مگر جن اور آدمی اور جمعہ میں ایک ساعت ہے

کہ کوئی بندہ اس کو نماز پڑھتے نہ پاتا ہے۔ اور اللہ سے کچھ مانگتا ہے۔ مگر کہ اللہ اس کو وہ چیز دیتا ہے۔ کعب نے کہا کہ وہ بات ہر برس میں ایک دن ہے۔ میں نے کہا۔ کہ بلکہ ہر جمعہ میں ہے۔ تب کعب نے

توریت پڑھی سو کہنے لگا۔ کہ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ابوہریرہ نے کہا۔ کہ پھر میں نے ملاقات کی بصرہ بن ابی بصرہ الغفاری سے تو کہنے لگا کہ تم کہاں سے آئے ہو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

رہے قریب کہ امام کو شریک رہنا ہو نمازی کی مانند کسی کا ہاتھ باندھنا مصنف نے اپنے اور ابھی - اثر آئے پر روروں اور پڑتے میں شریک اتفاقاً ف ٦٠

کہ زیارت مسعود علیہم - پوچھے ان سے یہ + ہے شریک اور کرنا منع کو سب - کھڑے کے باندھ ہاتھ میں زیارت کی مبارک قبر کہ - ہیں کہتے مخالف اور اسد

مقرر کر گئے ہیں - اسکو فرض و واجب نے باشعبان - یا اصحاب عظام نے - یا اہل بیت کرام نے - یا حضرت نے فرمایا ہے کا حکم دینے کے کھڑے باندھ

یعنی ایک - ہوگا دیا کر خاک پر جان کی زمانہ اہل تو - ہوگا کیا ادب کا باندھنے ہاتھ میں مبارک زیارت نے عالم کسی اگر جاتا ہے کہ نکلتے حرف یہ پھر - ہیں تو راست

کامل یہ ہے کہ باندھ ہاتھ نہیں کہتے لوگ ایسے جبکہ تشریف زیارت پھر - ہے گئی ہو عالمگیر بات یہ اور - ہیں سمجھتے ادب سے دل اپنے کو باندھنے ہاتھ اکثر ور رہ کہ تھا

البتہ ان کے حقیقی ہاتھ باندھنا ہی ادب ہے - اگر در اصل آداب میں یہ بھی ہاتھ باندھنا داخل نہیں تھا - بلکہ گالی حدیث سے موجب ہاتھ باندھنا ہی منع نبوی

ومداومت ہے - اور یہ مثل مشہور ہے کہ الْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَب - اور اگر کسی نے یہ کہا ہے - کہ ایسے کھڑے رہتے جیسے نماز میں - تو مراد اس سے ہرگز

پرستش نہیں - بلکہ مقصد یہ ہے کہ بے پروائی سے نہ کھڑے رہے - کھڑے ادھر ادھر نظر دوڑا کر - باتیں نہ کیجئے اپنی تماشا نہیں + باتیں اہم ساتھ ہو کر

تو نظر اور کہیں - یہ صورت البتہ بے ادبی ہے - زائر کو چاہئے - کہ دل سے سلام کر کے کھڑا رہے نہ سے بیتاب کا - لیکن اگر پرستش کے ارادے سے ہاتھ باندھ

تو البتہ شرک ہوگا جیسا تو ہین اور تحقیر کی حیثیت سے ہاتھ لگانے کو باندھنا سمجھا - تو کافر ہوگا - اگر ارشاد نبوی کی اطاعت سے ہاتھ نہ باندھتا تو اسکی کچھ خطا نہیں

یہ مومن ہو اور مجنوں پیدا ہوتا ہے - اسکی تکفیر کرنا ہی کافر ہے - اور یہی تو اسے ہی ہو در کھتے + فقہ مختصر جو کوئی مرادوں یا تعاون رکھ سکتے ہیں

[illegible] کو یا کسی تھان کو یا کسی کے مقبرہ کو یا کسی کے مکان کو یا کسی کے تبرک کو یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے یا رکوع کرے - یا ان کے نام کا روزہ رکھے

یا وہاں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہووے تب سوا اس کے کیا نسبت اور اس عمل کے [illegible] کے موافق اس [illegible] کا شرک ثابت ہوتا ہے - گو کہ حضرت نے اپنے حضور میں کسی کو

ہاتھ باندھ کے کھڑا کیا نہ کسی صحابی کو کہتے تھے - تابعی تبع تابعین نے نہ کسی مجتہد نے - سیوطی نے تاریخ الخلفا میں لکھا ہے - کہ متوکل عباسی کے زمانے میں احمد بن معدل نے

[illegible] علما کو سامنے کھڑے رہنے [illegible] جب [illegible] آیا - تو احمد بن معدل [illegible] تنہا بیٹھا رہا - تب متوکل نے عبید اللہ [illegible] سے کہا

کہ یہ شخص ہماری بیعت کو لازم نہیں جانتا ہے - اس نے کہا - کہ جانتا ہے اے امیر المومنین - لیکن اس کی بینائی میں خلل ہے - احمد بن معدل نے کہا - کہ اے

امیر المومنین میری بینائی میں خلل نہیں ہے - مگر میں چاہا کہ تم کو عذاب سے بچاؤں - اسی واسطے تمہاری تعظیم کو نہیں اٹھا - کیونکہ پیغمبر خدا نے فرمایا - کہ من احب ان

يتمثل له الرجال قياما فليتبوأ مقعده من النار ۰ یعنی جس کو پیارا لگے - کہ اس کے سامنے لوگ تصویر کی طرح کھڑے رہیں - سو ٹھیرا لے اپنی جگہ دوزخ میں

تب متوکل اس عالم کے پاس جا بیٹھا - حاصل یہ ہے کہ [illegible] سے [illegible] ہو گئی ہے کہ بڑے کے سامنے کھڑے رہتے ہیں [illegible] میں [illegible]

[illegible] مذہب کا تو عجب ہے - پیر جیسے نماز میں ہاتھ باندھے رہتے ہیں - ویسے ہی ہاتھ باندھ کر کسی کی مورت کے آگے کھڑے رہنا [illegible]

خالی نہیں [illegible] اور [illegible] کو وقت [illegible] اور خشوع اور خضوع سے [illegible]

کھڑے رہتے ہیں - نہ نماز میں بھی یہی کھڑے نہیں ہوتے - اور اس کام میں یا اس کام کی رضامندی اللہ [illegible]

ویسے طواف کعبۃ اللہ کا خاص ہوا ہے چنانچہ اس مسئلے کو شیخ عبدالحق رح نے جذب القلوب میں لکھا ہے۔ سو اسکی عبارت یہ ہے۔ از زیارت آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پس پای رفتن در وقت وداع از آداب شمردہ اند۔ بخلاف وداع مدینۃ اللہ کہ سنت و آنجا در وقت وداع پائے پس رفتن ست تا بیرون مسجد
ہیچ جا نقل نکردہ اند کہ در عہد آنحضرت اصحاب در وقت وداع اینچنین میکردند۔ انتہی۔ اور حرم اسیطرح بندگی کی علامت ہے۔ یا علامت کعبۃ اللہ کو حرام کا
حرم ان کے دیر انکے گرد و پیش کا جنگل کا ادب کرنا۔ ش خدا اور رسول کے فرمودے سے نہ اپنے دل کی غرض سے۔ یعنی وہاں شکار نہ کرنا۔ درخت نہ کاٹنا
گھاس نہ اکھاڑنا مواشی نہ چگانا۔ یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کیلئے اپنے بندوں کو بتائے ہیں ش جاننا چاہیے کہ اللہ نے بندوں کو حکم بتانے
کی کئی طرح ہیں۔ ایک خاص کلام سے جو رسول پر نازل ہو۔ دوسرا رسول کے کلام سے۔ تیسرا رسول کے نائبوں کے ابھرنے سے جو رسول کے فرمانے کے موافق
اللہ ہی کے حکم کا نشان ہے۔ چوتھا سچے مجتہدوں کی سمجھ سے جو رسول کی فرمودے سے اللہ کے حکم پانیکا ایک رستہ ہے۔ پانچویں ان قاعدے
کلیہ سے کہ اعتقادوں اور عبادتوں اور معاملوں میں کافروں کی یا اہل بدعت کی مشابہتوں سے بچتے جاویں اس بات میں مجتہد اور عامی دونو برابر ہیں
جیسے سب کچھ معلوم ہو چکا۔ تو جانئے از انکہ مصنف کو شرک اکبر و اصغر خفی و جلی سے بچانا اور دوسروں کے بچانے کی تدبیر کرنی منظور تھی۔
اس لئے ان سب موردوں سے ممنوع اور مشروع ہیں سو کاموں کے باب میں یہ کہا۔ کہ یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کیلئے اپنے بندوں کو بتائے ہیں۔
پھر جو کوئی شخص خدا اور رسول کے حکم بغیر یا نفس و شیطان کے اغوا سے۔ جیسے کسی پیر پیغمبر یا بھوت و پری سے یہ معاملہ کرے یا کسی کی تھان

خرید کر کے مسلمانوں کیلئے سبیل کر دیا تھا حضرت نے ان کے بدلے میں انکو جنت کی خوشخبری دی ہے۔ اور اس کنوے کے حق میں فرمایا ہے کہ
نِعمَ القَلِيبُ المُزَنِيِّ۔ یعنی بہتر کنواں ہے مزنی کا کنواں ہے۔ چوتھی بیر بضاعہ اسمیں بھی حضرت نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی لعاب مبارک سے ملا
کر ڈالا ہے۔ اسی کنوے کے باب میں حدیث آئی ہے۔ کہ الماء لا ینجسہ شئ مدینہ کے لوگ اس کے پانی سے بیماروں کو نہلایا کرتے
اور اب بھی مبارک سمجھ کر پیتے۔ پانچویں بیر بضاعہ حضرت نے اپنے سر مبارک کو بیری کے پتے سے دھو کے وہ پانی اس کنوے میں ڈالا ہے۔
چھٹے بیر جار حضرت نے اس کا پانی نوشجان فرمایا ہے۔ ساتویں بیر عقص حضرت نے اس کے پانی سے وضو کیا ہے۔ شاید نوش بھی فرمایا ہو
ان کنوؤں کا پانی پینا اور مبارک سمجھنا حضرت کے قول و فعل کی اقتدا کی جہت سے ہے۔ نہ اس واسطے کہ قبر مبارک کی اطراف رہنے سے یا
مدینے میں ہونے کے۔ اور کعبۃ اللہ ٹھیرا کے اس میں کنوئیں ہو نیسے زمزم کے قائمقام بنتے ہیں۔ یا لوگوں نے اپنے اختراع سے کعبۃ اللہ کے کنوے کے
مقابل ٹھیرا لیا ہے۔ یہ سب کچھ نہیں۔ بلکہ حضرت کے قول و فعل ہی سے ان کنوؤں کی فضیلت ثابت ہے۔ برخلاف اور مزاروں کے کنوؤں کے
کہ لوگوں نے انکی تعظیم اور اپنی فضیلت سے اپنی جانب سے تراش کے کعبۃ اللہ کے کنوے کی سی مان رکھے ہیں۔ سو البتہ یہ شرک اعتقادی اور فعلی
ہو سکتا ہے۔ اس واسطے مصنف نے اس کا اشارہ کیا۔ الحاصل مصنف کی باتوں سے مدینہ مبارک کے کنوؤں کا انکار نہیں نکلتا۔ مفسد حاسد ونے ابن نکمرو
کے بدنام کرنیکو اور اسکی نصیحت راہ پر آنیوالوں کی بہکانے کو انکی بندش اٹھا رکھی ہیں۔ اللہ انکو نیک توفیق دے۔ اور کچھ سے ہم خصمت ہونے وقت

سماتَ بِمَکّۃَ۔ یعنی حضرت عائشہ زمزم کا پانی بیجاتی تھیں اور فرمایئں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی لیجاتے تھے مکہ سے مدینے کو۔ اور حضرت کے حمزہ

بھی یہ بات کہ بکہ ادب میں واخل تھی صحابوں نے بھی کہ بہ سے حضرت کی وقت ایسا ہی کیا ہے۔ اور اس کنوے کی تعریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت

آئی ہے۔ کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خَیْرُ مَاءٍ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مَآءُ زَمْزَمَ فِیْہِ طَعَامُ الطُّعْمِ وَشِفَآءُ السُّقْمِ وَشَرُّ مَآءٍ عَلٰی

وَجْہِ الْاَرْضِ مَآءُ وَادِیْ بَرَھُوْتَ۔ یعنی پانی بہتر زمین پر ہے۔ سو پانی زمزم کا اس میں غذا ہے کھانے کے مزہ رکھنے والوں کی اور شفا ہے

مرض کی اور سبب برا پانی ساری زمین کے پانیوں میں کا برہوت کے کنواں کا پانی ہے۔ غرض زمزم کی فضیلت ان سب باتوں میں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

فرمانے سے اور تبرک کرکے برتنے سے اور خود دو پیجانیسے ثابت ہوئی ہے۔ پھر جس جس کی فضیلت حضرت کے موافق قول فعل تقریر و اشارت

سے ثابت ہووے سو بیشک سب نے سب مقبول ہے۔ اور مدینہ منورہ کے کئی کنووں کی فضیلت حضرت ہی کی جانب سے ثابت ہوئی ہے ۔ ۵۹

جیسے بیر بیس جس میں آپ نے اپنا لعاب مبارک ڈالا ہے۔ اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور ذی النورین کو اسی کنوے پر بہشت کی خوشخبری دی

دولتی میں حضرت کی مبارک انگوٹھی ذی النورین کے ہاتھ سے انکی خلافت کے وقت میں گرکے گم ہوگئی۔ دوسری بیر غرس جس میں آپ نے اپنے وضو کا

بچا ہوا پانی اور لعاب مبارک بھی ڈالا ہے۔ اور اسکو بہشت کا ایک کنواں کرکے خواب میں دیکھا ہے۔ اور بیشک اسی پانی سے اپنے غسل

دینے کی وصیت کی ہے۔ اور حیات شریف میں اس کا پانی نوش جان فرماتے رہے۔ تیسری بیر رومہ قُلَیْبُ الْمُزَنِیْ بھی کہا کرتے ہیں۔ اسکو ذی النورین نے

نظام کی بنیادیں درحقیقت مردم خوری پر قائم ہیں۔ زندگی کے دسترخوان پر انواع و اقسام کے چنے ہوئے کھانے دراصل موت ہی کی کئی شکلیں ہیں۔ اور زندگی مُردوں کی ضیافت اُڑا کر ہی زندہ رہتی ہے۔ اگر ہم زندہ ہیں تو کسی دوسرے انسان کی جسمانی۔ اخلاقی، دماغی۔ روحانی موت کے سہارے۔ دنیا بھر کی حکومتیں اُن گلتے ہوئے۔ سڑتے ہوئے جسموں پر قائم ہیں۔ جن کے ناسوروں سے رِستا ہوا پانی اُن کیلئے آبِ حیات ہے۔ اور جن کی صحت اُن کی موت۔ دنیا کے ضابطے آزادی کی موت کی وجہ سے زندہ ہیں۔ دنیا کا کاروبار انسان کی اخلاقی موت کا مرہونِ منت ہے۔ دنیا کے کارخانے مزدور کے تھکے ہوئے۔ اکڑے ہوئے جسم کی بالاقساط موت کے سہارے چلتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ اس کی خودداری کی موت کے بل بوتے پر۔ ہر غریب جو پیدا ہوتا ہے اپنے بزرگوں سے یہ امید رکھتا ہے۔ کہ وہ مر جائیں۔ تاکہ وہ جی سکے۔ اور جب وہ اُس کی امید کے مطابق مر جاتے ہیں۔ تو وہ خوشی چھپانے کے لئے روتا ہے۔ ماتم کرتا ہے....

ایک بار پھر اُسے خیال آیا۔ کاش کوئی میرے خیالات بجنسہٖ قلمبند کرتا جائے۔ پھر دفعتاً اُس کے دماغ میں ایک خیال کوند گیا۔ کیوں نہ وہ ایک افسانہ لکھ ڈالے۔ جس کا ہیرو وہ خود ہو۔ اور مقام مرگھٹ۔ مرگھٹ میں کھڑے کھڑے وہ موت اور زندگی کے موضوع پر سوچتا جائے سوچتا جائے۔ اور وہ تمام تقریریں جو اُس کا دماغ صبح سے کئے جا رہا تھا اُس میں پرو دی جائیں۔ اس افسانہ کو سو فیصدی ترقی پسند بنانے کے لئے اس میں مزدور اور سرمایہ دار کی کشمکش کی طرف اشارے کئے جائیں۔ اچاریج کے منہ سے اُس معاشرتی بے انصافی کے خلاف ایک دھواں دھار تقریر کرائی جائے جس کے باعث ٹھیکیدار کو سماج اس قدر عزت بخشتی ہے۔ اور خود اسے نجس سمجھ کر چھونے سے بھی انکار کر دیتی ہے......

اُس کے تخیل نے اس اشارے پر حیرت انگیز تیزی سے عمل کیا۔ اور وہ تمام فقرے جو اُس نے مرگھٹ میں بیٹھے بیٹھے سوچ ڈالے تھے تیزی سے اس کے کانوں میں گونج گئے۔ اب اُس کے دماغ کے دونوں حصے جو ہمیشہ ایک دوسرے کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے تھے۔ کلیتہً ہم آہنگ ہو گئے تھے۔ اس کا دل فنی تعبیر کی خوشی سے معمور ہو گیا۔ اس کے تحت الشعور میں اُس کے شعور کی طرح تیزی سے خیالی رَویں چلی گئیں۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اُس ادبی جریدے کا ورق پھر گھوم گیا۔ اور ان دوستوں کے حیرت زدہ چہرے بھی جو اُس کی ادبی کاوشوں کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے۔ اور پھر دراز قد سبیتا کی شبیہہ بھی اُس کی آنکھوں کے آگے پھر گئی۔ اور اُس کے متناسب چہرے کی فتحمندانہ مسکراہٹ بھی۔ اور اُس کی بڑی آنکھوں کی فخریہ نظریں بھی کبھی کبھی یہ خیالات بھاگ کر ایک سنسنی کی صورت میں اس کے شعور میں بھی آگھستے۔ اور اُس کے شعوری خیالات کا تسلسل چند لمحوں کے لئے ٹوٹ جاتا۔ مگر اُس کے تیز رو الفاظ کے سامنے یہ تمام بند ٹوٹتے چلے گئے۔ اور اس کا افسانہ اس کے ذہن میں مکمل ہوتا چلا گیا۔ ایک لمحہ کے لئے وہ اس خیال سے رُک گیا۔ کہ اُس کے افسانہ کا انجام کیا ہوگا۔ مگر پھر اس خیال سے اُسے ڈھارس ہوئی۔ کہ ترقی پسند افسانے میں عروج یا انجام کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اُسے جہاں چاہے ختم کیا جا سکتا ہے۔ یا پھیلایا جا سکتا ہے۔ اور وہ فرطِ شوق میں جیب سے کاغذ اور پنسل نکال کر وہیں افسانہ کے لئے اپنے اُڑتے ہوئے خیالات قلمبند کرنے بیٹھ گیا۔

سامنے چتا اب بھی جل رہی تھی۔ اور بابو بھوانی داس کی لاش آہستہ آہستہ بھُن رہی تھی۔ اچاریج نے اپنی چلم سلگا لی تھی اور فلسفیانہ انداز میں کش پر کش لگاتے چلا جا رہا تھا۔ بہت بڑا اور بہت چھوٹا آدمی اب بھی باتیں کر رہے تھے۔ تعزیت کرنے والے اب بھی گروہوں میں بٹے بیٹھے تھے۔ اور ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ مگر گوپال کو اب اُن کے خلاف کوئی غصہ نہ تھا۔ کیونکہ اُس کے دماغ پر اس کا افسانہ چھا چکا تھا۔

اڑھائی روپے من لکڑیوں میں بابو بھوانی داس کا نحیف جسم آہستہ آہستہ جلتا جا رہا۔ اور گوپال افسانہ لکھتا گیا۔ اُسے یہ احساس تک نہ ہوا کہ زندگی کی تڑپ نے اُسے بھی مردم خوروں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔

خانہ خدا کے آنے والوں کی خدمت گذاری میں عبادت ہے - برخلاف شرک و بدعت اور فسق و فجور اور لہو لعب کے جانے والوں کی خدمت بجا لانے کو عبادت

ماننی البتہ شرک ہے - اور نئی شرع نکالنی - اور خانہ خدا کی خدمتگاری ہے - یہ وضو اور غسل کا سامان لوگوں کیلئے مہیا کرنا جو ان استعمال

کرنے کو اور دوسری عبادتیں بجا لانے کو آویں - سو یہ بیت اللہ کی عبادت اور تعظیم کے لئے ہیں یہ نہ سمجھو کہ امام باڑے کے زائروں اور تعزیہ داروں

اور تماشہ بینوں کے لئے ہاتھ منہ دھونے اور نہانے کا سامان مہیا کرنا ویسا ہی ہے - جیسا مسجدوں وغیرہ میں مہیا کرنا - کیونکہ ہم کہہ چکے ہیں کہ کیسی ہی سنیت

مگر کوئی سنی پاک نیت سے یہ ارادہ کیا ہو - کہ یہ بدعت شرک اور بدعت کے تماشوں میں مشغول ہو کر نماز کو وقت طہارت کا سامان مہیا نہ رہنے کے سبب

نماز بھی چھوڑ بیٹھیں - اس لئے میں قریب ہی سامان مہیا رکھا ہوا ہی - تو وہ تمام اس حدیث کا مصداق ہے - نہ امام باڑے کی نسبت اور خادمی اور مجاوری

کی جہت سے - علاوہ بریں حدیث شریف اور دیگر متبرک مقاموں میں اپنے استعمال کے لئے کر کوئی سو تبرکاً پاس رکھے - یہ اور اس کنواں کے پانی کو تبرک

سمجھ کر پینا پلانا بھی اس میں داخل نہیں ہے کہ وہ کسی نا یک صحیح حدیث سے ثابت ہے - کہ اللہ تعالیٰ نے آب زمزم میں ایک خاص تاثیر پیدا کیا ہے

نبی کو خاتم المرسلین نے تبرک جان کے استعمال فرمایا - اور دور دور منگوایا - چنانچہ ترمذی نے عبداللہ ابن عباس سے آپ کی حدیث میں جیسے کہ دونوں کی نقل

کیا ہے - کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر رجلاً من قریش فی الہدیۃ ان یاتیہ بماء زمزم الی الحدیبیۃ فلما بعث

بہ الی المدینۃ ۔ اور ترمذی نے ذکر کیا ہے ان عائشۃ کانت تحمل من ماء زمزم وتخبر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] روشنی کرنی [illegible] اللہ [illegible] مسجد میں [illegible] روشنی کرنے [illegible] مستحب ہو [illegible] تنگی ہو جاتا [illegible] جانا چاہیے [illegible] گو بہت [illegible]

[illegible] کے پاس ہمیشہ روشنی کر [illegible] امام [illegible] میں خصوصاً [illegible] انہوں کو [illegible] جو [illegible] گئے ہیں

اور [illegible] جلا کر [illegible] امام علی موسیٰ رضا کے اور [illegible]

[illegible] انہوں کی جگہ [illegible] اور ان [illegible]

کی تسلیمات بجا لاتے اور اس میں [illegible] آنکھوں کو لگاتے وہاں [illegible]

سمجھے یہ سب [illegible] روشنی کرنے کے نفع میں [illegible]

[illegible] فرش بچھایا [illegible] یعنی [illegible] سنت نبوی [illegible] مسجد نبوی کا فرش [illegible]

تھا ۔ حضرت [illegible] حضرت عثمان نے [illegible] مسجد مبارک کی [illegible]

دروں ہی رکھا ۔ ولید بن عبد الملک بن مروان شام کے بادشاہ نے جب مسجد نبوی کو بڑے تکلف سے بنایا ۔ وہاں کی زمین کو بھی [illegible]

[illegible] حجاج بن یوسف نے مسجدوں میں کی زمین [illegible] فرش بچھایا [illegible]

[illegible] ۔ اور عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِامْرَأَتِهِ وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ

ظاہر ہے۔ اس واسطے مصنف نے مسجد کی محرابوں کی حقیقت کیطرف بھی اشارہ کیا ہے۔ مگر کسی جگہ کے مخاذ ہونا مدنی نہیں بجزیہ کہ محرابیں ہیں جیسے ملبوس

دینی سے شوق کو کعبہ خدا کی جاروب کشی نبی کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اصحاب کرام نے بھی مسجدوں کو صاف کیا تھا۔ اور انکی تعمیر

حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام اصحاب کیساتھ مسجد کو قلعہ بنا بنا کر جب بناتے تھے تب ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ " وصفت المساجد اللتی تبنی

من بعدی ۔ یعنی ہمارے بعد مسجدیں جو سنوار کر بنائی جاتی ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ نعم واخراج القیامة منها محوها حوض الغنی النبی

اور کمال دنیا کو ٹوٹے کا انہیں سے ظاہر ہیں بڑی بڑی آنکھ والی حوروں کے " اور بخاری اور مسلم میں ہے انس بن مالک سے کہ رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نخامة في قبلة المسجد فشق ذلك عليه فقام وحكه بيده الحديث " یعنی پیغمبر خدا نے مسجد قبلہ کی دیوار پر بلغم دیکھا۔ سو آپ کو بہت

شاق معلوم ہوا۔ سو اسکو اپنے ہاتھ مبارک سے دور کیا۔ اور نسائی نے بھی اسی حدیث روایت کی ہے۔ اسیں یہ ہے کہ اس تھوک کے ٹوٹے بلغم کو دیکھنا آپ کو دشوار معلوم ہوا

منقضے ہوئے بیان ہے کہ چہرہ مبارک سرخ ہوا۔ پھر انصار کی ایک عورت اوٹھی۔ اور اسکو چھیل ڈالا۔ اور نسائی نے بھی اسی حدیث روایت کی ہے

اور اوسکی جگہ خلوق لگا دیا۔ اور تب آپ نے فرمایا کہ یہ کیا خوب ہے۔ غرض خانہ خدا کی عزت اس درجہ کی ہوتی ہے

اور اسکے بنانے کیلیے ... اٹھی ہیں۔ اس واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم و ابوداود نسائی کی کتابوں میں مذکور ہے۔ پھر جب مسجدوں کو لوگوں نے

... کرنے کے مقام ... ہوں۔ سو ان کی عزت خانہ خدا کی ...

کیونکہ یہ بندگی ہے۔ دیکھو حدیث شریف میں قبروں پر چراغ جلانے والوں پر صاف لعنت آئی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال لعن اللہ
زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج۔ یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی قبروں کے دیکھنے جانے والیوں پر اور قبروں پر مسجد
ٹھہرانے والوں پر اور چراغاں کرنے یا کرانے والوں پر لعنت کی ہے۔ یعنی ان طہرا بیتی للطائفین والعاکفین کی آیت سے کوئی یہ گمان
نہ کرے کہ مجاور بنکر بیٹھنا بھی اللہ کی عبادت کا نشان ٹھہرا۔ اسی قسم پر زمانہ قدیم میں بھی پتھروں کے پاس لوگ مجاور بنکر بیٹھتے کیونکہ یہ کام اگلے یہود
و نصاری و کفار عرب کا تھا اب بھی ہندوؤں وغیرہ میں یہ رسم جاری ہے۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی زبانی بتوں کے مجاور بن بیٹھے ہوئے
لوگوں کے حق میں فرماتا ہے۔ کہ ما ھذہ التماثیل التی انتم لہا عاکفون۔ یعنی یہ تھان کہاں ہیں جن کے اوپر تم مجاور بن کے بیٹھے
ہو۔ اور دوسرے کفار کی مثال میں جب کہ موسیٰ کی قوم نے دیکھکر جنکو سبحانی تراشنی کی ہوس تھی۔ فرماتا ہے۔ اتوا علی قوم یعکفون علی
اصنام لہم۔ یعنی آپہنچے ایک گروہ پر جو مجاور بن بیٹھے تھے۔ اپنے کئی بتوں کے مقام پر۔ القصہ کوئی صحابی کوئی تابعی کوئی تبع تابعین
میں سے کسی قبر کا یا کسی مقام متبرک کا مجاور نہ بنا۔ ایسے کام کرنے بت پرستوں کے اور مشرکوں کا شعار بنا ہے اب جو زائرون
کے مجاور ہیں سوائے مجاوری کو بڑی عبادت سمجھا کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو قبروں کا پوجا سکھلاتے اور انواع اقسام کے شرک کرتے اور ان سے
کرواتے اور مریدوں کی نذر و نیاز کا مال جسکا کھانا حرام ہے۔ مال سمجھتے ہیں حالانکہ ان نذروں کے کھانے کو فقہا نے حرام لکھا ہے

منقول نہ تھا۔ اور اسی خیال سے رمضان کے مہینے میں تراویح پڑھنے والوں کے واسطے مسجد نبوی میں بھی فرودی روشنی کا حکم فرمایا تھا۔ ابن قیم میں ہے۔
وہاں کی روشنی کو دیکھ کر فرمانے لگے۔ کہ اللہ عمر کی قبر کو روشن کرے جیسا اوس نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔ یہ بات سیوطی کی تاریخ الخلفا
میں ہے۔ اور دوسری روایت میں تمیم داری الداری نے اپنی طرف سے مسجد کے چراغ لگانے کی خدمت شروع کی۔ یہ بات سیوطی کے اوائل کی کتاب
میں ہے۔ اور تیسیر الوصول میں ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ ہم کو بیت المقدس کی بابت
فتوی دو تو آپ نے فرمایا۔ کہ ایتوہ فصلوا فیہ فان لم تاتوہ فابعثوا بزیت یسرج فی قنادیلہ ۔ یعنی آؤ بیت المقدس کو سو نماز
پڑھو اسمیں پھر اگر تم اسکو آتے نہو تو بھیجو وہ تیل جس سے قندیلیں روشن کرنیکے لئے۔ حاصل کلام یہ کہ خانۂ خدا میں روشنی بلا تکلف بے اسراف کرنا
بندگی کی نشانی ہے اور کعبۃ اللہ کو سب طرح پاک رکھنے کا حکم ملا ہے دین میں بھی جو ملت ابراہیم ہے۔ سو باقی ہے۔ کوئی یہ نہ کہے۔ کہ روضۂ مبارک میں
چراغ لگانیکا حکم کس آیۃ اور کس حدیث میں ہے۔ کیونکہ قبر کے پاس چراغ لگانا حدیث میں منع ہے۔ کیونکہ ہم جواب دینگے۔ کہ روضہ اور مسجد دونوں
[illegible]وں کے واسطے مسجد نبوی میں روشنی ہوتی ہے۔ اور روضۂ مبارک کے روبرو بھی سلام کو آنے کے واسطے تا زائر ٹھوکر نہ کھاویں یہ روشنی کیجیے حضرت
کی عبادت کے واسطے نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کے بندوں کے فائدہ کیواسطے ہے۔ اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچانا عین عبادت الٰہی ہے لیکن گنبد مبارک کے
اندر کہاں روشنی کرتے ہیں۔ تا حدیث کا خلاف لازم آوے۔ پھر کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ اور قبروں کے پاس بھی اسی واسطے روشنی کرتے ہیں کہ نا سمجھ ٹھوکر نہ کھاویں

حدیث میں آیا ہے ماشئت ان اری جبرئیل متعلقاً بالاستار الکعبة وھو یقول یا واحد یا ماجد لا تزل عنی النعمة

انعمت بها علی الا رایته ابن عساکر۔ حاصل یہ کہ جب میں چاہوں تو جبرئیل کو دیکھ لوں جو کعبے کے پردوں سے لٹکا ہوا کہا کرتا ہے کہ یا واحد

یا ماجد مجھ پر جو نعمت تو نے کی ہے سو مجھ پر سے کو دور مت کر۔ یہ حدیث سیوطی کی جامع صغیر میں ہے۔ اور در مختار کے باب الحج میں لکھا ہے وتشبث

بالاستار تماما عملت یعنی اور جائز ہے لٹک رہے کعبے کے پردوں سے گھڑی بھر۔ کیونکہ کعبہ کے غلاف کو بھی حرمت ہے۔ فتح مکہ کی حدیثوں میں آیا ہے

کہ فلاں وفلاں کافر یا اگر کعبے کے پردوں میں بھی لگتے ہوویں۔ انکو مارئیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کعبہ کے پردوں کی حرمت حضرت کے جناب

میں ثابت تھی۔ اس حرمت کی جہت سے دعا کرنیوالا بھی اس پردے کو پکڑ کے دعا مانگتا ہے۔ اور اسکے گرد روشنی کرنی۔ شرح یعنی کعبہ کی گرد روشنی

اس آیت کی ضمن اور اقتضا سے نکلتی ہے۔ کہ ان طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ تقریر اسکی یہ ہے کہ ابراہیم و

اسمعیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تم دو نو میرے گھر کو پاک کرو۔ طواف کرنیوالوں کیلیے اور مجاور بیٹھنے والوں کیلیے اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کیلیے

پاک کرنا عام ہوا کرتا ہے۔ اقسام کی نجاستوں اور ایذا دینے والی چیزوں کو دور کرنیسے۔ یہانتک کہ گھر طواف کرنیوالوں کے رستے سے

دور کرنا۔ اور اندھیرا بھی ایذا دینے والی چیزوں میں داخل ہوا۔ کیونکہ طواف کرنا دن ہی سے مخصوص نہیں۔ بلکہ رات کا طواف اور اعتکاف

بھی ہوا۔ روشنی بھی بدن آئی۔ اس واسطے حضرت عمر نے کعبہ معظم کی دیواروں پر چراغوں کے لگانیکا حکم کیا تھا جسمیں تکلف اور اسراف ف ۵۸

ان اباه یعنی زبیر بن العوام اذا طاف بالبیت یستلم الارکان کلها انی و یقول انه لیس شیء منه مهجورا

زاده ابن ابی شیبة و روی ابن السنة استلام جمیع الارکان عن جابر و الحسن و الحسین و ابن الزبیر و من التابعین

سوید ابن غفلة و روی الترمذی عن معاویة ابن ابی سفیان انه قال انه لیس شیء من البیت مهجورا

یعنی ہشام نے اور مالک نے ہشام بن عروہ سے روایت کی ہے کہ ان کے ماں باپ یعنی زبیر بن العوام جب کعبہ کا طواف کرتے تو سب کعبہ کے رکنوں کو چھوتے

یا بوسہ دیتے یعنی اور کہا کرتے تھے کہ کوئی چیز بیت اللہ کی چھوڑنے کے قابل نہیں - یہ بات ابن شیبہ کی کتاب میں ہے - اور ابن المنذر نے سب بیت کے

سب ارکان کا چھونا اور چومنا جابر سے اور امام حسن اور امام حسین سے اور عبد اللہ بن زبیر سے اور سوید بن غفلہ تابعی سے نقل کیا - اور ترمذی نے معاویہ بن

ابی سفیان سے بھی روایت کی ہے - اسباب کی کوئی چیز بیت اللہ کی چھوڑ دینے کے قابل نہیں برخلاف اور مکانوں کے یہاں تک کہ روضہ مبارک

کے آگے سجدہ کرنے سے اور کلمہ پڑھنے ہوں نیز اور شاید اسباب کو چھینے اور بوسہ دینے سے علما منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوتاہ نظروں کو اشتباہ

اور نظر آتی ہیں - حالانکہ یہ ادب نہیں ہے - بلکہ فی الحقیقت ادب وہ ہے کہ حضرت کی فرماں برداری ہی کا لحاظ رکھے - اور جب حیات کی

پیروی اتنی نہیں ہوئی ہے - اس سے بچے - پھر اس کے خلاف ہیں - سو یہ تو کوئی ادب سمجھنا خیال باطل ہے - چنانچہ جذب القلوب کے ساتویں باب میں شیخ

عبد الحق رح نے بھی اس کا ذکر کیا ہے - اور اس کا ملتزم کا پکڑ کر دعا کرنی - غلاف پکڑ کے دعا کرنے میں بھی روایتیں وارد ہیں چنانچہ

اٹھان نہ ٹھہرائے۔ نہ شرک قرار دے۔ کیونکہ خدا اور رسول نے دوسرے مکانوں کے دروازوں پر کھڑے رہ کے مرادیں مانگنے کو نہیں فرمایا؛

یہ خصوصیت کعبہ ہی کی ہے۔ اگر اس گھر والے سے مرادیں مانگتے ہیں۔ تو معاف شرک ہے۔ ف مکہ معظمہ میں کئی مقام ہیں کہ وہاں دعا مانگنے میں امید ۵۷

قبولیت کی ہے۔ بیت اللہ کے اندر۔ ملتزم کے گوشے میں کعبہ کے گرد۔ طواف کرتے جگہ میں صفا میں مروہ میں۔ اور صفا سے مروہ تک دوڑنے کی جگہ

میں۔ زمزم کے کنوئیں کے پاس۔ مقام ابراہیم کے پیچھے۔ اور میزاب کے نیچے۔ اور جہاں حجر اسود کو بوسہ دیں۔ اور کنکر پھینکنے والوں کی تینوں جگہوں میں عرفات کے

میدان میں مزدلفہ میں۔ منا میں اور کعبہ کے سامنے نظر پڑتے ہی ہے۔ اور ش اسی طرح بندگی کی علامت ہے کسی کے آستانے کے پاس سے دور نہ ہلنا کی

مرادیں مانگنی۔ ش اس کا بیان آگے ہو چکا ہے اور ایک پتھر کو بوسہ دینا۔ ش اور حجر اسود کو۔ چنانچہ طبرانی کی معجم اوسط کی حدیث میں

آیا ہے کہ هو يمين الله تعالى يصافح بها خلقه یعنے حجر اسود گویا قدرت کے داہنے ہاتھ کا پرتو ہے جس سے خلق کا مصافحہ ہوا کی

نہ نا امید ہو۔ امام مالک کی موطا میں ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے حجر اسود کو فرمایا۔ اور کچھ نہیں تو ایک

پتھر ہے۔ نہ ضرر کر سکتا۔ نہ فائدہ پہنچا سکتا اگر میں آنحضرت کو تجھے بوسہ دیتا ہوا نہ دیکھا ہوتا۔ تو تجھکو بوسہ نہ دیتا۔ اور اسی طرح ابوبکر صدیق کا

مشہور قصہ ہے۔ جو روایت کیا گیا۔ اور اس بات میں حضرت علی نے حضرت عمر کو جواب دیا کے مشہور کیا ہے سو فتح الباری میں ہے اسکے راوی ابی ہارون

العبدی کو ساقط الاعتبار ٹھہرایا ہے سے اور اسکی دیوار سے اپنا منہ اور چھاتی لگانا۔ ش موطا میں ہے۔ مالک عن هشام بن عروه

بعضے پادشاہ روضہ مبارک کے واسطے پردہ بھیجا کرتے تھے۔ چنانچہ اب بھی کہ رسم سلاطین میں باقی ہے۔ اور شیخ عبدالحق نے اس بات کو جذب القلوب کے
ستائیسویں باب میں ذکر کیا ہے۔ دولتمندوں کی راہ و رسم علیحدہ دنیاداروں کی بات علیحدہ دین کے کاموں میں ایسی رسموں کی سند نہ پکڑنی چاہئے
یاد تو ہو اس کے کسی نے قبر مبارک کو سجدہ نہ کیا۔ اور روضہ مبارک کے گرد نہ پھرا۔ مصنف کا کلام ان قبروں کے باب میں ہے۔ جہاں غلاف پوشی وغیرہ کے
سبب قبریں سجدہ گاہ ٹھہرے ہیں۔ اور کعبۃ اللہ سے بھی ان کے پوجنے والوں کے پاس زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ گویہ پستاں میں مشہور ہے
کہ اجمیر کے کئی سفر حج کے برابر ہیں۔ اسیطرح کلبرگے وغیرہ کے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے ع نسبت کعبہ دو دکن جز درگہ گیسو دراز + پادشاہ دین
و دنیا تا ابد بندہ نواز + اور کرناٹکیوں سے سنا ہے۔ کہ ناگور کے سات سفر حج کے برابر ہیں۔ بلکہ ان کا شاعر اس سے بھی پرے گذرا ہے
چنانچہ کہتا ہے ع زائیرو ہے آستانہ کے تیرے اے قبلہ گاہ + حاجیوں کو ہمسری کرنے کا کب مقدور ہے۔ اور مسجد الحرام میں
نمازی لوگ اپنے پاک نعلین موزے پہنے ہوئے جاتے ہیں مگر ان کے مزاروں کے صحن میں پاک جوتیاں پہنے ہوئے بھی قدم دھرنے
کی طاقت نہیں ہے۔ پھر سب وسیلے کس شمار کے ٹھیرتے ہیں۔ اس لئے شرک کے وسیلے اور راہوں کو بند کرنا فرض وقت ہے۔ مصنف نے
جس طرح کی جتنی ہے تمکو شرک کے رستے بند کرنے سکھائے ہیں تم اسکی تکفیر کرو۔ واہ کیا قدردانی ہے اور تمہید یہی نشان عبادت کا ہے
کہ جو اسکی چوکھٹ کے آگے کھڑے ہو کر فعلا گنہگار اور اللہ تعالیٰ کی اشد اور یعنی کہ یہ چوکھٹ کے آگے کھڑے رہے سو خدا تعالیٰ سے مانگنی مباح ہے

کرشن موہن

ایک تاثر

(کنارِ آب کی ایک شام)

شفق کا سونا فضا میں تحلیل ہو رہا ہے
سنہرے پانی کی سلوٹیں بڑھتی جا رہی ہیں
سپہرِ مغرب کی مرگ آمادہ و غروب آشنا شعاعیں
خموش لہروں سے یوں ہم آغوش ہو رہی ہیں۔
کہ جیسے خوابوں میں کھو رہی ہیں
شفق کی لہریں فلک کی تابندہ رہگذاروں کو چومتی ہیں
سحاب پاروں کو چومتی ہیں
سحاب پاروں میں منہ چھپائے ہوئے ستاروں کو چومتی ہیں
جبینِ آبِ رواں پہ افشاں چمک رہی ہے۔
طلسم آگیں فضائے رنگیں
عروسِ شعلہ بدن کی لرزاں قبائے زریں
قبائے زریں کی کسمساتی گداز لہریں
کہ محوِ رقص و غنا حسیں لرزشیں بدن کی۔
عروسِ فطرت کے ریشمیں پیرہن کا یہ آتشیں تبسم
ضیائے خاموش کے سکون آشنا ترنم میں گھل رہا ہے
کہ عقدۂ گیسوئے شبِ تار کھل رہا ہے
بدن چرائے ہوئے سرِ رہگذار کوئی جواں حسینہ
صبا خرام و صبا قرینہ
خموش، کچھ سوچتی ہوئی خوابگاہِ عشرت کو جا رہی ہے
فضا میں تاریکی چھا رہی ہے

بجالاتے ہیں۔ اسمیں شرک اکبر واصغر کا اندیشہ ہے۔ اس واسطے مصنف نے اس کا اشارہ کیا ہے اور اسکی طرف جانور بھیجاتے تھے کہ هَدْیاً

بٰلِغَ الْکَعْبَةِ۔ جسکو ہدی کہتے ہیں۔ اور وہاں منتیں مانی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حاجیوں کے باب میں فرمایا۔ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

۵۵ یعنی چاہیے کہ ادا کریں اپنی منتوں کو۔ ف۔ اس میں مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کو جانیکی نذر اور وہاں نماز پڑھنے کی منت کا درست ہونا

حدیث سے ثابت ہوا ہے۔ اور نذر معین کرنیوالوں کو اسکی ادا بھی لازم آتی ہے۔ دوسری مسجدوں کو جانے یا وہاں نماز پڑھنے کی نذر معین صورت

تو ہے جس مسجد میں پڑھے۔ ادا ہو سکتی ہے۔ مگر کسی مسجد پر جانور چڑھانے جائز نہیں۔ بعض جاہل مسلمان مسجدوں کو بکرے

مرغیاں بھیڑے گھوڑے لال تیل دیے چراغ شکر وغیرہ نذر منت کرکے چڑھایا کرتے ہیں۔ جیسا منہو دیوتوں کو چڑھاتے ہیں۔ اور نیز کعبے کے

درمیان قطایا۔ اور قربان طہارت۔ اور قربان سلامت کیلئے جانور اور پرندے اللہ کے نام پر مسجد اقصیٰ کو لیجاکر اللہ ہی کے نام پر ذبح کروانا

۵۶ لازم تھا سو دین اسلام میں منسوخ ہوگیا ہے اور شرک میں بھی جانا چاہیے۔ کہ قدیم سے کعبے پر غلاف ڈالنے کی رسم چلی آتی ہے۔ اور پیغمبر خدا

اور اہل بیت اور صحابہ اس بات کو اللہ کی عبادت کا نشان جانتے تھے۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کعبے کو یمنی کپڑوں کا غلاف

پہنایا۔ اور حضرت عمر اور حضرت عثمان نے مصری کپڑوں کا غلاف دلوایا ہے۔ سو روایت شیخ جلال الدین سیوطی کی اوائل کی کتاب میں ہے جسکی عبارت

یہ ہے۔ ثُمَّ کَسَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الثِّیَابَ الْیَمَانِیَۃَ ثُمَّ کَسَاہُ عُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا الْقَبَاطِیَّ

ف ۵۴ مے جاکر طواف کرنا۔ نص وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ یعنی اور چاہیے کہ طواف کریں اس قدیم گھر کا۔ ف درختوں اور صورتوں اور تھانوں اور مکانوں

کے آس پاس پھرنے کو ہندی زبان میں پھالور کہتے ہیں۔ اور عربی میں دوار اور طواف۔ ہندو لوگ بتوں کے گرد اور پیپل کے درخت وغیرہ کی اطراف پوجنے

اور منت کے باعث سے پھرتے ہیں۔ اور بدعتی لوگ شہیدوں کے الاؤوں کے گرد تعظیم کی جہت سے تین یا سات بار پھالور پھرتے ہیں۔ اسی طرح گبر

کی قبروں کے آس پاس۔ اور عرب کے کفار بھی بتوں وغیرہ کے آس پاس عورت مرد ہو کر ننگ ہو کر پھرتے تھے۔ اور جوان لوگ شہوت پرست ایسے وقت کو

غنیمت وقت سمجھا کرتے۔ سو انکا شاعر کہتا ہے ؎ اَلَا یَا لَیْتَ اُخْتِیْ عِنْدِیَا ۔ لَعِمْتُ فِیْ کُلِّ مَا اَتِیْ دَوَار ۔ یعنی کاش کہ ایسا

ہوا کرتا کہ جب میں اپنے ملک کے لوگوں کے یہاں آیا کروں تو انکے یہاں ننگوں ننگوں کا طواف رہا کرے۔ تعجب تو یہ ہے۔ کہ وے بدبخت لوگ

کعبۃ اللہ کے گرد بھی عورت اور مرد ننگے مادرزاد طواف کرتے تھے۔ حضرت نے منع کیا۔ اس کا قصہ سیر اور سورۂ برات کی تفسیر میں مذکور و مشہور ہے

یعنی بعضے احمق کسی کی بلا اپنے پر کھینچ لینے کو بھی اسکے آس پاس پھرتے ہیں۔ اسکو فارسی میں گرد گشتن اور بلا گردان شدن اور بلائیں لینا کہتے ہیں

ہندؤوں میں بھی ایسا دستور ہے۔ ان سب کا لحاظ کر کے مصنف نے کہا۔ کہ کعبے کے سوائے کسی اور کے آس پاس تصدق ہونا شرک ہے۔ ص ا

س گھر کی طرف سجدہ کرنا۔ نص یعنی اسکو قبلہ ماننا۔ کہ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ پھیر پھیرو منہ تمہارے حرمت والی مسجد کی طرف

یعنی کعبۃ اللہ کی طرف۔ کچھے مسلمان جیسے ہندو بت کو سجدہ کرتے ہیں ویسے ہی مزاروں کو سجدہ زمین بوس کرتے ہیں۔ بلکہ سر زمین پر رکوع کورنش ہندوی تسلیمات

جیسے زکوٰۃ صدقہ اور ہر عبادت مالی - لیکن حیف ہے کہ کچھ مسلمان غیر اللہ کے نام پر مال خرچ کے دنیا او آخرت کا ثواب چاہتے ہیں - اور شرک میں پڑتے ہیں
خواہ کھانا کھلانا اور نذر نیاز رکھنا اور مانند اس کے - خسر الدنیا والآخرۃ - اسکی تفصیل آگے ہووے گی - اور تیسرا اسی طرح عبادت کا نشان ہے - مرشد
شیخ معبود وغیرہ کے نام کا روزہ رکھنا ہے - چنانچہ بخاری اور مسلم کی حدیث قدسی سے اللہ کا ارشاد روزے کے باب میں یوں آیا ہے - کہ
فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ - یعنی روزہ میرے ہی واسطے ہی اور میں اسکا بدلا دونگا - چھوڑتا
ہے اپنی خواہش کو اور کھانا اسکو واسطے میرے انتہی حدیث - افسوس کہ خدا فراموش لوگ بندوں کا روزہ رکھنے لگے - کوئی سوا پہر کا حضرت علی کیواسطے - کوئی امام
جعفر صادق کیواسطے - کوئی بی بی کے حج کیواسطے - اور کوئی حضرت کی کندوری کیواسطے - اور کوئی عاشورے کی دوپہر تک شہیدان کربلا کیواسطے - یہ سب
شرک فی العبادت نہیں تو کیا ہے - اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا - یعنی اپنے رب کی بندگی میں کسی کو
شریک نہ کرے - چوتھا اور قسم یہ بھی عبادت کا نشان ہے - کہ اسکے گھر کی طرف یعنی کعبۃ اللہ کی طرف دور دور سے قصد کر کے سفر کرنا
عبادات میں حج کی آیتوں کی رو سے کعبۃ اللہ اور لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی مَسَاجِدَ ثَلٰثَةٍ کے حدیث کی جہت سے کعبۃ اللہ کے ساتھ مسجد نبوی ف ۵۲
اور بیت المقدس داخل ہیں - اور حضرت کی زیارت مقدس کا سفر ایک جہت سے مسجد نبوی کی طرف سفر کرنے کے ضمن میں داخل ہے اور دوسری جہت سے
کئی حدیثوں کے باعث آیت ابتغاء الیہ الوسیلہ یعنی آنحضرت کی زیارت اللہ کی عبادت ہے کیونکہ اللہ کے واسطے اور اس کے حکم بالاجماع سے یعنی مشروع کی

مجیب کا سوال — داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا نماز میں ہو ــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقرر کیا ہوا ہے یا کہیں نہ

معترض کا جواب — ہاں اللہ ہی کی جانب کا ہے ــــ

مجیب کا سوال — پھر اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ باندھکر کھڑے رہنا اللہ کی جانب سے نشان عبادت کا مقرر ہوا ہے۔ پھر تمنے جو کہا کہ بزرگوں کے روبرو ہاتھ باندھکر کھڑے رہنا شرک کیونکر ہوا۔ سو ہم پوچھتے ہیں کہ ان کے آگے ہاتھ باندھکر کھڑے رہنے کو کس پیغمبر نے مقرر کیا ہے۔ یا کونسی آیت یا حدیث یا اجماع مجتہدین سے تمنے ایسے ہاتھ باندھنے کو واجب یا سنت یا مستحب ٹھیرایا۔ (معترض کا جواب) کسی نے نہیں لیکن رسم وعادت اس طرح جاری ہوئی ہے ــــ

مجیب کا قول۔ ہاں سچ۔ خواجہ ابن سیرین کا قول ہے جو موطا کی شرح میں مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے حضور آگے ہاتھ باندھکے کھڑے رہنا روم کے نصاریٰ کا دستور تھا۔ تو پھر یہ کام آگے کفار کا اور پیچھے بتوں کا طریقہ خصوصاً جبکہ عبادت کی نشان کو غیر اللہ کی تعظیم کیلئے عمل میں لاؤ۔ تو اور بھی بدتر۔ پھر ہم تم سے پوچھتے ہیں۔ کہ اگر تم کسی کے روبرو ہاتھ باندھے کھڑے ہو۔ تو شرک کی صورت ٹھیر گئی یا نہیں معترض کا جواب البتہ ٹھیر گئی۔ (مجیب کا قول) بہت بڑے انصاف کیا لیکن اب یوں کہا کرو کہ البتہ ایسے ہاتھ باندھکے کھڑے رہنے میں شائبہ شرک کا مگر ہم عرفی رسم وعادت کے موافق کیا کرتے ہیں۔ منع کرنے والا اس کام کا حق پر ہے۔ اسکی تقصیر نہیں۔ مصنف کا کلام قابل ادب ہے۔ تمہارا کلام [illegible] میں۔ القصہ عبادت الٰہی کا نشان ہے۔ جناب کبریائی کے روبرو ہاتھ باندھکر کھڑے رہنا ہے اور غیر اللہ کے حضور [illegible] یہاں حرج کرنا شرک

پس ایسی ہی موافق عمل کیجئے ۔ جیسے شیخ سعدی نے خوب کہا ہے ۔ آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی ۔ آنست جوابش کہ جوابش ندہی ۔ غرض شک اور وسوسہ والے

والوں کی باتیں جو بری ہیں بلکہ ان سے کنارہ کرکے توحید اور اتباع سنت کو مضبوط تھامئے شیخ سعدی کی اس بات پر کان لگائیے ؎ برخیزم و عزم پیش گیرم و دنبالہ کار خویش

ف ١٥ گیرم ہو اور کسی نے کہا ہے ۔ من دامن آن نگار گیرم مراد تیری بات یہ کہ بعضے کام تعظیم کے اللہ نے اپنے لئے خاص کئے ہیں کہ انکو عبادت کہتے ہیں جیسے سجدہ اور

رکوع کرنا اور ہاتھ باندھکر کھڑے ہونا شرک اعتراض ۔ ہاتھ باندھکر بزرگوں کے روبرو کھڑے ہوا کرتے ہیں وہ شرک کیونکر ہوا ۔

مجیب کا سوال ۔ نماز میں ہاتھ باندھکر کھڑے رہنا کس نے نکالا ہے ۔ کیا ہم سے لوگوں نے "

معترض کا جواب ۔ نہیں بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ۔ اسیطرح اگلے انبیا نے بھی ۔ اسکی سند یہ ہے کہ طبرانی نے ابن عباس سے صحیح سند کیساتھ روایت کی

کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ ہم انبیا لوگوں کو حکم ہوا ہے ۔ جلدی افطار کرینگا اور دیر سے سحر کرینگا ۔ اور داہنے ہاتھوں کو بائیں ہاتھوں پر رکھنے کا نماز میں اور طیالسی

نے ابو درداء سے اس حدیث مرفوع کی روایت کی ہے ۔ کہ تین بات نبیوں کے خصلتوں میں کی ہے ۔ جلدی افطار کرنا اور دیر سے سحر کرنا اور نماز میں داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا اور

ابن عبد البر نے ابو ہریرہ سے اور سعید بن منصور نے عائشہ صدیقہ سے اسی ڈھب پر روایتیں کی ہیں ۔ اور مسلم نے وائل بن حجر سے اور ابن مسعود سے بخاری اور حاکم نے علی

مرتضیٰ سے اور ابن ابی شیبہ نے غضیف بن الحارث سے اور قبیصہ کے باپ بن ہلب سے اور وائل بن حجر سے او علی کرم اللہ وجہہ سے اور ابو بکر صدیق سے اور ابو الدرداء سے

نکالا ہے ۔ کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ۔ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبِيِّينَ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فِي الصَّلَاةِ ؛ یعنی پیغمبروں کی خصلتوں میں سے

اس حدیث صحیح کی دلیل ای ہے۔ کہ الٰہی میری قبر کو بت نہ بنا جو پوجی جاوے سخت غضب اللہ کا اس قوم پر جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں

یعنی سجدہ گاہیں قبلے ٹھرائے۔ موطا کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ بیضاوی نے کہا۔ کہ لَمَّا كَانَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى يَسْجُدُونَ لِقُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ تَعْظِيمًا

لِشَأْنِهِمْ وَيَجْعَلُونَهَا قِبْلَةً وَاتَّخَذُوا أَوْثَانًا لَعَنَهُمْ وَمَنَعَ الْمُسْلِمِينَ عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ۔ یعنی جب یہود و نصاری نے اپنے پیغمبروں کی

قبروں کو انکی تعظیم کے لحاظ سے سجدے کرنے لگے تھے۔ اور ان مزاروں کو قبلہ گاہ بنا لیا تھا۔ اور ان ہی کو بت ٹھہرا لئے تھے۔ تو حضرت نے ان پر لعنت کی۔ اور مسلمانوں کو

اس طرح کے کاموں سے منع فرمایا۔ یعنی قبر پرستوں کا سا معاملہ کسی مزار کے ساتھ عمل میں نہ لاوے۔ اگرچہ قبر پرستی کے لوازم میں سے کوئی بھی لازم نہ کرے۔ تا کوئی مزار کسی

معبد ہے اس کا بت نہ بنے۔ دوسرا یہ کہ کسی مزار کو عید کی جگہ میلے کا مقام تماشے کا مقام نہ ٹھہرائے۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا ہے۔ لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا

یعنی نہ ٹھہراؤ میری قبر کو عید۔ عید گاہ۔ میلے کی جگہ۔ تیسری یہ بات کہ قبروں کو سجدہ گاہ یا قبلہ یا کعبہ یا مسجد کی شبیہ نہ بناوے۔ چنانچہ حضرت نے فرمایا ہے۔ لَعَنَ اللهُ

الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔ یعنی لعنت کرے اللہ تعالی یہود و نصاری پر جنہوں نے ٹھہرا لیا اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجدیں

سجدہ گاہیں قبلے۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم نسائی میں ہے۔ چوتھی قبر مبارک سے ویسا ہی ادب جیسا صحابہ کرام حضرت کے حضور میں ادب کیا کرتے تھے اور یہ

نہ سمجھے کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے یہ سب کچھ پردہ ہے نہیں۔ کیونکہ ایسی سمجھ کفر ہے۔ حضرت علیہ الصلوۃ والسلام اور دوسرے انبیاء کرام اللہ کے یہاں زندہ ہیں بہتر زندگی

سے۔ پانچویں یہ غرض نہیں کہ ان حضرتوں کی نذر و نیاز کیجئے۔ بلکہ مقصود ان عالی جنابوں کے فضائل کا بیان ہے۔ چھٹی بات یہ ہے کہ جیسے اللہ کی ذات کا ۴۹

کو بوسہ دینا۔ اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُنکو منع کیا۔ تیسرے کام میں اگرچہ عبادت اپنی ہی پہلے سے نہ تھی۔ پچھلے لوگوں نے بادشاہوں کے ف ۲۸

آداب میں اُن کو بجا لانے لگے جیسے رکوع کے برابر جھکنا اور زمین پر منہ رکھنا اور اُن کے روبرو ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونا۔ مگر عرف عادت اور رواج کے سبب

ایسے کام کرنا کچھ مضائقہ نہ کرکے سمجھنے لگے یہاں تک کہ بڑے لوگوں کے قبروں سے ایسے معاملے کرنے لگے۔ ان کاموں سے ہاتھ باندھ کے کھڑے رہنے کا تو

بالکل مضائقہ ہی نہیں رہا۔ بلکہ اس کام کو بزرگوں کے مزاروں کے ادب میں داخل کر دیا۔ علاوہ غیر اللہ کو سجدہ اور رکوع کرنے میں بھی کفر ہونے نہ ہونیکا اختلاف کیا

سو ان پچھلے اختلافوں سے کوئی کام نہیں۔ حق انصاف کا یہ ہے۔ کہ اللہ کی عبادت اور اس کے ارکان اور لوازم غیر اللہ کی خدمت میں بجا لایا جائے۔ کیونکہ

ظاہر میں کفر ہے۔ اور وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔ کا ظاہر یہی چاہتا ہے۔ اور قصہ کا مدد بھی یہی دلالت کرتا ہے۔ کہ جو کام ایک وجہ سے

شرک اور بدعت اور ایک وجہ سے لوگوں کا شعار ہے۔ تو اسکو چھوڑنا لازم ہے۔ چنانچہ مجتہدوں کا قول ہے۔ کہ دَرْءُ الْمَفَاسِدِ مُقَدَّمٌ عَلٰى جَلْبِ الْمَصَالِحِ

یعنی بگاڑ اور بگاڑ دفع کرنا سنوارنے کے پیچھے پر مقدم رکھا چاہیے۔ اور ایسے بزرگان دین کے مزاروں کے پاس ہرگز نہ کیجئے۔ کیونکہ ان کے علم کے خلاف کام

ان کے حضور میں بجا لانا کمال بے ادبی اور دھٹائی ہے۔ شرک ہونا تو اس پر علاوہ۔ لیکن تمنا اور چاہت ہو جیسے۔ کہ خدا اور رسول نے فرمایا۔ سو قبروں کی

زیارت کی قبروں میں ذکر ہے یعنی سلام اور دعا اور استغفار۔ لیکن ہرگز بجا لا سکے۔ کہ حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ

وَثَنًا يُعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ رَوَاهُ الْاِمَامُ مَالِكٌ یعنی اے اللہ اپنی قبر میں

کیف عرفانی

دوام

ایک منزل کہ بلندی نے جسے چاہا ہے
ایک تعمیر کہ تخریب پہ خنداں ہی رہی
ایک تصویر جسے وقت کبھی چھو نہ سکا
ایک بے نام جوانی کہ درخشاں ہی رہی
ایک بیدار حقیقت کہ ہے نامحرمِ خواب
ایک ساغر کہ جسے موت نہیں پی سکتی
اک تجلّی کہ جسے دل میں بسانے کے لئے
آرزو جینا بھی چاہے تو نہیں جی سکتی
عقل سرگرمِ تقاضا کہ یہ رُوداد سُنے
عشق معذور کہ ہے نطق سے محرومِ نظر

انور قریشی

غزل

فریبِ آرزو سے شادمانی اب بھی ہوتی ہے
سرِشکِ غم سے دل کی ترجمانی اب بھی ہوتی ہے
بھٹکتا ٹھوکریں کھاتا ہوا پہنچا ہوں منزل پر
مگر دل ہے کہ اس کو بدگمانی اب بھی ہوتی ہے
نگاہیں اب بھی ملتے ہی سلامِ شوق کہتی ہیں
خموشی میں بیاں ساری کہانی اب بھی ہوتی ہے
تصور کے مہکتے گلستانوں کی بہاروں پر
کسی رنگیں ادا کی حکمرانی اب بھی ہوتی ہے
فنا کی نیند سو جاتے ہیں گرچہ ولولے لاکھوں
بہر لمحہ مگر شعلہ فشانی اب بھی ہوتی ہے
دھڑک اُٹھتا ہے دل اب بھی نگاہوں کے تصادم سے
بھری محفل میں مجھ پہ مہربانی اب بھی ہوتی ہے
جہانِ ماہ و انجم میں ہے انور تذکرہ میرا
زبانِ شوق سے شبنم فشانی اب بھی ہوتی ہے

کہ اللہ نے ایسی قدرت انکو بخشی ہے سو ان کاموں کی طاقت انکو خود بخود ہے - ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے ف ٤٧ یہ تعظیم بعینہ ذبح ہے جس کا رد ہو چکا - ف ٤٧

ہے خاص کام جو تعظیم الٰہی کے نشان ٹھہرے اس کتاب میں موجود ہیں سو تین قسم پر ہیں - ایک وہ کہ قرآن و حدیث سے تعظیم الٰہی کیواسطے خاص ہو چکے ہیں جیسے احرام اور سعی اور

طواف اور سجدہ اور رکوع اور نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے رہنا لیکن یہ صاف صاف منع ہیں کسی مخلوق کیواسطے ہاتھ باندھ کے کھڑے رہنے کا دستور نہ تھا یہاں تک کہ

نبی اکرم کے یا بادشاہوں کے آگے بھی کوئی ہاتھ باندھ کر کھڑے نہیں رہتا تھا جو خال المومنین نے یہ روایت کی ہے - کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ

مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّتَمَثَّلَ لَہُ النَّاسُ قِیَامًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ؛ یعنی جسکو اچھا لگے کہ لوگ کھڑے رہا کریں اسکے روبرو

سو چاہیے کہ مقرر کرے جگہ اپنی دوزخ میں اور ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے - کہ خَرَجَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَوَکِّئًا عَلٰی

عَصًا فَقُمْنَا اِلَیْہِ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا کَمَا تَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یُعَظِّمُ بَعْضُہُمْ بَعْضًا - یعنی نکل آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس عصا ٹیکے ہوئے

ہم آپ کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے تو فرمانے لگے کہ مت اٹھو جیسے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں عجم والے تعظیم کرتے ہوئے ایک دوسرے کی - اور انس رضی اللہ عنہ نے

روایت کی ہے - کہ لَمْ یَکُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانُوْا اِذَا رَاَوْہُ لَمْ یَقُوْمُوْا لِمَا یَعْلَمُوْنَ مِنْ

کَرَاہِیَتِہٖ لِذٰلِکَ یعنی کوئی شخص بھی ان اصحاب کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پیارا نہ تھا - اور یہ حال تھا جب آپکو دیکھتے اٹھ کھڑے نہ ہوتے

تھے اس باب میں آپکی ناراضمندی جاننے کے سبب - دوسرے وہ کہ پہلے سے عبادت الٰہی کے نشان ہو رہے تھے جیسا کعبہ کا غلاف اور اسکی چوکھٹ کو

دوسرا سبب مکانی جیسا سبب جنابی۔ سبب یعنی ہر چیز کا وجود ہے کہ جس سے وہ چیز پیدا ہوا کرتی ہے جیسا تیل اور بتی اور آگ مل کے چراغ جلنے کا سبب ہے
اسی طرح باقی سببوں کو قیاس کیجے۔ اور مکانی سبب ہے کہ وہ چیز بے اس کے کبھی پیدا ہوتی کو کبھی نہیں۔ جیسا کہ وجود سے تندرستی اور ہر چیز کا مکانی سبب ہے کر دو
کہ اس سے کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ جیسا مشہور ہے کہ علاج کرانے سے صحت ہو جاتا اور دیکھ کے کانے سے آگ سلگ اٹھنا اور سنتوں اور صفتوں کے مزہ اور آنی اور بعد
کھانے پکانے کی کہنا نہیں کما شاہ بینا تجارت کہیتی نوکری صنعت پینا کھانا پینا کھانا حکیم حول جو دکی پاس بیٹی اور عبادت کی چیز ہے خلاف اٹھانا
جیسے پانی پینا کو پاس وغیرہ اور بیویوں کے بچے ہوتے اور لوگوں کے اور مشترسن ہی جانی سبب ہیں۔ القصہ کسی کام کا یقینی سبب ہے اور مکانی
سبب ہیں اور سکو رسمی کام کا سبب بنا لیا اسکو اس کام کی قدرت اور اسکے تصرف کی طاقت ہے سمجھ کے معتقد ہونا عقل کی رو سے اور شرع سے خطا اور شرک ہے بلکہ
اور اور چیز کے سبب بنا لینا زہر اور بہتان ہے۔ ایہا اللہ کیا بات ہے جیسا الشعل میں ذکر کیا ہے کہ الاثبات ملاحظة الاسباب والاعتماد علیها شرك
في التوحيد۔ یعنی سببوں پر نظر جمانی اور اسپر بھروسا رکھنا شرک ٹھیرانا ہے۔ توحید کی جگہ میں۔ سچے مسلمانوں سے مراد یہ ہے کہ کسی مسلمان کی توفیق
کیونکہ کبھی ان چیزوں کا یاد نہیں کرتے تاکہ کسی دین کے مسئلہ کی تحقیق کیونکہ خداوند تعالیٰ کی محبت کیونکہ بلکہ انکو بیکار سمجھتے اور منتیں مانتے ہیں
دنیا کی طلب کبھی سے آمیزے الفاظ سے جو کوئی کسی اور کی تصرف ثابت کرے اور اس سے اولیں لگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور ان کی منتیں مانے اور مصیبت کے
وقت اسے پکارے۔ وہ مشرک ہوتا ہے۔ اسکو اشراک فی التصرف کہتے ہیں یعنی اللہ کا سا تصرف کسو کو ثابت کرنا محض شرک ہے خواہ لوں سمجھے

ہیں خواہ امام امام زادے خواہ بھوت پری سے خواہ پیر کو شہید سے خواہ یہ عقیدہ انبیاء و اولیاء سے رکھے۔ خواہ یہ عقیدہ سے آدمی بالکل البتہ مشرک ہو جاتا ہے۔ سو اس عقیدہ

کا علم یعنی آگے مذکور ہو چکا ہے جس طرح ثابت ہو چکا ہے غرض اس عقیدہ سے شرک خواہ اللہ کے دینے سے خواہ اپنی ذات سے یہ بات انکو یوں سمجھے کہ یہ بات

اللہ ہی کی قدرت و تصرف ہے مخلوقات میں انکی مرضی قوت ہاتھ آ گئی ہے بلکہ وہی ہے قدرت کوئی قوت کو کوئی مخلوق کسی سے خداوند تعالیٰ نے کہ یہ عقیدہ شرک ہے

کو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کچھ قوت نہیں دی مخلوق کو کسی بات معلوم ہے کہ باطن ہر شے کا ظاہر ہو جو قدرت کہ ہر چیز کی مخلوق کو نہیں کوئی ہمت و علم کسی

کسی کی اور بیماری و تنگی روزی کی تکلیف اور دور ہو جانے کی یا حاجت کو جاری کرنا اللہ ہی سے تصرف ہے کہ عالم میں یہ دوسری بات ہے نعوذ باللہ منہ

الٰہی کے سبب سے کام آتی ہیں پر قدرت کر کی دستگیری کی مشکل میں اور حاجتیں برلانی اور پوری کرنی مرادیں دنیا و اعمال نیچے اور شکست و فتح پایا ہیں قدرت

منصب اور ان میں کا وہ بات کہتے ہیں اپنی حاجت روا سمجھ کر ان میں مسلمانوں کو یہ عقیدہ ہے کہ مخفی نہیں ہے کہ انبیاء و اولیاء و پیر و شہید کی قدرت بیان نہیں

کو بیان کیا اسی واسطے مصنف نے پہلا شرک فی العلم کا اور اسی کام اپنے وقت میں ان کو مشکل کے مانگتے ہیں اور ان کی قدرت تصرف کی ان سے کرتے ہیں

کرنے والوں کی مراد دینے ہوئے شرک کا خیال ہے پیر کو پکار کر جا بجا مدد مانگتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کا کفر کرتا ہے اللہ کی شرکت اس کے بعد شرک فی التصرف کا ذکر کیا

ف ٢٢ کسی چیز کو مدد کی سبب کسی سبب کسی کی شمول ہو جو ہر ایک سبب ہو ان کو سبب کا اللہ تعالیٰ نے کہ مسبب الاسباب ہے۔ اب معلوم ہوا کہ مراد پانے کا وسیلہ ہر بات میں

یقینی سبب ایک سبب ہیں۔ قسم کی سبب بھی کرتا ہے کہ سبب کو درمیان ذریعہ ہو تو کہ سو نہیں ہیں۔ کی طاقت اور تصرف قدرت حقیقت

بِمَا يَعْمَلُونَ شَيْئًا عَلِيمًا - یعنی اپنی خوشی سے جو جس کا چاہے۔ سو ہووے اور جو جزرک ہا چاہے سو ہووے سے گزرنا پڑیگا رغبت کس

بعد سورۃ لا تغ لمشید لبس۔ اور بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص جماوتوں میں سے یہ بھی ایک ہے۔ کہ اسی کے نام کا ورد کیجیے۔ چنانچہ چوتھے جزو کے

کیا ہویں رکوع میں فرمایا اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ - یعنی یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بیٹھے لیٹے اور پانچویں جزو کے بارہویں رکوع

میں فرمایا۔ اور مشکل میں اسی کی پناہ لے اور پناہ لینی چاہیے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مشہور ہے اور قرآن میں فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اور قُلْ اَعُوْذُ

بِرَبِّ الْفَلَقِ - قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ آیا ہے۔ اور ہر شخص پر اسکا نام یاد رکھنا چاہیے۔ چنانچہ سنت اسلام ہے کہ دشمن پر اللہ اکبر کہہ کر حملہ کرے اسکے

نام کی تسبیح اور شغل کرے۔ اور اسکی قدرت اور صفتوں میں فکر کرے تاکہ اس سے توحید افعالی اور صفاتی اور ذاتی کھلے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے چوتھے جزو کے گیارہویں رکوع

میں فرمایا ہے کہ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا - یعنی اور دھیان کرتے ہیں۔ آسمان اور زمین کی پیدائش

میں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔ باقی سب معنیں جو آگے ہو چکیں سو اشراک فی العلم میں زیادہ بیان کی محتاج نہیں مگر اتنا کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے بیسویں جزو کے دسویں رکوع میں فرمایا کہ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی تو کہہ کہ نہیں جانتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین

میں چھپی چیز مگر اللہ ہے۔ یہاں تک کہ بعضے مسلمان اپنے خیال خام سے کہا کرتے ہیں کہ بزرگ منجموں کو جو اور جوتشیوں کو اور رمل کے جاننے والے اور بعض

اور سے جاری ہی نگاہ کو غیب دانی کے لئے قوت شرک کا سبکو ہوتا۔ کہ الیسی ہی جنوں کو ہندی میں منتر جانی کہا کرتے ہیں ان کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی شرک

معتقدہ بھر بجا لانے چاہتے ہیں - سو وے حضرات نہ بزرگوں کو پوجتے تھے - اور نہ ہندوی رسم پرستی کرتے نہ اور بدعتیں جو کچھ عقیدے

اور عمل خلفائے راشدین میں مروج اور صحابہ میں مشہور تھے بدعی و ستادیز کرنے کے قابل رہے - اسی واسطے فقہانے بھی اسے معتبر جانا - اب سمجھو کہ صحابہ بہترین امتیں تھے

اور خلفائے راشدین یعنی چار یار بہتروں سے بہتر اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بہترین انبیاء اور خاتم المرسلین بہترین انبیاء اور خاتم رسل اور حبیب الٰہی تھے خلفائے راشدین

اٹھتے بیٹھتے حضرت کے نام کو ورد کرتے - یا مشکلوں کی آسانی کے لیے حضرت کی مبارک روح کو مدد میں یاد و شہروں میں پکارا کرتے یا بلا کے مقابلہ میں دہائی دیا کرتے

چنانچہ بعض متشرعوں میں یہ دہائی تو دیں عالم کی بعضے میں خواجہ معین الدین چشتی کی دہائی یا دشمن پر آپکا نام لیکر حملہ کرتے - یا آپکے نام کا ختم پڑھتے - یا شغل کرتے یا آپکی

صورت مبارک کا تصور باندھتے اور یوں سمجھتے کہ جب ہم آپکا مبارک نام لیتے ہیں زبان سے یا دل سے یا آپکی صورت مبارک کا خیال باندھتے ہیں - تو وہیں آپ کو خبر ہو جاتی ہے

اور آپ سے کوئی ہماری بات چھپی نہیں رہ سکتی اور جو ہم پر احوال گذرتے ہیں سب آپ کو ہر وقت خبر ہے بلکہ آپ ہمارے دل کے خطرے خیال میں یا ہم جب خواب میں

ہوتا جیسے الفقہ لیے اعتقاد اور عمل اور فعل خلفائے راشدین ہوتے ہوتے تو سنت اعتقادی اور قولی فعلی ہوتے - اور سب مجتہد اہلسنت کے اپنے عقاید اور فقہ کی کتابوں میں

سنت متوارث کو لکھے ہوتے - اور امت کو اس سنت کے بجا لانے کا حکم کئے ہوتے - بلکہ سب مجتہد ایسی شقوں کو چھوڑ کر اس کا خلاف اپنی کتابوں میں لکھنا [illegible]

محال ہے - چنانچہ ان کا کہنا رسول اور فرشتہ غیب جانتا ہے - کر کے جو کہے سو کافر ہے - کیونکہ غیب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے ہو لکھے بدعت ہو سکتا ہے یہی

باتیں عقاید اور فقہ کی کتابوں میں مکتوب ہیں اسی واسطے اکثر فی العلم کہ رسمی ہیں ہنوز کرنے عرض ہو ہمیشہ کی آمیزش واجب ہے کہ من تشبہ

ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال رجل يا رسول الله كأن هذه موعظة مودع فأوص

الينا قال أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن عبدا حبشيا فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا

كثيرا فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات

الأمور فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة للترمذي ولأبي داود وبلفظه اور عرباض بن ساریہ صحابی

روایت ہے کہ انہوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح نماز پڑھائی پھر ہم طرف مبارک منہ کیا۔ سو ہمکو وعظ فرمایا واقعی سنایا

جس سے آنکھیں آنسو بہانے لگیں اور دل ڈرنے لگے تب ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نصیحت بدا ہونے والیکی نصیحت ہے پھر ہمکو کیا قول

فرماتے ہو پھر آپنے فرمایا۔ کہ میں تمکو اللہ سے ڈرنیکی اور حکم سننے اور فرمانبرداری کرنیکی تاکید کرتا ہوں اگرچہ دین کا کام کوئی حبشی غلام

بھی ہو سبب یہ ہے کہ جو کوئی میرے بعد جیتا رہیگا۔ سو بہت اختلاف دیکھیگا۔ تو لازم کرو۔ تم میری چال چلن اور میرے خلفاء راشدین ہدایت

پائے ہوؤں کے چال چلن کو دستاویز کرو اسکو۔ اور دانتوں سے پکڑو اور بچو نئے تراشے ہوئے کاموں سے پھر جو نئی تراش ہے سو

بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ حدیث ترمذی کی کتاب میں ہے۔ اور ابو داؤد کی کتاب میں بھی اسیکے لفظ سے فائدہ

ہم نے عقیدوں اور عملوں میں اختلاف دیکھا۔ اور تفرقہ اس واسطے ان دونوں حدیثوں پر عمل کرنے سے صحابہ اور خلفاء راشدین کی پیروی ضروری ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اور عبادت میں شریک ٹھیرانا بیشک کفر ہے - چنانچہ اہل سنت کی عقائد کی کتابوں میں مشہور

ہیں - پھر جو کوئی چیز کہ شرک اور کفر ہووے - اسکو رستہ پہنچنے کے سے بچنا فرض و قت ہے - اس واسطے مصنف نے کئی بڑی باتیں

جو ایسے شرک اور کفر کو پہنچتی ہیں تبلاویں بیان اس کا یہ ہے - کہ عمرو بن العاص کے فرزند عبد اللہ نے کہا کہ حضرت علیہ الصلاۃ والسلام نے

فرمایا [illegible] علی امتی ما فی امتی من یصنع ذلک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملة

وستفترق امتی علی ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالوا من هی یا رسول الله

قال من کان علی ما انا علیه واصحابی رواه الترمذی - یعنی مقرر آویگا میری امت پر جو کچھ آیا تھا بنی اسرائیل پر یعنی موسیٰ کی

امت پر برابر جیسا جوتی کا برابر ہوتا جوتی سے یہاں تک کہ اگر ان لوگوں میں کا کوئی اپنے ماں کے پاس گیا تھا علانیہ مقرر میری امت میں

بھی کوئی ہوگا جو وہ کام کریگا - اور مقرر بنی اسرائیل بہتر فرقے جدے جدے ہو گئے اور میری امت میں تہتر گروہیں جدی جدی ہونگی

سب کے سب دوزخ میں جاوینگے مگر ایک طریقے والے جنتی - لوگوں نے عرض کی کہ وے کون ہیں یا رسول اللہ فرمایا جو وے

لوگ ہونگے جس بات پر میں اور میرے یاران ہیں یہ حدیث ترمذی میں ہے - ایضاً عن العرباض بن ساریة رضی اللہ

عنه قال صلی بنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ذات یوم ثم اقبل علینا بوجهه فوعظنا موعظة بلیغة

کوئی نہیں ہوسکتا ہے۔ نہ چھوٹا نہ بڑا نہ برابر کا۔ شفاعت کا ماذون کا وکیل ماننا کسی بزرگ کو ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ کہ وہ بزرگ اوسکے وکیلوں کی

طرح اڑ جھگڑ کر اپنی محبت غالب کرکرا کے اپنے میاں کو چھڑا لیں چنانچہ ہندوؤں کے اعتقاد سے جو رام کشن مہادیو کے ساتھ رکھتے ہیں [illegible]

سے جو کرسٹ کیساتھ رکھتے ہیں ظاہر ہے اور ان بدعتیوں کا سفارشی ماننا بھی اسی طرح ہوا کرتا ہے۔ کہ وکیل [illegible]

چھوڑا لیگا۔ چنانچہ ان کے اعتقاد فاسدہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ پھر جو کوئی مسلمان کہلا کر ایسے وکیل [illegible]

[illegible] پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ مراد [illegible]

[illegible] کوئی [illegible] یعنی کوئی آپ سے کسی کا بدون اون [illegible]

اور [illegible] اللہ نے ساتویں جزو کے بارہویں رکوع میں فرمایا ہے۔ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا

اِلٰى رَبِّهِمْ [illegible] مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ یعنی ڈر سنا اس قرآن سے ان لوگوں کو جو ڈرتے

ہیں کہ حشر ہوں اپنے رب کی طرف نہیں ہے۔ انکو سواے اس کے کوئی حمایتی اور سفارشی شاید وے بچتے رہیں یعنی یہ سنکر گناہ سے بچتے

رہیں۔ یہ آیت بشیر ایمان رکھنے والوں کی باب میں اتری ہے۔ چنانچہ اس کے مضمون سے ظاہر ہے۔ اور تفسیروں میں مذکور ہے [illegible]

اول مضمون کی [illegible] نبی علیہ السلام نے کہا کہ جن آیتوں میں شرک کی برائی [illegible]

مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۔ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۔ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۔ ترجمہ

لوگ ہیں آسمان اور زمین میں ہو آتے ہیں رحمن کے سامنے بندے ہو کر ۔ بیشک اس نے قابو میں کر رکھا ہے ان کو اور گن رکھا ہے ان کو ایک ایک

اور ہر کوئی ان میں سے آنے والا ہے اس کے سامنے قیامت کے دن اکیلا اکیلا ۔ یعنی کوئی فرشتہ اور آدمی غلامی سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتا مثل

یعنی بادشاہ اپنی بادشاہت میں ۔ عالم اپنی عالمی میں ۔ فرشتہ اپنی فرشتگی میں ۔ خدا کی جناب میں نسبت کرتے بندگی سے زیادہ

رتبہ نہیں رکھتا ۔ گو کہ بادشاہ اپنی بنی نوع کا بڑا ہے مگر خدا کے آگے کیا ہے ۔ بندوں کی فضیلت ایک دوسرے پر ثابت ہے ۔ تحت الثریٰ

سے عرش تک کا تفاوت ۔ لیکن خدا کے آگے بڑوں سے بڑوں کو وہی بندگی ۔ بندگی بیچاری ۔ شیخ سعدیؒ کیا خوب کہا ہے

بدرگاہ لطف بزرگیش بر ۔ بزرگان نہادہ بزرگی ز سر ۔ اور ایک آیت میں اللہ صاحب فرماتا ہے ۔ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ

عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّ

لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۔ یعنی مسیح ہرگز برا نہ مانے اس سے کہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتے

نزدیک والے اور جو کوئی ننگ رکھے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا پھر جو ایمان لائے ہیں اور عمل کیے

امجد الطاف

ٹیڑھی مانگ

"گپ ہے مہاراج گپ گپ" لالہ جی نے چٹکی سے ناف صاف کرتے ہوئے کہا "آج کل کے لڑکے ...... رام رام ..... بدمعاش ہیں، حساب پڑھتے بدمعاش ہو"

سردار جی اپنی ڈھیلی ڈھالی پگڑی بائیں کان پر سرکا کر اور چھچیاتے بالوں کو کھجاتے ہوئے بولے،

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، واہگورو کی قسم سولہ آنے ٹھیک"

اور مولانا نے تسبیح کی مسلسل کھٹا کھٹ کے درمیان ریش حنائی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا:

"میں بھی آپ سے کلیتہً متفق ہوں جناب ہمارے نوجوان درحقیقت اخلاق سنوؤ اور صفات حمیدہ سے قطعاً عاری ہو چکے ہیں۔"

اور جیسے ایکسپریس کے انٹر کلاس کمپارٹمنٹ میں بحث کا ایک طویل سلسلہ چھڑ گیا اور نصف گھنٹہ تک مکھیاں بھنکتی رہیں۔

میں بہت دیر سے ٹیلیگراف کے کھمبے گننے میں مصروف تھا۔ "۹۹ آخری نمبر" میری اکتائی ہوئی نظروں نے پڑھا کھٹا کھٹ کھٹ، کھٹ گاڑی کے پہیئے بول رہے تھے۔ "یہ دنیا چار سو بیس!!!" اور مجھے محسوس ہوا کہ مولانا کی ریش، سردار جی کے کیس اور لالہ جی کی توند دھوکے کی تثلیث میں اور ۴۲۰، ۹۹ اور ۲ پر منطبق ہو کر رہ گئی ہیں۔ کھٹا کھٹ کھٹ کھٹ گاڑی چکنی چکیلی لائنوں پر ہرے ہرے کھیتوں کے درمیان پھیلتی جا رہی تھی۔

"لیکن آخر آپ لذت کے تذکرے سے اس قدر گھبراتے کیوں ہیں" کالج کا ایک نووارد نوجوان بزرگوں کے پھٹے میں ٹانگ اڑاتے ہوئے بولا "یہ تو ایک عین فطری خواہش ہے۔"

لالہ جی نے اپنی تنگ پیشانی پر ایک ننھی سی تیوری چڑھائی اور ناف کو زور زور سے کھجاتے ہوئے بولے "کیا مطلب؟"

"جی مطلب یہ ہے کہ اگر آپ انہیں دبائیں گے تو یہ کسی اور صورت میں ظاہر ہو جائے گا اور آپ کی شخصیت کو مسخ کر دے گا۔ اسلئے ان کے پھلنے کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ انہیں سامان تسکین پہنچایا جائے۔"

مولانا نے تسبیح کے ساٹھویں دانے کو انگوٹھے اور انگلی کے درمیان زور سے دبا کر فرمایا۔

"لاحول ولاقوۃ! گویا آپ کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ نفس امارہ کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو شرمندہ مقصود کر دیا جائے اور انسان یہ اشرف المخلوقات، یہ خلیفۃ اللہ، صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی بجائے شیطان رجیم کا مقلد ہو کر رہ جائے۔ استغفر اللہ! میاں صاحبزادے کیا کالجوں میں فرنگی یہی تعلیم دیتے ہیں انہیں؟"

فلسفہ کے مبتدی کا دماغ چکرا گیا۔ مولانا کی دبنگ آواز کے سامنے اسے دی آنا کے حنیمہ کے نظریئے صابن کے بلبلوں کی مانند پھٹتے نظر آئے۔

"جی نہیں قبلہ" وہ ذرا ہکلا کر کہنے لگا "میرا ...... میرا مطلب یہ نہیں ...... یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ ...... اچھا ٹھہریئے میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ شاید اس سے میرا مفہوم واضح ہو جائے۔

سردار جی بہت دیر سے اونگھ رہے تھے۔ خواب آلودہ آنکھیں اٹھا کر بولے۔

"آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ واہگورو کی قسم۔ سولہ آنے ٹھیک۔"

مولانا نے سردار جی پر ایک قہر آلود نظر ڈالی۔ لالہ جی نے پینترا بدلا۔ اور نوجوان نے کہنا شروع کیا:۔

صاحبان! یہ ایک سچی کہانی ہے میرے ایک دوست کی جو آج کل لاہور کے پاگل خانے میں دیواروں سے سر ٹکرایا کرتا ہے۔

مقابل جانئیے - بلکہ شرک کے معنی یہ کہ جو چیزیں اللہ نے اپنے واسطے خاص کی ہیں - اور انہیں اپنے بندوں کے ذمہ بندگی کے نشان ٹھہرائے
ہیں - وے چیزیں کسی اور کے واسطے کرنی جیسے سجدہ کرنا اور اس کے نام کا جانور کرنا اور اس کی منت ماننی اور مشکل کے وقت پکارنا اور ہر جگہ
حاضر ناظر سمجھنا اور تصرف کی بات قدرت ثابت کرنی - سو ان باتوں سے شرک ثابت ہو جاتا ہے - گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے
اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ جانے - اور اس بات میں انبیا اور اولیا جن بھوت پری شیطان میں کچھ فرق نہیں - یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ
ف ۴۲ کریگا - وہ مشرک ہو جاویگا - خواہ انبیا و اولیا سے کرے خواہ پیروں اور شہیدوں سے - خواہ بھوت و پری سے - چنانچہ اللہ تعالیٰ نے
جیسا بت پوجنے والوں پر طعنہ کیا ہے - ویسا ہی یہود اور نصاری پر - حالانکہ وے لوگ انبیا و اولیا سے یہ معاملہ کرتے تھے - چنانچہ
سورہ برات کے گیارہویں رکوع میں فرمایا ہے - اتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا
اُمِرُوا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ترجمہ ٹھہرایا انہوں نے مولویوں کو اور
درویشوں کو اپنا مالک سوائے اللہ کے اور مسیح مریم کے بیٹے کو - حالانکہ انکو تو یہی حکم ہوا ہے - کہ بندگی کریں ایک مالک کی -
نہیں کوئی مالک سوائے اس کے وہ نرالا ہے ان کے شریک بتانے سے - یعنی اللہ کو تو بڑا مالک سمجھتے ہیں اور ان سے چھوٹے اور مالک ٹھہراتے
ہیں - مولویوں اور درویشوں کو - سو اس بات کا ان کو حکم نہیں ہوا - اور اس سے ان پر شرک ثابت ہوتا ہے - اور وہ نرالا ہے اس کے شریکوں

کو توڑ سکتا۔ گو وہ ہادی بندوں کی ہدایت کیواسطے جب عادت مقدس کے خلاف کوئی کام کسی نبی کے ہاتھ سے ظہور میں لاوے
تو اوسکو معجزہ کہتے ہیں۔ اور ولی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے۔ تو اسکو کرامت کہتے ہیں۔ اور نیک مومن مسلمان کیلئے پیدا کرے تو اسکو
معونت کہا کرتے ہیں معجزہ کرامت اور معونت جو ہیں۔ بندوں کو ہدایت کرنے کے سبب ہیں نہ شرک اور کفر اور فسق میں پڑنے کے موجب
پھر حریصان مشرک شعار جو خوشامد گو کی مرادیں بر آئیں۔ جس سے اور زیادہ گمراہی میں ہو دیں۔ سو وہ معجزہ ہے۔ نہ کرامت نہ معونت
بلکہ استدراج ہے۔ اور غضب الٰہی کا نشان جیسا فرمایا ہے أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ
لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَل لَّا يَشْعُرُونَ۔ یعنی کیا خیال رکھتے ہیں۔ جو ہم انکو دیے جاتے ہیں۔ مال اور اولاد دوڑ دوڑ کر ملاتے ہیں بھلائیاں
بلکہ انکو بوجھ نہیں۔ اور فرمایا ہے۔ کہ سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ۔ یعنی انکو ہم سہج
پکڑینگے۔ ہم جہاں سے وے نہ جانینگے اور انکو مہلت دونگا۔ بیشک میرا داؤ پکا ہے جب قرآن عظیم کے باب میں ارشاد ہو چکا ہے کہ يُضِلُّ بِهِ
كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا۔ پھر مرادیں باعث اختلاف و ضلالت ہو تو کیا عجب ہے۔ سو شرک ان لوگوں کے یہ عقیدے قرآن و حدیث کے
بالکل برخلاف ہیں۔ چنانچہ اس کا بیان آگے صاف معلوم ہو چکا ہے جو کوئی شخص کسی سے یہ معاملہ کرے۔ کہ اسکو اللہ کا بندہ اور مخلوق
ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہیں۔ و لیکن سمجھا چاہیے۔ کہ شرک اسی پر موقوف نہیں۔ کہ کسی کو اللہ کے برابر سمجھے اور اس کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پیر اور ولی کو ماننا محض خبط ہے — سو اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قوت نہیں دی — اور کسی کی کوئی حمایت نہیں کر سکتا — اور یہ

بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر خدا کے وقت کے کافر بھی بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے — بلکہ اسی کی مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے — اور ان کو اس کے مقابل

طاقت ثابت نہیں کرتے تھے — مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا یہی کفر و شرک ان کا تھا سو جو

ف ہندوستانوں کے موافق ملکوت کل شیء کا معنی ہر چیز کا تصرف کر سکتا ہے — اور لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تصرف کا سا تصرف کسی بندے کو

[illegible] اور تصرف فعال لما یرید کی صفت ہے — وہ نہ کسی بندے کو سونپی جاتی ہے نہ کوئی بندہ اس میں شریک ہو سکتا — باقی معجزہ اور کرامت جو

سو تصرف الٰہی ہے — مخلوقات میں عادت کے موافق خلاف جو انبیاء اولیاء کے بڑے درجے اور مقبولیت کے رتبے پر دلیل اور ان کی بزرگی کے نشان

ہیں تا دین الٰہی کو ان بزرگوں سے لوگ جلدی قبول کریں — اعتقاد لانے میں شک و تردد نہ پڑے — لیکن نادان لوگ سبب خیال کرتے ہیں

کہ ہم ان حضرتوں کو پوجیں — اور منتیں مانیں — اور پھول چڑھاویں چادریں کریں — تو ایسے حضرات خوش ہو کر ہماری مراد دیا کریں گے — اور یہی خیال سے

خوشامد گو ان بزرگوں پر گیت وغیرہ بناتے ہیں — خوش ہو کر اپنی مرادیں بر لاویں — چنانچہ کسی نے [illegible] میں لکھا ہے کہ یا

علی مشکل میری پوجو مراد — الخ اور کسی نے ہندی کی راگنی میں کہا ہے — کہ پیر نظام الدین اولیا [illegible]

من کی مرادیں بھر پور — اس کی مثالیں کروڑوں ہیں — اس مذہب کو ہندوؤں سے اخذ کیا ہے — اسی طرح [illegible] دریا کے کنارے [illegible]

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ یعنی
جب تجھ سے پوچھیں بندے میرے مجھکو تو میں نزدیک ہوں سنتا ہوں پکارنے کی پکار کو جس وقت مجھکو پکارتا ہے۔ تو چاہئے حکم مانیں میرا۔ اور یقین لاویں
مجھ پر شاید نیک راہ پر آویں۔ پھر اس آیت کریم میں جناب الہی نے اپنی نزدیکی اور دعا سننے اور قبول کرنے کی صفت اور فرمان ماننے اور آپ پر ایمان لانے کی
رغبت فرمائی ہے۔ پھر جو کوئی کہ اسکی نزدیکی پر ایمان نہ رکھے۔ اور اسکی دعا کے سننے پر اعتقاد نہ لاوے۔ اور اس باب میں خدا کے فرمودے کے برخلاف
اوروں سے بابوں کی توقع رکھے۔ تو بیشک اس کا ایمان ڈانواں ڈول ہے۔ اور تم نے اسکو ٹھہرایا گویا اللہ کی طرف سے قریب ہے۔ سو اسکی صفت الہی ہے
اور اس صفت کو دوسرے سے ڈھونڈھنا شرک ہے۔ مگر بندہ جو اخلاق الہی اور احکام ربانی کی پیروی سے درجہ حاصل کرتا ہے سو اسکو بھی قرب الہی
کہتے ہیں۔ سو یہ قرب جانیوں کو پوجنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودے کو محض اللہ کی خوشنودی کے واسطے دل کے اعتقاد سے
بجا لاوے۔ تو ایسے درجہ حاصل ہونے کی امید ہے نہ غیر اللہ کے پوجنے سے۔ اور اللہ صاحب نے سورہ مومنون میں فرمایا۔ قُلْ مَنْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ
وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ۔ کون ہے وہ شخص کہ اسی کے ہاتھ میں ہے تصرف ہر چیز کا اور وہ
حمایت کرتا ہے اسکے مقابل کوئی حمایت نہیں کر سکتا۔ جو تم جانتے ہو سو وے وہیں کہ دینگے۔ کہ اللہ ہے۔ پھر کہاں خبطی ہوئے جاتے ہو۔
ف یعنی جب کافروں سے پوچھئے کہ سارے عالم میں تصرف کس کا ہے۔ اسکے مقابل کوئی حمایتی ظاہر نہ ہو سکے تو سب یہی کہیں گے کہ یہ اللہ کی شان ہے

سب بیچ کا طریقہ ہندوؤں کا دین ہے سو یہ مسلمانوں کا آئین - پھر جیسے کہلا کر ایمان کے برخلاف سبب پرستی شروع کرے یا کسی بزرگ کو حمایتی ٹھہرا کر

سجدہ زمین بوس رکوع کرنے لگے - سو مشرک ہے - اس کتاب میں جو آیتیں مذکور ہیں - ان کے مضمونوں میں اس قاعدے کا لحاظ رکھنا ضرور ہے - اور حمایتی

کہ حمایتی ٹھہرانے کے معنی یہ ہیں کہ اپنے زعم میں یہ قرار کر لینا کہ میں جو کچھ بخلاف مرضی الٰہی کام کرونگا - اور اس کے فرمودے کے برعکس چلوں بھی تو فلانا بزرگ

میری طرف ہو نکلے سبب خدا مجھ پر غضب نہ کریگا - اگر کرے بھی تو وہ بندہ درمیانی آکر مجھ پر کوئی آفت ہونے نہ دیگا - جیسا کہ کہتے ہیں کہ ہم کیا درہم ملا کے

حضور ہیں - یا فلانے بزرگ کے مرید - یا فلانے کے غلام - یا فلانے کے کتے - چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے - حشر کی و بخشش ہا مت غم کہا غلیم

فرشتے کو مددگار رکھا ہے - سو اس طرح اعتقاد رکھنا تین طرح کی گمراہی ہے - ایک تو اعتقاد فاسد رکھنا - کہ ایسا بھی کوئی بندہ ہے کہ

اللہ کے غضب کا آڑ ہو سکے - اور اس کا خلاف کر سکے - حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ

مُشْفِقُونَ - یعنی وے اور شفاعت نہیں کرتے - مگر اسکی جس پر وہ راضی ہو اور وے اسکی ہیبت سے ڈرتے ہیں - مقدس لوگ اونکے بعد شفاعت تو کرینگے

اللہ کے ڈر سے کانپتے رہینگے اور فرماتا ہے - لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا یعنی بات نہ کر سکینگے - مگر وہ جسکو

حکم دے رحمن اور بولے ٹھیک بات - دوسرا گناہ دلیری کرنا - اور اسکو ہلکا جاننا جیسا کہ کہتے ہیں - اسْتِخْفَافُ الْمَعْصِيَةِ

کُفْرٌ - یعنی گناہ اور نافرمانبرداری کو ہلکا جاننا کفر ہے - تیسرا نڈرپن خدا کے غضب سے کفر ہے - اور یہ بھی سمجھ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

[illegible]

۸۸

کو اللہ کی طرف درجہ میں۔ بیشک اللہ حکم کرے گا ان میں جس چیز میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ بیشک اللہ راہ نہیں دیتا جھوٹے کو ناشکر کو ف

ف یعنی جو بات سچی تھی کہ .... اللہ اپنے بندے کی طرف سب سے زیادہ نزدیک ہے۔ سو اوسکو چھوڑکر جھوٹی بات بنائی۔ کہ اور کو حاجتی ٹھیرایا

اور یہ جو اللہ کی نعمت تھی۔ کہ وہ اپنے فضل سے محض بغیر واسطے کسی کے مرادیں پوری کرتا ہے۔ اور سب ملا ہوا مال دیا ہے۔ سو اس کا حق نہ پہچانا

اور اس کا شکر ادا کیا۔ بلکہ یہ بات اوروں سے جاننے لگے۔ پھر اس الٹی راہ میں اللہ کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں۔ سو اللہ ہرگز اونکو راہ نہ دیگا۔ اور اس راہ سے

ہرگز اسکی نزدیکی نہ پاوینگے۔ بلکہ جوں جوں اس راہ میں چلینگے توں توں اس سے دور ہوتے جاوینگے۔ اس آیت سے معلوم ہوا۔ کہ جو کوئی کسیکو اپنا حاجتی

ف ۳۴ سمجھے۔ گو یہی سمجھ کر کہ اسکے سبب سے خدا کی نزدیکی حاصل ہوتی ہے سو وہ بھی مشرک ہے۔ اور جھوٹا اور ناشکر۔ ہر دنیادار عاقل اسباب کو سمجھتا ہے۔ کہ

اللہ تعالی نے حسن سیرت کو کافروں میں ناپسند کرکے شکوہ کیا ہو۔ سو اوس مسلمان کو سیرت کا اختیار کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ بلکہ اگر اس سیرت کو

ف ۳۵ اختیار کرکے اسی راہ پر چلے اور خدا کی گلہ مند ہوکر پرواہ نہ رکھے۔ تو وہ کفر لاوے۔ بلکہ کافر ہے۔ لیکن کچھ طالب العلم نادانی سے

کہا کرتے ہیں۔ کہ دیکھو مصنف نے حاجتی ماننے کو شرک کہا ہے حالانکہ شفیع حاجتی کے معنے ایک ہی ہیں اور ہمارے پیغمبر شفیع ہیں۔ پھر ہمارے پیغمبر کو شفیع ماننے کو

شرک ٹھیرایا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ تم نے حاجتی کے معنی ہی نہ سمجھا۔ کیونکہ حاجتی جس کو کہتے ہیں اور شفیع سفارشی کو کہتے ہیں سو ہر حاجتی کا خواہ مخواہ سفارشی ہونا ضرور

نہیں۔ نہ ہر سفارشی کا خواہ مخواہ حاجتی ہونا۔ مگر دنیا کے معاملوں میں کوئی حاجتی کسی کا سفارشی بن سکتا ہے اور کوئی سفارشی کسی کا حاجتی۔ پر اللہ تعالی کے

اسے سکھاتے ہیں۔ یہ مضمون حسب حال کے مطابق ہوی۔ وہ شخص اللہ کے یہاں نا پسندیدہ ہے۔ خواہ وہ مسلمان کہلاتا ہو۔ خواہ کافر۔ جس کسی کا اس کتاب میں

اس طرح کی باتیں آتی ہوں۔ انکو اسی پر سب سمجھے۔ اور یہ جو کہتے ہیں۔ کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس۔ سو یہ بات انکے تو نہیں بتائی شفیع

کہ انکی سفارش کرنے سے ہی کسی کی مراد ہوئے تو نہیں دیجے بلکہ قرآن میں یہ بتادیا۔ کہ کفی باللہ وکیلا۔ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون۔ یعنی اللہ

ہی سب سے بہتر کارساز ہے اور اسکو وکیل ٹھیراویں مومن لوگ۔ اور صحابہ کی زبانی فرماتا ہے۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ یعنی بس ہے ہمکو اللہ کافی اور

اچھا وکیل۔ پھر جسکو ایسا وکیل نہیں۔ اسکو کون وکیل ہوگا۔ پھر کیا تم اللہ سے زیادہ خبردار ہو۔ کہ اسکو بتاتے ہو جو وہ نہیں جانتا۔ اس سے معلوم

ہوا کہ تمام آسمان و زمین میں کوئی کسی کا ایسا سفارشی نہیں۔ کہ اسکو مانیے اس سے۔ یعنی پوجیے اور نذر نیاز منت مانیے۔ مگر اسکو پکارنے

تو فائدہ ہو یا نقصان پہنچے۔ بلکہ انبیا اور اولیا کی سفارش جو ہے۔ سو اللہ کے اختیار میں ہے۔ ان کے پکارنے نہ پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ پس یعنی ایسا نہیں کہ

جو انکو پکارے۔ سو یہ اسکی سفارش کرینگے۔ خدا کی مرضی ہو۔ یا نہ ہو۔ اور جو انکو نہ پکارے سو وہ انکی سفارش نہ کرینگے۔ اگرچہ اللہ کی مرضی اسکی سفارش

کی ہووے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی کو سفارشی بھی سمجھکر پوجے۔ وہ بھی مشرک ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالی نے سورہ زمر میں فرمایا ہے۔ والذین

اتخذوا من دونه اولياء ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى ان الله يحكم بينهم فيما هم فيه يختلفون ان الله لا يهدي

من هو كاذب كفار۔ ترجمہ اور جو لوگ پکڑتے ہیں سوائے اللہ کے اور حمایتی کہتے ہیں کہ ہم جو پوجتے ہیں انکو سو اسی لیے کہ نزدیک کر دیں

بیس دو سال پیشتر وہ بی۔ اے کا ایک ہونہار طالب علم تھا۔ نہایت شریف الطبع بڑے ہی عمدہ اخلاق، غالباً لالہ جی! وہ ہماری جماعت کا واحد طالب علم تھا جس کے منہ سے کبھی گالی نہیں سنی گئی تھی۔ آپ کی مانند وہ بھی کہا کرتا تھا۔ کہ اس نیلی چھت کے نیچے سب سے گندی اور ناپاک چیز ہے جنسی لذت! یہ ایک حیوانی جذبہ ہے جسے ابھرنے سے قبل ہی کچل ڈالنا چاہیئے۔ اور مولانا! وہ نماز روزہ کا بھی بے حد پابند تھا۔ نام تھا اس کا شوکت ممتاز! وہ شاعر بھی تھا لیکن اس کا تخیل عورت اور عورت کی فسوں کاریوں سے پاک تھا۔ وہ مناظر قدرت کی مصوری کرتا، بد اخلاقی اور سیہ کاری کے خلاف احتجاج کرتا غربت اور امارت، اونچ اور نیچ کا موازنہ اس کا خاص موضوع سخن تھا۔ آج کل کے نام نہاد، کارل مارکس کے پیرو، شاعروں کی طرح اس نے بازاری عورتوں کی شان میں کبھی قصیدے موزوں نہ کئے تھے۔ بلکہ وہ کہا کرتا تھا کہ یہ مخلوق اس قابل ہے کہ اسے ایک گھناؤنی اور مکروہ شئے سمجھ کر دھتکار دیا جائے، کیونکہ ننانوے فیصدی بازاری عورتیں ماں کی کوکھ سے رنڈی پن کا جنم لیتی ہیں، صرف ایک فیصدی بد قسمت خاتونیں شریف گھرانوں سے نکل کر اس کوچے کی زینت بڑھاتی ہیں۔ ایک فیصدی کی خاطر ننانوے فیصدی رسوا عورتوں کو کائنات کی ماں اور ٹھکرائی بہنیں کہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو اپنے پیٹ کے جہنم کے لیے تھوڑا بہت ایندھن محنت مزدوری کر کے بھی حاصل کر سکتی ہیں، مگر نہیں۔ انہیں "چسکا" پڑ چکا ہے"......

تو سردار جی! ایسا تھا میرا دوست! میں دو سال اس کے ساتھ رہا، مگر میں نے اسے کبھی ساڑھی کی سلوٹوں اور قرمزی لبوں کی طرف آنکھ اٹھاتے دیکھا۔ اس نے اپنی دنیا کچھ محدود سی کر لی تھی اور وہ اپنی اس محدود دنیا میں بہت مسرور تھا

اور پھر لالہ جی! اس کی تمام مسرتیں لٹ گئیں۔ اس کے گرد ماحول نے ایک ایسا جال بن دیا جس میں پھنس کر اکثر نوجوان ویلنس اور رڈانسا کے گن گا گا کر پاگل ہو جاتے ہیں۔ مگر شوکت مختار بہت شریف تھا، بہت ہی شریف تھا۔ لذت کو حیوانی جذبہ سمجھتا تھا نا! اسی لئے اپنی مسرتیں گنوا بیٹھا۔

ایک روز وہ میرے پاس آیا۔ خلاف معمول اس کے بال بہت پریشان تھے اور آنکھیں دور سے کراہتی معلوم ہو رہی تھیں۔ آتے ہی بولا۔

بختیار! میں بہت پریشان ہوں۔ میں.. میں..... گھر چھوڑ دوں گا"

"کیوں" میں نے پوچھا

"بس اب یہاں میرا گزارا نہیں ہو سکتا۔ وہ رفعت...... بس میں یہاں سے چلا ہی جاؤں گا"

بندہ خدا! "خیر ہوا کیا؟" میں نے اس کے شانہ کو پیار سے تھپکاتے ہوئے کہا "کچھ کہو بھی"

"ارے بھئی وہ رفعت ہے نا میری خالہ کی بیٹی۔ بس تنگ آ گیا ہوں میں اس سے...... کل سے اس کی نظریں.... میں تجھے کیسے بتاؤں۔ بس جی چاہتا ہے انگلی سے دونوں آنکھیں پھوڑ دوں۔ بختیار! خدا کی قسم۔ مجھے اس طرح دیکھتی ہے جیسے... جیسے..... اب کونسی مثال دوں۔ کبھی بہار کے موسم میں اپنی "پُوسی" کی آنکھیں دیکھی ہیں تم نے........"

"تم پاگل ہو گئے ہو" میں نے کہا۔ "دماغ کا علاج کراؤ"

"ابھی تو نہیں ہوا لیکن وہ کمبخت مجھے کر ضرور دے گی۔ بختیار! اس کی مسکراہٹ.... خدا کی قسم، مکڑی کا جالا ہے.... معلوم نہیں مجھ سے کیا چاہتی ہے...... اور سنو۔ ابھی ابھی آئی اور بولی "بھائی جان" اور مجھے سچ مچ ایسا محسوس ہوا گویا یہ لفظ اس نے بڑی مشکل سے ادا کیا ہے۔ ہاں تو بولی "بھائی جان آپ سیدھی مانگ کیوں نہیں نکالتے۔ ٹیڑھی مانگ تو آج کل عورتیں بھی پسند نہیں کرتیں۔ اور لے کر میرے بالوں کو بگاڑ دیا اور یوں مسکرائی یوں مسکرائی جیسے..... جیسے میں اس کا منہ ہی تو چوم..... توبہ توبہ...... ایسے برے خیال نامعلوم مجھے کیوں آنے لگے ہیں۔ بختیار۔ سچ بتاؤ مجھے کیا ہو گیا ہے"

تمہیں کچھ نہیں ہوا صرف وہ شرافت کا جبہ تار تار ہونے کو ہے جسے تم مدت سے اپنے اوپر زبردستی لادے پھر رہے تھے۔ اور میں خوش ہوں کہ اب کم از کم تمہارے وعظ تو ہماری راحتوں کو ملوث نہ

مدہی چوپایاں کی عوض میں روٹی ۔ ف اولاد دولت مستحق غیبت ہونا لوگوں کو مستحق کرتا کیا کرتے تھے۔ اب اپنے مزار مبارک میں بھی ایسا ہی کیا کرتے ہیں معاذ اللہ

ہر عقیدہ ہے۔ تو تم نے ان کو منحوست خوار دیا۔ اور تم نے مردار مال کے علم والعیاذ باللہ منہا اسکو ہم نے بھی قبول کیا۔ اگر وہ تصرف بھی ہو تو مزار مبارک میں

ہم نے کو سایہ فائدہ تم تو ادھر کوہ قاف میں پڑے ہو۔ اسکے سوائی کو ایسا تصرف ہے یا ہم چار بزرگوں میں ہے۔ ان کی بات بابا میر پہلوان۔ رجب سالار غازی

میاں میر گیسو دراز بی بی … اگلے … کے تصرف کا پتا کوئی نہیں بغیر ان خانوادوں کے تو سمجھو کہ ان حضرتوں کے تصرف کی

حقیقت مزار مبارک میں ہے۔ کہ کوئی صاحب باطن ارادتمند طالب معرفت الٰہی کا وہاں زیارت کو جاوے تو باطن کو ان مبارک روحانیوں کی طرف

متوجہ کرے ۔ تو تعلیم ہو جاتی ہے ۔ یہ بھی بالقدر منہ من ہے ۔ عام نہیں چنانچہ اہل حق پر پوشیدہ نہیں ۔ اگر کوئی کہے ۔ کہ نیت تو لڑکے کا ہونے کی ف ۳۲

منت بوجھنے کے شکوہ میں آکر ۔ جب پیر صاحب ان مانگنے والوں کے پیر منانے پر کیوں ایسا ہو گئی ۔ تو جواب ہے ۔ کہ ہر ایک مقصد مراد کو اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کے

پوجنے منانے پر موقوف نہیں رکھا ۔ نہ عقل کی راہ سے نہ شرع کی رو سے ۔ نہ عادت کی راہ سے ۔ بلکہ سب مقصد آپ ہی بر لایا کرتا ہے ۔ پیر لوگ

بربت سمجھتے ہیں ۔ کہ فلانے کے پوجنے منانے سے ہماری مراد بر آئی ۔ فلانا اسکو مراد دینے والا سمجھتے ہیں یا دلوانے والا ہر حال وہ آپ ہی ہے اور

منت کے لائق ٹھہرایا جانتے ہیں اللہ کا شریک ٹھہرا ۔ اللہ تو شریک سے بیزار ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو ایسا مقرر نہیں کیا ۔ کہ جو چاہے

سو کسی کو مراد دے ۔ یا دلوا دے ۔ پھر جن لوگوں نے اپنی طرف … سو اللہ کی نہیں مقرر کی ہوئی بات ۔ یہ تمام لوگوں سے

عنقریب تصرف کی یہ ہے ۔ کہ پیر و ولی دین کی راہ بتانے کے سبب عادی ہیں اپنی زندگی میں لوگوں کو دو طرح سے رہبری کرتے تھے ۔ ایک تو وعظ اور نصیحت

اور ذکر و فکر سکھانے سے ۔ دوسرا اپنی جان کسی کی جان کی طرف متوجہ ہو کر نیز علم اور معرفت اسکی جان کو سکھاتے ۔ اس طرح سے کہ اپنی طرف سے ...

اس دوسری صورت کو اکثر توجہ تصرف کہا کرتے ہیں ۔ یہ دونوں صورتیں ان بزرگوں کی زندگی میں جاری رہتی ہیں ۔ لیکن اسکے ناسمجھ اور خلیفوں سے

اگر ان ... اور خلافت اہل طریقت کی باطل تھی ۔ ... اور اللہ کی عادت ... اس طرح ... ہوئی ہے

مگر وہ تصرف جو بے سمجھ لوگوں نے ... ہے ۔ ... بالکل ان کے دل کی تراش ہے ۔ نہیں تو کون پیر ولی ... مرید کا کھانا پکا دیتے ہیں یا انکے کپڑے

بُن دیتے اور ... ہیں ۔ یا اس کے گھر کا پانی بھر دیتے یا اس کے جانور کو چارا دانہ لا کر ڈال دیتے اسی قیاس پر باقی باتوں کو سمجھ لیجئے ۔ مگر خداوند تعالیٰ نے

سب کاموں کے اسباب مہیا کر دئے ہیں ۔ اب جو کام ... ہیں انکے خلق اور ارادے سے ہے ... حدیث میں آیا ہے

اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِيْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ مِّنْ ... اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ ۔ الٰہی جو کچھ نعمت صبح

ہاں میں اور ہر مخلوق کے پاس ہو تیری ہی ہے ۔ کوئی معبود نہیں مگر تو ۔ تیرا کوئی ساجھی نہیں ۔ یہ جو کہتے ہیں ۔ کہ حضرت اپنی ... میں تصرف

کرتے ہیں ۔ جیسا کہ اپنی حیات میں کیا کرتے تھے ۔ بلکہ زیادہ اور اس پر مولانا عبد العلی وغیرہ کے قول کو سند لاتے ہیں ۔ سو ہم ان کو پوچھتے ہیں کہ

حضرات کیا زندگی کے وقت میں تمہارے خیال فاسد کے مطابق ... بگڑی گھڑی ... لڈو جلیبی ... حیرانی ...

اللہ صاحب فرماتا ہے۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ

اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔ ترجمہ اور پوجتے ہیں اللہ کے سوا ایسی چیز کو کہ نہ کچھ نفع دیوے

اور نہ نقصان اور کہتے ہیں یہ لوگ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے پاس کہہ کیا بتاتے ہو اللہ کو جو نہیں جانتا۔ وہ نہ آسمانوں میں نہ زمین میں۔ سو وہ نرالا ہے ان سے

جنکو شریک بناتے ہیں یعنی جنکو لوگ پکارتے ہیں ان کو اللہ نے کچھ قدرت نہیں دی۔ نہ کسی طرح کی قوت۔ فائدہ پہنچانے کی نہ نقصان کرنے کی

ف ۳۱ ف۔ یعنی اس بات کا ثابت کرنا منظور ہے کہ اس شبہ عقیدہ سے سبب ہے۔ کہ اللہ نے کسی چیز میں یا کسی شخص میں کوئی قوت رکھ نہیں دی۔ نہ کسی پر کسی طرح کی

قوت قدرت سونپ دی۔ چنانچہ نہ آگ کو جلانا سونپا ہے نہ پانی کو ڈبانا۔ نہ کھانے کو بھوک مٹانے کی قوت دی ہے نہ پانی کو پیاس بجھانے کی۔ مگر

آپ ہی فاعل مختار ہے۔ دوسری چیزیں بہانہ کے طور پر ہیں۔ ازبسکہ عادت الٰہی مخلوقات سے کام کے جاری کرنے کی ٹھیری ہے۔ بیچ نظر میں لوگ سمجھتے

ہیں۔ کہ ان چیزوں میں اور ان شخصوں میں قوت دہری ہوئی ہے یا سونپی ہے [illegible] یا چیزوں میں قوت دہری ہونے کا عقیدہ

ف ۳۲ یا کسی شخص میں قدرت سونپی ہوئی سمجھنے کا اعتقاد گمراہی ہے۔ اب یہیں سے مندفع ہے۔ کہ لوگوں میں شرک بہت پھیل رہا ہے۔ جب کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ

صاحب تصرف ہیں۔ تو بے سمجھ لوگ اس سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ بزرگ جو چاہیں۔ رات کو دن کریں۔ دن کو رات۔ سوکھے ہوئے کو ہرا۔ ہرے کو سوکھا۔

جیتے کو مردہ۔ مردہ کو جیتا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ لیکن بات ایسی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے تصرف کا معنی ہی نہ سمجھا۔ جھوٹے اسم اللہ ہی غلط پڑھا۔

وکیل اور سفارشی ٹھیرانا۔ کیونکہ اس وکیل نے کب وکالت کو مانا ہے۔ اور اللہ نے کب قبول کیا ہے۔ ایسے خیال خام اور تصور بیجا سے کیا حاصل۔ تیسری غلطی یہ جو لوگ
کہتے ہیں کہ ان کے ملنے سے خدا ملتا ہے۔ شرک اور بدعت کرنے والے سے کب ملتے ہیں۔ اگر ایسے لوگ ان کے ملنے سے خدا پاتے تو سب منافق اور مشرک اصحاب حق
ہونے ہوتے۔ لیکن خدا کے دوستوں کا ملنا ایمان اور یقین اور سنت کی پیروی سے ہوا کرتا ہے۔ یہی راہ اللہ سے ملنے کی ہے۔ چوتھی غلطی یہ جو لیتے ہیں کہ انکے
پکارنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ سو اس کے برخلاف اللہ نے فرمایا کہ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یعنی مجھ کو یاد کرو میں تم کو یاد کروں۔ نہیں فرمایا کہ اوروں کو [illegible]
میں تمہیں یاد کروں۔ اور فرمایا کہ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۔ یعنی تم مت پکارو اللہ کے ساتھ اور کو۔ پھر مشرک کیوں کہتے ہو کہ مردوں کو پکارنے سے
خدا ملتا ہے۔ شاید یہ عقیدہ ہندوؤں سے لیا ہے۔ کہ وے کہتے ہیں کہ مہاپرشوں کے نام کا جپنا بھگوان کے ملنے کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن اسلام میں
کسی نے ایسی بات نہیں کہی۔ پانچویں غلطی یہ جو کہتے ہیں کہ جو ہوں بڑے لوگوں کو مانیے۔ یعنی انکی نذریں اور منتیں کیجیے۔ تو ہوں ہم اللہ سے
نزدیک ہوں۔ سو برخلاف اس کے سب علماء مخلوق کی نذر نیاز کو حرام ٹھیرا گئے ہیں۔ پھر ایسے کام سے خدا کی نزدیکی کیونکر حاصل ہوتی۔ یہ عقیدہ بھی ہندوؤں کا ہے
کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مہاپرشوں کے ملنے سے بھگوان ملتا ہے۔ اور اسی طرح کی خرافاتیں بکتے ہیں۔ سو ان باتوں کا سبب یہ کہ خدا اور رسول کے کلام کو چھوڑ کر ف ۳۰
اپنی عقل کو دوڑایا۔ اور جھوٹی کہانیوں کے پیچھے پڑ گئے۔ اور علمائے سلف کی سند پکڑی۔ اور اگر اللہ اور رسول کا کلام تحقیق تو سمجھ لیتے۔ کہ پیغمبر خدا صلی [illegible]
علیہ وسلم کے سامنے بھی کافر لوگ ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ اللہ صاحب نے انکی ایک نہ مانی۔ اور ان پر غصہ کیا۔ اور انکو جھوٹا بنایا۔ چنانچہ سورہ یونس میں

اللہ نے تو آپکو فرمایا ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ یعنی اچھا والی اور خوب بھروسا کرنے کے لائق۔ پھر اس وکیل پر کیوں نہیں توکل کرتے
اور فرمایا ہے۔ کہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ کہ یعنی پکارو مجھے میں تمہاری پکار کو پہنچوں۔ لیکن نہیں فرمایا۔ کہ اگر منتیں مانیں تو دعا قبول کرونگا
نہیں تو نہیں۔ تو پھر کس دین میں یہ ہے کہتے کہ منتیں انکی ماننی اللہ کی خوشی کا سبب ہے مراد ان کا نکلنا بھی اللہ ہی کا بنایا ہے۔ اور ان سے مدد مانگنی جیسی اللہ ہی سے
مدد مانگنی ہے اور یہ لوگ اللہ کے پیارے ہیں۔ جو چاہیں سو کریں اور اسکی جناب میں ہمارے سفارشی ہیں۔ اور وکیل۔ اور ان کے ملنے سے خدا ملتا ہے۔
اور ان کے پکارنے سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور جتنا ہم ان کو مانتے ہیں اتنا اللہ سے نزدیک ہوتے ہیں۔ سو یہ سب تقریرات عقیدہ وسیلہ
پر بنا ہوئے ہیں۔ خصوص ان کے ملنے سے خدا ملتا ہے۔ کہنا اس واسطے باطل ہے کہ جب نہروانیوں نے کہا۔ کہ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ۔ یعنی کوئی قضیوں کو
فیصلہ کرنے والا نہیں سوائے اللہ کے۔ تو امیر المومنین علی نے فرمایا۔ کہ کَلِمَۃُ حَقٍّ اُرِیْدَ بِہَا الْبَاطِلُ۔ یعنی بات سچی ہے لیکن نہروانیوں نے اسکو باطل
کو ملانے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ اگر اس سے انکا ارادہ یہ ہے کہ وے حضرات اللہ کے عین ہیں۔ تو بیشک کفر ہے۔ چنانچہ اکثر کیش درویشوں کا اور پیروں کا
عقیدہ ہائے ایسا ہی ہے یا قریب اسکے۔ چنانچہ انکے معتقدوں کا کلام اس طرح پر ہے۔ کہ ایک شاعر نے کہا ہے ـــ جسے نام ہے صبغۃ اللہ کر۔ مرید ایسے تجھ میں اللہ
اس کے سوا یہ بھی بڑی غلطی ہے۔ جو کہتے ہیں اللہ کے پیارے جو چاہیں سو کریں۔ یہ نہیں بلکہ جو اللہ کے پیارے ہیں سو کبھی اپنے من مانتے کام نہیں کرتے
لیکن وہی کام کرتے جو اللہ کا حکم اور مرضی ہو۔ اللہ کے پیاروں کو اپنے مطلب پر چلانا بڑا گمراہی ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ اپنی حاجت کسی کو خدا کی جناب میں

کُفْرُ الْفَلَاسِفَةِ وَالطَّبَائِعِيِّيْنَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ - اور اس کا حکم یوں لکھا ہے - کہ مَنْ قَالَ فِي الْأَسْبَابِ الْعَادِيَةِ اَنَّهَا تُؤَثِّرُ
بِالذَّاتِ وَالطَّبْعِ فَقَدْ حُكِيَ الْإِجْمَاعُ عَلَى كُفْرِهِ وَمَنْ قَالَ اَنَّهَا تُؤَثِّرُ بِالْقُوَّةِ اَوْدَعَهَا اللّٰهُ فِيْهَا فَهُوَ فَاسِقٌ مُبْتَدِعٌ وَفِيْ كُفْرِهٖ
قَوْلَانِ انتہیٰ - اور وسیلہ سمجھنے والوں کو تفویضیہ کہتے ہیں - جو رافضیوں کا ایک فرقہ ہی کیا کرتا ہے - کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو بنا کے محمد کے سپرد کر دیا کہ جیسے
چاہتے تصرف کیا کریں - اس فرقہ کا دوسرا عقیدہ یہ کہا کرتا ہے - کہ بعد حضرت کے علی علیہ السلام کے بھی اسی طرح سپرد کیا - پھر کہتا ہے - کہ آئمہ اہلبیت کے بھی سپرد کیا
کہ خاطر خواہ تصرف کریں - سنی کہلانے والوں میں کوئی ایسا فرقہ نہ تھا - آخری زمانے میں وہ بھی ظہور کیا - اصل میں یہ بدی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کو کسی کے تصرف
میں دیدیا ہے - پھر جیسے بہت مسلمان کہلانے والوں نے بھی انہیں کی سی بات کہی - لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ کی حدیث کا معجزہ ظاہر ہوا - اور اس آیت کے
مصداق بھی ہوئے - کہ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ - اگر
کسی بزرگ کو خداوند تعالیٰ نے کسی وقت کسی کام کی قدرت خلاف عادت دیکر وہ کام کرا دے تو وہ خرق عادت ہے یعنی عادت کا توڑنا - اگر یوں نہ ہوتا تو عادت
ہوتی - خرق عادت کاہے کو کہلاتی - جیسا کہ یہ تو ذکر عظیم آفتاب مالغلب میں ہے - سو عادت ہی کی جہت سے نہ کہ معجزہ و کرامت و خرق عادت سے - معجزہ انبیا کا
اور کرامت اولیا کی حق ہے - لیکن یہ کہاں سے معلوم ہوا - کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کاموں کی قدرت ان حضرتوں کو سونپ دی کہ ہمارا وکیل بنایا ہے ایسی باتیں
کہنی خدا پر افترا کرنا ہے - ایسوں ہی کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ - یعنی اور جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر جان بوجھ کے

جیڑی بہی ہوتی مگر چوپایاں شدہ جھنڈا وغیرہ ایسی چیزوں کی نشانیاں ہیں سو یہ کیا کم شرک ہے ۔ غیر اللہ کی دوہائی تو قسم کی برائی کا اشارہ ہوتا ہے آئندہ
اسکی حقیقت مذکور ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ ۔ پھر یہ ایسے مسلمان ایسی شرک وکفر کی رسمیں کیا کرتے ۔ اور دعویٰ مسلمانی کا کئے جاتے ۔ سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعویٰ ؟
سچ فرمایا ہے اللہ صاحب نے سورۂ یوسف میں وَمَا اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ۔ ترجمہ اور نہیں ہیں مسلمان ۔ بہت لوگ مگر وہ شرک کرتے ہیں ۔
یعنی اکثر لوگ جو دعویٰ ایمان کا رکھتے ہیں سو شرک میں گرفتار ہیں ۔ پھر اگر کوئی سمجھانے والا ان لوگوں کو کہے ۔ کہ تم دعویٰ ایمان کا رکھتے ہو ۔ اور افعال شرک کے کرتے ہو
یہ دونوں راہیں کیوں ملائے دیتے ہو ۔ اس کو جواب دیتے ہیں ۔ کہ ہم تو شرک نہیں کرتے ہیں ۔ بلکہ اپنا عقیدہ انبیاء اور اولیاء کی جناب میں ظاہر کرتے ہیں ۔
[illegible] انبیاء اور اولیاء کے فرمودے کے خلاف شرک اور بدعت کرتے چلے جانا اور سمجھنا کہ ہم اپنا اعتقاد انکی جناب میں ظاہر کرتے ہیں ۔ سو کمال بے ادبی اور گمراہی کی
دلیل ہے ۔ علاوہ یہ کہ ایسے شرک کے کام جائز ہونے پر اپنی ادنیٰ سمجھ سے یوں کہنا ۔ شرک جب ہوتا ۔ کہ ہم ان انبیاء اولیاء اور پیر اور شہیدوں کو اللہ کے برابر سمجھتے
سو ہم تو یوں نہیں سمجھتے ۔ بلکہ ان کو ہم اللہ ہی کا بندہ جانتے ہیں ۔ اور اسی کا مخلوق ۔ اور یہ قدرت تصرف کی اسی نے اس کو بخشی ہے اور اسی کی مرضی سے عالم میں
ف ۲۹ تصرف کرتے ہیں ۔ سو اہل سنت والجماعت کا عقیدہ مقرر ہے کہ کسی چیز میں اللہ نے قوت رکھ دی ہے کہنا اور وہ قوت آپ سے آپ ظاہر ہوتی ہے ۔ کر کے سمجھنا کفر
کیونکہ یہ بات اللہ کو قادر علی الاطلاق اور مالک مختار سمجھنے کے برخلاف ہے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کسی کو کسی کام میں قدرت سونپ دی ہے ۔ سمجھنا کفر ہے
چنانچہ تعلیقہ سنوسی میں شرک کے چھ قسمیں اور انہیں کی پانچویں قسم لکھی ہے ۔ سو شرک الاسباب وَهُوَ اِسْنَادُ التَّاثِيْرِ اِلَى الْاَسْبَابِ الْعَادِيَةِ

میں گرفتار ہیں۔ تھ۔ گویا اس آیۃ کریمہ کا مضمون ظاہر ہوا۔ کہ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ ترجمہ اور نہیں یقین لاتے سب لوگ اللہ پر مگر ساتھ شرک
بھی کرتے ہیں۔ اصل معنی شرک اور توحید کے سمجھنے چاہئیں۔ برائی اور بھلائی انکی قرآن و حدیث سے معلوم ہو سنا چاہئے۔ کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں اور اماموں کو اور
شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور انکی منتیں مانتے ہیں۔ اور حاجت بر آنے کیلئے نذر و نیاز کرتے ہیں اور بلا کے ٹلنے
کیلئے اپنے بیٹوں کو انکی طرف نسبت کرتے ہیں کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے۔ کوئی علی بخش کوئی حسن بخش کوئی حسین بخش کوئی پیر بخش کوئی کسی کے نام کی بدھی کوئی
کسی کے نام کے کپڑے پہناتا ہے۔ کوئی مدار بخش کوئی سالار بخش کوئی غلام محی الدین کوئی غلام معین الدین۔ پیران کے جینے کیلئے کوئی کسی کے نام کی چوٹی رکھتا ہے کوئی کسی کے نام کی
بیڑی ڈالتا ہے۔ کوئی کسی کے نام کی جانور ذبح کرتا ہے کوئی مشکل کے وقت کسی کی دہائی دیتا ہے۔ کوئی اپنی باتوں میں کسی کے نام کی قسم کھاتا ہے۔ غرض جو کچھ کہ ہندو اپنے ۷۸
بتوں سے کرتے ہیں۔ سو وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اور انبیاء اماموں شہیدوں سے اور فرشتوں اور پریوں سے کر گزرتے ہیں۔ نقل القصہ جو فلانے بزرگ اے پکارے بغیر مراد
نہیں ملتی سمجھنا خدا کی ذاتی اور حقیقی اور دنیا میں بیٹک لاتا ہے۔ اگرچہ زبان سے شکایت اور اگر فعل ان کے شک لانے پر دلیل ہے۔ اسمیں خوف کفر کا ہے کیونکہ سبب
ظاہر قائم مقام علم کے ہے۔ اور خدا کے بندے ہوتے ہوئے بیچ نہیں سکتے۔ مگر فلانے بزرگ کے بندے ہوئے ہوئے تو بھی گیتے خیال کرکے یہ کرنا کفر ہے۔ اور فقہ
نے مقدمے میں فقہا نے لکھا ہے۔ کہ اس نذر سے یہ کام ہو گیا۔ کہنا یا نذر نہیں کی۔ تو کام نہیں ہوا۔ کہنا خوف شرک اور کفر کا ہے۔ کیونکہ اسمیں اللہ کو والی ٹھہرانا اور
وجود مطلق میں شک کرنا یا نذر کے فعل کو مؤثر ماننا ہوتا ہے۔ یہ سب صورتیں گمراہی کی ہوا کرتی ہیں۔ اور غیر اللہ کی نذر کب ان قباحتوں سے خالی ہو سکتی ہے

ف ۲۵ پارسائی نمایاں ندر ہے۔ ع بمی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید، کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا۔ جب زمانہ شریعت کا دشمن ہوا۔ اور طریقت
جو باطنی شریعت ہے۔ جاتی رہی اسکی جگہ پر زندیقی اور باطنی میں طریقت ٹھہری تو ضرور ہوا۔ کہ شریعت و طریقت اور اتباع سنت اور توحید کی مدد کیجئے اور دعوت سیدھے
تب تو یہ تقویۃ الایمان اور صراط مستقیم وغیرہ کتابیں بنیں۔ ان کے مصنفوں نے دعوت حق ادا کیا۔ پڑھنے اور سننے والوں کو اللہ مانے توفیق دے۔ اور اس دعوت کا
نام طریقۂ محمدیہ کی دعوت کر کے رکھا۔ ہ سو اسلئے کتنی آیتیں اور حدیثیں کہ جنمیں بیان توحید کا اور اتباع سنت کا ہے اور برائی اور شرک اور بدعت کی اس رسالے میں
کیں اور ان آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ اور ان کے صاف معنی کا بیان زبان ہندی سلیس میں کر دیا تاکہ عوام اور خواص اس سے فائدہ برابر اٹھائیں اور جسکو اللہ توفیق دیوے
ف ۲۶ سیدھی راہ پر ہو جاویں اور بتانیوالے کو وسیلۂ نجات ہووے آمین یا رب العالمین ف۔ اگر چہ اس رسالہ کی بعض باتیں جو خواص کی فہمائش کے
لائق ہیں عوام کی سمجھ میں نہ آویں۔ تو کوئی اعتراض نہ کرے۔ کیونکہ اس کتاب کے لکھنے سے فقط عوام ہی کی دعوت مقصود نہیں۔ خواص کی بھی تنبیہ مراد ہے۔ ع
چو دانا ہیچ نادان گشتہ غرق است۔ ز دانش تا بنادانی چہ فرق است۔ ہ اور اس رسالہ کا نام تقویۃ الایمان رکھا۔ اور اسمیں دو باب ٹھیرائے پہلے باب میں بیان توحید کا
ف ۲۷ اور برائی شرک کا۔ دوسرے باب میں بیان اتباع سنت کا اور برائی بدعت کی ف۔ تقویۃ الایمان کے چھاپنے والے سید عبد اللہ بن سید بہادر علی نے پہلی بار
چھاپا تھا۔ میں نے اسکی شرح لکھی۔ دوسرے باب کی تلاش میں ہوں۔ اگر مل جاوے تو اسکی شرح بھی کرونگا۔ انشاء اللہ تعالی ہ باب پہلا شرک اور توحید کے بیان میں
اول سننا چاہئے۔ کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے۔ اور اصل توحید نایاب لیکن اکثر لوگ شرک اور توحید کے معنی نہیں سمجھتے اور ایمان کا دعوی رکھتے ہیں حالانکہ شرک

میں بس طرح ہوا کرتا ہے۔ کہ صحابہ کے عقیدے کے خلاف عقیدہ رکھنا عقیدے کی بابت ہے۔ وہ بدعت ایمان میں خلل ڈالتی ہے۔ یعنی ایمان پکا نہیں رہتا

بلکہ کچا ہو جاتا ہے جیسا اعتقاد رافضیوں کا اور خارجیوں کا اور معتزلیوں کا اور دوسرے بدعتیوں کا کہ صحابہ کے عقیدے کے خلاف ہے۔ اور صحابہ کے اعتقاد کے موافق اعتقاد

کو اعتقاد اہلسنت وجماعت کہتے ہیں اور عمل کی بدعت اس طرح ایمان میں خلل ڈالتی ہے۔ کہ اکثر بدعت پسند بدعتیوں کو کرتے کرتے انکو سنتوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

اور ان کے کرنے میں ایسا اہتمام کرتے ہیں کہ کبھی دین کے کاموں میں ویسا نہیں کرتے۔ اور کئی بدعتیں ہیں کہ ان کے سبب مقصود شارع فوت ہوتا ہے۔ بدعتی لوگ

اس سے کچھ اندیشہ نہیں کرتا۔ بلکہ ویسی بدعتیں ہم سمجھتے ہیں جیسے شدے جھنڈے وغیرہ سب ایمان کو ڈانواں ڈول کرنے والی بدعتیں ہیں۔ اسی طرح جس بدعت کو

وہ کریگا اس بدعت کے مقابل کی سنت کو خفیف سمجھنا ایمان میں خلل کرتا ہے۔ اور بدعتیوں سے یہ بات البتہ سرزد ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت دیکھنے میں آئی

اور اسکی خبر آگے ہے۔ جو تین حدیثوں میں آ چکی ہے۔ جیسے منہ میں مکھ ہو۔ ایمان دار آدمی کو مرنا ہے۔ کہ ان باتوں سے بچے اور اللہ بچاوے۔ مراد جاننا چاہیے

کہ جو کوئی توحید اور اتباع سنت میں بڑا کامل ہو۔ اور شرک اور بدعت سے بہت دور۔ اور لوگوں کو جسکی صحبت سے یہ بات حاصل ہوتی ہو۔ اسکو اپنا پیر اور استاد سمجھے

ف۔ صحابہ کے زمانے میں اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانے تک بلکہ اس سے بھی پیچھے تک ایسا ہی قاعدہ تھا۔ کہ جو کوئی توحید اور اتباع سنت میں پکا ہو

اسکی صحبت سے لوگ اس بات میں ثابت قدم ہوا کریں۔ سو وہی پیر و مرشد ہووے۔ لیکن اس زمانے میں الٹا مقرر ہوا ہے۔ کہ جو شخص توحید اور اتباع سنت میں کامل ہے

سو اس کو کہتے ہیں کہ اس کے بیان میں روکھی شریعت ہے۔ اسکی مرشدی ارشاد کیا۔ بلکہ پیر ایسا چاہیے جسکے یہاں کفر و اسلام ایک ہو۔ اور بدعت میں خیالی افسون

کیا کریں گے ... ہاں، گھبرانے کی بات ہی کیا ہے۔ وہ جوانی ہی کیا جو رومان بھری لغزشوں سے رنگین نہ ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی لڑکی تمہاری زندگی میں بھی داخل ہوئی اب تمہارے تخیل کے پومپی آئی میں زلزلہ آئیگا۔ اور میرے دوست، وہ وقت دُور نہیں جب مدتوں کا سویا ہُوا دسو دیس جاگ اُٹھے ۔ اور ایک انگڑائی لے کر لاوا اگل دے۔"

"تم مذاق کرتے ہو بختیار! بخدا مجھے اس قدر ذلیل سمجھتے ہو مجھے اپنی اس شرافت پر ناز ہے جس کا تم مضحکہ اڑاتے ہو۔ مجھے اپنی خواہشات اور جذبات پر اختیار ہے۔ میں اپنی شرافت پر کبھی دھبہ نہ لگنے دونگا۔"

"اختیار؟ نہیں میرے دوست۔ یہی تمہاری غلط فہمی ہے تم نے ہمیشہ اپنے آپ کو دھوکا دیا۔ تم نے اپنے جسم کو پاک رکھا اور خیال کو آلائشوں کا ذخیرہ بنا ڈالا۔ تمہارے تقدس کی چار دیواری میں چنگاریں پھڑ پھڑانے لگیں۔ ایک عرصہ سے تمہارے اندر ہی اندر جوالا بھڑک رہی ہے اب اس کے شعلے بلند ہونے کو ہیں۔ حقیقت بے نقاب ہو رہی ہے۔ میرے دوست مرد بنو مرد۔ پھر یہ ساری گھٹنی ختم ہو جائے گی اور تم سکون کی ایک ایسی دنیا میں سانس لینے لگو گے۔ جہاں اضطراب کا نشان تک نہیں۔"

سرور جی! اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ اور چپ چاپ اُٹھ کر چلا گیا۔ سچ کہتا ہوں۔ میں تمام دن کڑھتا رہا۔ آخر میں نے یہ کیا حماقت کی کہ اپنے ایک سیدھے فلسفہ کی رو میں بہ گیا اور بے چارے کی دلدہی کی بجائے اسے ایک ہیجان میں مبتلا کر دیا۔ شام کو وہ حسب معمول میرے پاس آیا۔ اس کا غصہ کافی حد تک اتر چکا تھا۔ بولا۔

"سیر کو نہیں چلو گے کیا؟"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دراصل اب کچھ کہتے مجھے خوف محسوس ہوتا تھا۔ میں نے کپڑے بدلتے ہوئے غور سے دیکھا۔ وہ کوئی نعت گنگناتا ہوا آئینہ کے سامنے بال سنوار رہا تھا۔ مولانا! آپ خواہ اسے معمولی، بالکل معمولی سی بات ہی سمجھیں۔ مگر واللہ میں تو بھونچکا سا ہو کر رہ گیا۔ جانتے ہیں کیوں۔ اس نے بجائے ٹیڑھی کے سیدھی مانگ نکالی ہوئی تھی۔

"ارے! مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں" میں نے طنزاً کہا۔ "ذرا تمہاری سیدھی مانگ کی تحلیل نفسی کر رہا ہوں۔"

"سیدھی مانگ" مختار نے پہلے مجھے اور پھر آئینہ کی طرف دیکھا، اس کا رنگ فق ہو گیا اور بولا "بختیار! خدا کے لئے مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ مجھے معلوم نہیں میں کیا کر رہا ہوں۔ کیوں کر رہا ہوں"

اور اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

"مختار! کیا تم رفعت کی ہستی کو بالکل نظر انداز نہیں کر سکتے؟"

"اسے یہی تو مصیبت ہے۔ وہ تو مجھے ذرا بھی چین نہیں لینے دیتی ہر دومنٹ کے بعد ایک نئی بات لے کر آ دھمکتی ہے ....

بھائی جان! آپ اتنا پڑھتے کیوں ہیں ـــــ وہ ہماری استانی ہیں نا وہی موٹی موٹی، گوری گوری سی، وہ کہتی تھیں، زیادہ پڑھنے سے پھیپھڑے کمزور ہو جاتے ہیں۔ بینائی زائل ہو جاتی ہے۔ ریڑھ کی ہڈی میں خم، پیٹ خراب ـــــ اور ہاں بھائی۔ وہ تھی نا ہمارے ہاں چھوکری۔ سیداں سیداں، ارے وہی جو پنواڑی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ وہ اب واپس آگئی ہے۔ اب اس کی گود میں ایک بچی ہے چھوٹی سی۔ سچ بھائی جان۔ آپ کو بچے پیارے نہیں لگتے ـــــ پچھلے سال خالہ صفیہ کے گھر شادی ہوئی تھی نا تو ظہور بھیا کیسے اچھے لگتے تھے۔ اور کمخواب کی شیروانی۔ اور ـــــ بھائی جان! آپ کی شادی کب ہو گی۔ اللہ! جلدی کرا لیجئے۔ دن بدن دبلے ہوئے جا رہے ہیں آپ! اور میں نے تو کئی دن سے آپ کی شادی کے لئے سہرا بھی لکھ رکھا ہے۔ سناؤں ـــــ نہیں۔ ابھی نہیں ـــــ ہیں بھائی جان ـــــ جی بھائی جان .... اب تم ہی بتاؤ کوئی کیسے نظر انداز کرے اسے۔ اگر چڑیل کو کمرے سے باہر نکالتا ہوں تو امی جان کے پاس جا کر جھوٹی سچی جڑ دیتی ہے اور وہ بھی الٹا مجھی پر ناراض ہوتی ہیں .... اور اگر یہ بھی نہیں تو اپنی بلغم سی آواز میں گانا شروع کر دیتی ہے ـــــ سپنوں میں کوئی یاد آتا ہے۔ ہونٹوں سے ہونٹ ملاتا ہے ـــــ ہونٹوں سے ہونٹ! توبہ۔ توبہ ہو گئے شاعر ـــــ کیسا گھناؤنا تخیل ہے ساجن اور سجنی بیٹھے ہیں مانند نہایت اطمینان سے ایک دوسرے کا تھوک چاٹ رہے ہیں۔

عقل کی باتیں۔ سکھلانا بات سے ہوا کرتا ہے۔ کہ جب انہوں نے بات کو سمجھا تب ہی تو سیکھا۔ پیغمبروں کے عالم ہونے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا
اور رسول کی باتیں ان پڑھ آدمی بھی سمجھ اور سیکھ سکتے ہیں۔ سیکھتے سیکھتے عالم ہو جا سکتے ہیں اور تامل سے دیکھئے کہ آج کل جو عالم مولوی فاضل ہے
سو ابتدا میں سبھوں جیسا جاہل اور عامی تھا۔ سیکھنے کی برکت سے فضل و کمال کے درجہ کو پہنچا۔ پھر تم سیکھنے کے واسطے عذر کیوں کرتے ہو۔ عاقلوں کا قول ہے
کہ سنتے سنتے سیکھو گے۔ پھر شیطنیت کی باتیں سنو گے تو شیطنیت سیکھو گے۔ خدا اور رسول کی باتیں سنا کرو گے۔ تو خدا اور رسول کی پیروی سیکھو گے
خاص بندے بن جاؤ گے۔ پھر خاتم المرسلین کے آنے کو غنیمت سمجھو۔ یعنی اللہ کی بڑی نعمت۔ کہ اس نے ایسا رسول بھیجا۔ کہ ان نے بیخبروں کو خبردار کیا۔ اور بابا لوگوں کو ۲۳
پاک اور جاہلوں کو عالم اور احمقوں کو عقلمند۔ اور راہ بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر لایا۔ سو جو کوئی یہ آیت سنکر یوں کہنے لگے۔ کہ پیغمبر کی بات
سوائی عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور انکی راہ پر سوائی بزرگوں کے کوئی نہیں چل سکتا۔ سو اس نے اس آیت کا انکار کیا۔ اور اس نعمت کی قدر نہ
سمجھی ش کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے۔ کہ ہمارے پیغمبر سب کے پیغمبر ہیں۔ عالم کے بھی جاہل کے بھی۔ اور آپکے فرمودے کا سمجھنا سب پر فرض ہے
آپ کی لائی ہوئی برکت سبھی کو شامل ہو سکتی ہے۔ پھر ان باتوں کے فائدے سے پہلو تہی کر کے نادانی کے لباس میں گھسنا اور ان باتوں کی
سمجھ کو فقط عالموں پر چھوڑ دینا دلالت رکھتا ہے کہ باطن میں ان باتوں کا انکار ہے۔ نادانی ایک بہانہ خوب ہے بد بہانہ بسیار۔ بلکہ یوں
کہنا چاہیے۔ کہ جاہل لوگ ان کا کلام سمجھکر عالم ہو جاتے ہیں۔ اور گمراہ لوگ انکی راہ پر چلکر بزرگ بن جاتے ہیں۔ اس بات کی مثال یہ ہے

اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں اور بیشک تھے وے پہلے سے گمراہی میں صریح اور اس بات میں اور تین آیتیں ہیں ایک تو حضرت ابراہیم
علیہ السلام کی دعا جو سورہ بقر کی الم کے جزو میں رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ یعنی اے رب ہمارے اٹھا ان میں ایک رسول انہیں میں کا پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھاوے
انکو کتاب اور تیری پکی باتیں اور انکو سنوارے تو ہی زبردست حکمت والا۔ دوسری اسی سورے سیقول کے جزو میں وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ
یعنی اور اس واسطے کہ پورا کروں تم پر فضل اپنا اور تم راہ پاؤ جیسا بھیجا ہمنے تمہیں میں کا پڑھتا تمہارے پاس آیتیں ہماری اور تمکو سنوارتا اور سکھاتا تمکو کتاب
اور تحقیق بات اور سکھاتا تمکو جو تم نہ جانتے تھے۔ تیسری آل عمران کے سورے چوتھے جزو میں ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ
رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ
یعنی اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہیں میں کا پڑھتا ہے ان پر آیتیں اسی اللہ کی سنوارتا ہے انکو اور سکھاتا ہے انکو کتاب
اور کام کی بات اور ہے پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔ پھر ان سب آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبکو سکھانے لگے۔ سو پہلے آگے ان پڑھے گمراہی
صریح میں تھے۔ پھر حضرت کے فرمانے کو سمجھنے لگے حکمت کے دروازے ان پر کھل گئے۔ اسواسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ سکھاتا ہے ان کو کتاب اور

جنگلی کے ماغریبوں تک بھی اس کے ظاہر مطلب اور احکام کو صاف صاف سمجھ لیتے تھے۔ اور کوئی اسکی تفسیر کا محتاج نہ تھا۔ اور اُس وقت تفسیر ہی نہ

ں۔ لیکن اس کے باطن کے دقائق سمجھنے کیلئے اکثر وقت تامل کرنا اور رسول خدا سے پوچھنا ضرور ہوتا تھا۔ سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے جو ایک

ن القرآن انما نزل بلسان عربي في زمن افصح العرب وكانوا يعلمون ظواهره واحكامه واما دقائق باطنه فانما

كان يظهر لهم بعد البحث والنظر مع سؤالهم النبي صلى الله عليه وسلم في الاكثر۔ یعنی قرآن جو اترا سو صاف عربی زبان

میں اُترا۔ بڑے فصیح کے وقت اور روسے اُن کے ظاہر لفظوں کو اور حکموں کو جان لیا کرتے تھے لیکن اُس کے باطن کی باریک باتیں جو بعض وہ ان پر ظاہر

ہوتی تھیں۔ بعد بحث کے اور سوچنے کے اور اسکے ساتھ بہت باتوں میں انکو پوچھنا بھی ہوتا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح اور یہ بھی جاننا

چاہیے۔ کہ نفس حیلہ اگر کم علمی یا بے علمی کا بہانہ کرکے قرآن اور حدیث کے صاف سیدھے معنے سمجھنے سے بھی بھاگتا ہے کیونکہ ان مبارک معنوں کی

معلوم کرنے سے نفس کی خواہش دنیوی میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ لیکن فی الحقیقت اللہ رسول کے کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہیے۔ کہ ۲۲

پیغمبر تو نادانوں کے راہ بتانے کو اور جاہلوں کے سمجھانے کو اور بے علموں کو علم سکھانے کو آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں فرمایا ہے

هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من

قبل لفي ضلال مبين۔ ترجمہ وہ اللہ ایسا ہے۔ کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول انہی میں سے پڑھتا ہے انپر آیتیں اسکی اور انکو پاک کرتا ہے

اور مثالیں سو حلال جانو حلال کو اور حرام جانو حرام کو اور عمل کرو محکم پر اور ایمان لاؤ متشابہ پر اور نصیحت پکڑو مثالوں سے اور شعب الایمان میں حدیث
اس لفظ سے ہے - کہ پھر عمل کرو حلال پر اور بچو حرام سے اور پیروی کرو محکم کی - اگرچہ پانچوں طرحیں ان میں کی کوئی طرح سب لوگوں کی سمجھ سے باہر نہ تھی یا
عالموں ہی کے سمجھنے کی نہ تھی تو حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سب کے سمجھنے کا حکم عام نہ فرماتے ہوتے - پھر صاف معلوم ہوا - کہ قرآن کے سمجھنے میں کچھ مشکل نہیں
مگر دو ہی چیزیں مشکل ہیں ایک متشابہ دوسرا فقہی اور اعتقادی دور دور کے مسائل کا نکالنا - متشابہات کی مشکل اس طرح آسان ہوتی ہے - انکے ظاہر پر ایمان
لائیے - اُن کے معنوں کو اللہ کے علم پر سونپ دیجئے - یا علمائے راسخ کے قول کے بموجب جہاں تاویل ضرور ہو وہاں کیجئے - اور فقہی اور اعتقادی دور دور کے
مسائل نکالنے کی مشکل اس طرح آسان ہوتی ہے کہ اہلسنت والجماعۃ کے مجتہدوں کی طرف رجوع لائیے کہ انہوں نے خوب تامل سے قرآن کے احکام
آیتوں سے نکالے ہیں - جب یہ دو مشکلیں آسان ہو گئیں - باقی رہے وعظ اور نصیحتیں اور عبرتیں سو اس عربی جاننے والے کو اس کا سمجھنا مشکل نہیں اُسکے
سوائی اوروں کو ترجمہ اور تفسیروں سے اسکی سمجھ آجاتی ہے - اسی سے شرک اور بدعت کی برائی اور تقویٰ اور اتباع سنت کی خوبی اور قیامت اور دوزخ
اور بہشت کا احوال خوب معلوم ہوتا ہے - اور اس کے برکات سے دل کو ایمان کی روشنی اور نیک دینداری کی رغبت حاصل ہوتی ہے اس مقدمہ
میں آیات بابرکات قرآن کی بہت صاف ہیں - چنانچہ انکو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آیات بیّنات کر کے فرمایا ہے - سو اس واسطے مصنف نے
اس آیت کو اس مقدمہ کے شروع میں لایا - کیونکہ اس میں آیات کے بیّن ہونے کا مذکور ہے اور جب قرآن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو

١٨

وہ اس موافق جس موافق کہ ان کا اجتہاد پہنچی مطلب یا تنیکہ قرآن اور حدیث سے اور اجماع سے اور قیاس سے۔ اور کمال کو پہنچی مغرب کے ملک کی ایک جماعت میں طرح جس
اور نہی میں کیا ہے عمر ابو الخطاب عمر بن عبد العزیز اور محی الدین ابن عربی فصوص اور فتوحات مکیہ اور غیر اُس مغرب کا بنا نہ تھا اور لوگ بھی ان کے سوا اور منتقل کیا امیر تیموری نے جیسے سو تسعہ سو
اقتدا اس میں بہت ہے۔ انتہیٰ فی الطبقات الشعراوی فی مناقب عبد اللہ بن المبارک وکان یقول لا تقتدوا بعلماء زمانکم
وانظروا فی سیر الصحابة والتابعین فانه اهدی لکم انتهی ۔ یعنی طبقات شعراوی میں عبد اللہ بن مبارک کی مناقب میں لکھا ہے۔ کہ عبد اللہ
بن مبارک کہتے تھے ۔ پیروی مت کرو اپنے زمانے کے عالموں کی اور سیرتوں میں صحابہ اور تابعین کے نظر کرو وہ تمہارے واسطے زیادہ راہ نمانے والے ہیں
عبد اللہ بن مبارک نے کہا جو تمہارے زمانے کے عالموں کی پیروی مت کرو ۔ کہا ۔ سو کوئی شخص اس بات سے مراد مجتہدوں کی نہ لیوے عبد اللہ بن مبارک کو دیکھا ۔ حالانکہ ان کے
زمانے میں بہت بڑے مجتہد موجود تھے ۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ و سفیان ثوری وغیرہ اور شیخ عبد الحق دہلوی نے ایراد العبارات النفیسہ میں لکھا ہے کہ و تسلیم علما
و تصدیق الشان ضرور است ۔ و آنچه موافق شرع نقل کنند و تمسک بکتاب و سنت نمایند ۔ نه هر آنچه مخالف دین گویند و بهوای نفس و دنیا حیله آموزی
فتنه انگیزی نمایند ۔ و در حدیث آمده ۔ العلماء ورثة الانبیاء ما لم یمیلوا الی الدنیا و یدخلوا السلاطین فاذا مالوا الی الدنیا
و دخلوا السلاطین فاخشوهم فانهم لصوص الدین ۔ فرمود علما وارثان پیغمبرانند که علم دین بایشان بوراثت از پیغمبر رسیده است
و خود انما بجز این میراث نبود تا وقتیکه میل بدنیا نکنند و در میان سلاطین در نیامیزند چون چنین کنند تبرسید از شر ایشان که ایشان دزدان دین اند

سنی کہ عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہما پسر خود را شنید کہ والد من مرا کہ می خواندم در نماز بسم اللہ الرحمن الرحیم پس گفت والد من لعبید ولد از انکہ ظاہر گشت در اسلام چیزی نو اگر بودہ است

نشنیدم احدی را از اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ زیادہ بود از بعض اشیا نزد ایشان اینکہ ظاہر شود در اسلام آنچہ نو بودہ است۔ و در آں روز بہ تحقیق نماز گزاردم ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم و ہمراہ ابوبکر و عمر و عثمان نشنیدم ایشان را کہ قراءۃ میکردند بسم اللہ الرحمن الرحیم را پس وقتیکہ نماز گزاری ای فرزند من بگو الحمد للہ الخ انتہی اور فرمودہ قطب ربانی غوث صمدانی

حضرت محبوب جیلانی کا ملفوظ شریف میں لکھا ہے۔ کہ اِعملوا بالکتابِ والسنۃِ ولا تلتفتوا الی عقولٍ ناقصۃٍ و دنیۃٍ انتہی۔ یعنی عمل کرو قرآن پر اور حدیث

پر اور نہ دیکھو ناقص اور سفلی عقلوں کی طرف۔ اور دمیری نے لفظ لبا کے بیان میں حیوۃ الحیوان کی کتاب کے بیچ میں لکھا ہے۔ وکان الامیر یعقوب

متمسکاً بالشرع یأمر بالمعروف ویقیم الحدود حتی فی اہل بیتہ کما یقیمہا فی الناس اجمعین وامر برفض التقلید فی فروع الفقہ

وان لا یفتی العالم الا بالکتاب العزیز والسنۃ النبویۃ ان لا یقلد احداً وان یکون احکامہم بما یؤدی الیہ اجتہادہم

من استنباطہم القضایا من الکتاب والسنۃ والطریقۃ منہم ابو الخطاب عمر بن دحیۃ ومحی الدین ابن عربی الصوفی صاحب الفصوص

والفتوحات المکیۃ وغیرہما من المغرب وغیرہما وتوفی الامیر یعقوب فی سبع عشرۃ وستمائۃ رحمہ اللہ تعالیٰ انتہی ملخصاً

یعنی امیر یعقوب شریعت کو پکڑا ہوا تھا۔ اور شریعت کے موافق حکم کرتا۔ اور حد قائم کیا کرتا۔ اپنے گھر کے لوگوں پر بھی جیسے بیگانوں پر اور فقہ کے فروع میں

تقلید کو چھوڑ دینے کا حکم کیا تھا۔ اور تاکید کی تھی کہ کوئی عالم قرآن اور حدیث سوا اور کتابوں پر فتویٰ نہ دے اور تقلید کسی کی نہ کرے اور انکے حکم جاری کئے

آئیگا ایک وقت کہ نہ ہوگی اسمیں کوئی چیز نایاب تر چیز سے زیادہ۔ سو کہ درم حلال یا کوئی آشنا جس سے جی کو چین ہو۔ یا کوئی سنت جس پر عمل

کیجیے۔ ابو ہریرہ سے مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِائَةِ شَهِيدٍ۔ روم کے عالم محمد برگوی نے اپنے

طریقہ میں ذکر کیا۔ کہ ابو ہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ کہ میری اُمت کے بگڑے رہنے کے وقت میری سنت کو تھام

رکھنے والا ہو۔ سو اوسکو سو شہید کا ثواب ہے۔ اور شیخ عبد الحق دہلوی اپنی کتاب مرج البحرین میں سید احمد زروق مغربی علیہ الرحمۃ کے

قواعد الطریقہ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ قاعدہ کلا اعتبار فرع با اصل و قاعدہ است۔ و اصل قاعدہ کتاب و سنت است۔ پس ہر چہ لیکو بود انہیں قابل

کرباشد فقیہہ یا متکلم یا صوفی اگر موافق اصل و قاعدہ است قبول نمائید۔ و الا اگر سائل است رد کنند۔ و اگر قابل تاویل است براہ تاویل روند و اگر

تاویل نپذیرد بود۔ اگر قائل اہل علم و دیانت کامل است تسلیم نمائید۔ و بر تقدیر قادح اہل یعارض قاعدہ اش ندارند زیرا کہ فساد و فاسد ہم لوی راجع شود

و در صلاح صالح عزری نکنند پس قلتہ فیہ حکم اہل ہوا از متکلمین و متفقہ و ملحدین و امثال آنہا باشند۔ قول و فعل ہیچ یکے از ایشان مقبول نیست

بلکہ رد قول ایشان لازم و اجتناب از فعل ایشان واجب است۔ ترک مذہب وحق و توقف و تردد و ثبات بالیقین نبود و وضعیکہ از ایشان

منقول و بایشان منسوب شدہ جائز نبود کہ ناس کلام و نہال ہر کس نتوان رفت و گوش بسخن ہر کس نتوان نہاد و متبوع حقیقی شارع است

و ہر کہ غیر اوست تابع وی شمعیت و کتاب سنت است در حصہ و برائی آن بدان راجع واللہ اعلم انتہی ۔۔ اور مولانا علی قاری شرح ... میں لکھتے ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

"......ئے...... تھو........"

"سنو مختار"، میں نے بات کاٹ کر کہا۔ "تمہاری یہ کتھا کبھی ختم نہ ہوگی۔ مصیبت یہ ہے کہ تم بہت بھولے ہو۔ بہت کچے ہو۔ جہاں تک ہو سکے اپنے ذہن کو ان بکھیڑوں میں نہ الجھنے دو۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہیں کچھ ہو نہ جائے۔ جاؤ چپ چاپ گھر جا کر سو رہو۔"

اس نے بڑی بے بسی سے مجھے دیکھا اور شریف بچے کی مانند اٹھ کر چلا گیا۔

اگلے روز سورج کی پہلی ہی کرن یہ پیغام لائی کہ شوکت مختار کا دماغ الٹ گیا ہے۔ وہ ہر شخص کو گالیاں دے رہا ہے۔ مختار اور گالیاں بکیسی ناقابل یقین بات۔ میں فوراً اس کے ہاں پہنچا۔ اس کے چہرے سے دحشت ٹپک رہی تھی۔ موٹے موٹے رسوں سے اسے باندھ رکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔ اور بولا۔

"آؤ پیر و مرشد..... آؤ..... تمہاری ماں..... تمہاری بہن......"

میرا سر چکرا گیا۔ مختار اور ایسی فحش گالیاں! میرے یقین اور اعتماد کی چٹانیں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

"کل رات سکندر اعظم نے ہندوستان پر حملہ کیا پیر و مرشد! مگر فوجوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ مگر وہ تو بہت دور ہے میں تو دریائے بیاس بھی عبور نہ کر سکا۔ میرے ارسطو! بتا میں کیا کروں سوائے اس کے کہ تیری ماں...... تیری بہن...."

"مختار خدا کے لئے......"

"خدا! خدا اب کہاں؟ کل رات میں نے تمہارے خدا کے ساتھ......"

"مردود!" زنانے سے مختار کے والد کا تھپڑ پڑا۔ "شرم نہیں آتی؟"

"شرم؟ شرم کسی کو نہیں آتی۔ جب دنیا کی بنیاد ہی بے شرمی پر ہے تو شرم کیسے آئے؟ ہم سب ننگے ہیں..... بھلا ابا جان...... ذرا یہ تو بتائیے کہ میں پیدا کیسے

......"

"مختار تمہیں کسی کا لحاظ نہیں؟"

"میرے گرو! یہ تم کہتے ہو؟ تم! تمہیں تو کہتے تھے کہ ترقی پسند ادیب کوئی گناہ نہیں کرتے۔ وہ حقیقت پسند ہیں جو دیکھتے ہیں وہ لکھتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ میں نے بھی تو صرف ایک حقیقت پوچھی ہے۔ اپنے وجہ تخلیق سے۔ یہ تو ترقی پسند ادیب کی معراج ہے۔"

اور مولانا! وہ یونہی بکے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر دیوانگی چھا گئی۔ اب اس کے منہ سے ٹوٹے ٹوٹے فقرے اور رکے رکے قہقہے نکل رہے تھے۔

"رفعت...... اب بول..... کہاں جائیگی...... ہونٹوں سے ہونٹ ملا...... میں شادی کروں گا..... تو سہرا تو پڑھ..... دیکھ میری سیدھی مانگ..... چھوڑ دیجئے...... میں کہتا ہوں آپ بیچ میں نہ آئیے..... نہیں میں اسے نہیں چھوڑوں گا......"

میں نے اس کے چھوٹے بھائی کو بلا کر پیار سے پوچھا۔

"کیوں منے یہ کیا ہوا؟"

"پتہ نہیں، کل رات آپا رفعت نے چیخ چیخ کر ہم سب کو جگا دیا۔ ان کا کمرہ اندر سے بند تھا۔ اباجی نے دروازہ توڑا۔ اندر بھائی جان آپا سے کشتی لڑ رہے تھے۔ رفعت آپا تو رو رہی تھیں۔ اور بھائی جان زور زور سے ہنس رہے تھے۔ پھر وہ اباجی سے لڑ پڑے۔"

"بکواس ہے..... بالکل بکواس" مختار چیخ رہا تھا "شرافت ریاکاری کا دوسرا نام ہے۔ ساری دنیا جنسی خواہشات کا شکار ہے۔ احمق تھے جو چھ سال تک آگ اور خون کی ہولی کھیلتے رہے۔ ہٹلر کی شادی کر دیتے..... آتش فشاں پھٹ جاتا..... لاوا بہ نکلتا..... سب قصور ہٹلر کی ٹیڑھی مانگ کا تھا......"

گاڑی ایک ہچکولے کے ساتھ رک گئی۔ اور کالج کا نوجوان سوٹ کیس اٹھا کر بولا۔

"اب مجھے اجازت دیجئے۔ میرا سفر ختم ہوا۔ آداب عرض۔"

اپنے شہر والوں کی باتوں سے مقابل کر کے دیکھے۔ مثلاً جب اون کو حدیث صحیح پہونچے۔ آپ کو یوں لگنے کہ گویا اس نے خود نبی صلی اللہ

علیہ وسلم ہی سے سنا ہے۔ پھر حضرت کا حکم ثابت ہو کر۔ پھر اوس کی پیروی سے راضی نہ ہوئے اہو۔ وفیہ ایضاً قد روی البخاری عن الزہری

انہ قال من اللہ الرسالۃ وعلی الرسول البلاغ وعلینا التسلیم۔ ھذا الکلام جامع نافع جمیع البدع مالکہ ہ یعنی امام

بخاری کے اسی رسالہ میں ہے۔ کہ بخاری نے ذکر کیا۔ زہری سے اونہوں نے کہا اللہ کی جانب سے رسول بھیجا ہے۔ اور رسول کے اوپر پیغام پہنچا دینا اور ہمارے اوپر قبول کر

لینا فرض ہے۔ پھر کہا ملی نے کہ یہ بات بڑی سب ہے۔ نفع دینے والی اور سب بدعتوں سے روکنے والی۔ مالک بلغنی ان النبی

صلی اللہ علیہ وسلم قال ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ۔ یعنی امام مالک نے

موطا میں ذکر کیا ہے۔ کہ مجھکو حدیث صحیح پہونچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے چھوڑا تم میں دو باتوں کو ہرگز نہ بھٹکو گے جب تک

انکو دستاویز بنا رکھو گے ایک تو کتاب اللہ کی دوسرے سنت اسکے رسول کی۔ زید ابن ارقم رفعہ انی تارک فیکم ما ان تمسکتم

بہ لن تضلوا بعدی احدہما اعظم من الآخر وھو کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی

اہل بیتی لن تفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیہما للترمذی۔ یعنی ترمذی نے نقل کیا کہ زید بن

ارقم نے کہا۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں چھوڑتا جاتا ہوں اے لوگو تم میں وہ چیز کہ تم تھامے رہو گے اسکو تو ہرگز نہ بھٹکو گے میرے بعد دو چیز

یعنی جامع الفوائد میں ہے کہ دارمی نے نقل کیا کہ ابن سیرین نے کہا کہ قیاس کرنے والوں کا پہلا حصہ ابلیس ہے اور پوجے نہیں گئے سورج اور چاند

مگر انکلوں ہی سے ابلیس کا قیاس یہی تھا کہ اس نے خدا سے عرض کی کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اور آدم کو مٹی سے یعنی آتشی کو خاکی کی تعظیم

فرمانا خلاف قیاس ہے۔ ومن رسالة الرد على القائلين بتوحيد الوجودي الالحادي للملا علي قاري قال الداني

كل ما الم بخطري واستقر بالبال فاعرضه على ميزان الكتاب والسنة فما وافقهما قبلته وما خالفهما تركته

فالواجب كمال التسليم له صلى الله عليه وسلم في التحكيم فلا يحاكم الى غيره ولا يتوقف بتنفيذ امره وتصديق

خبره على عرضه على اقوال امام مذهبه وشيخ مشربه واهل زمانه ومكانه بل اذا ابلغه الحديث

الصحيح يجيد نفسه كان سمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا يرضى له تحقق امر الى تقليد غيره

یعنی ملا علی قاری نے الحادی توحید وجودی کے رد کے سلسلے میں یوں لکھا ہے کہ ابو سلیمان دارانی نے کہا۔ جو خطرہ میرے دل میں آ کے ٹھیرتا

ہے۔ سو میں اسکو قرآن و حدیث سے مقابل کر کے دیکھتا ہوں پھر خطرہ قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔ تو اسکو قبول کر لیتا ہوں جو برخلاف ہو

اسکو چھوڑ دیتا ہوں۔ انتہی۔ پھر واجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم شرعی جانکر انکے حکموں کو بالکل قبول کیجیے۔ پھر ان کے سوا اور کا فیصلہ

نہ مانیے۔ اور حکم چلانا اور انکی خبر کو سچ ماننا موقوف نہ رکھیے۔ اپنے مذہب کے امام کی اور اپنے پیر کی اور اپنے زمانے والوں اور اپنے

اشدها فتنة على امتى قوم يقيسون الامور برأيهم فيحلون الحرام ويحرمون الحلال الكبير والبزار۔ جمع الفوائد

میں ذکر کیا۔ کہ بیہقی معجم کبیر میں اور بزار اپنی کتاب میں ذکر کیا۔ کہ عوف بن مالک نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جدی جدی ہوگی میری

امت ستر پر کئی فرقے بن کے ان سبھوں میں سے میری امت پر بڑے فتنے والا فرقہ ہے۔ کہ اٹکلتا ہے کاموں کو اپنی اٹکل سے سو حلال ٹھہراتا

ہے حرام کو اور حرام ٹھہراتا ہے حلال کو۔ سیوطی کی جامع صغیر میں ابویعلی کی مسند سے ابوہریرہ کی روایت کی ہوی یہ حدیث ہے۔ کہ تعمل

هذه الامة برهة بكتاب الله ثم تعمل برهة بسنة رسول الله ثم تعمل بالرأي فاذا عملوا بالرأي فقد ضلوا

واضلوا۔ یعنی یہ امت چندے اللہ کی کتاب پر عمل کریگی۔ پھر چندے رسول اللہ کی سنت پر عمل کریگی پھر چندے رائے پر عمل کرنے لگیگی

یعنی عقل کی تیزی سے نکالی ہوی باتوں پر سو جب رائے پر عمل کیا کرینگے تو مقرر گمراہ ہووینگے۔ اور گمراہ کرینگے۔ ایضاً عن ابن عمرو بن العاص

رفعه لم يزل امر بني اسرائيل معتدلا حتى نشا فيهم المولدون وابناء سبايا الامم فقالوا بالرأي فضلوا واضلوا للقزويني

جمع الفوائد میں ذکر کیا کہ قزوینی نے نقل کیا۔ جو عبد اللہ بن عمرو بن العاص نے روایت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ بنی اسرائیل کا کام ٹھیک چلا آتا تھا جب تک کہ ان

میں پیدا ہوئے دوغلے بچے گروہوں میں کے بردوں کی اولاد سو کہنے لگے اٹکل سے پھر آپ گمراہ ہوئے۔ اور اوروں کو گمراہ کیا۔ ایضاً عن ابن

سيرين قال اول من قاس ابليس وما عبدت الشمس والقمر الا بالمقاييس يعني قوله خلقتني من نار وخلقته من طين

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اسکو صحیح درجہ تک پہنچی۔ ش۔ اس کتاب میں ان سب اقوال کا مضمون ان سندوں کے موافق ہے۔ عَنِ ابنِ مَسعُودٍ قَالَ اَحسَنُ الحَدِیثِ
کِتَابُ اللهِ وَاَحسَنُ الهَدیِ هَدیُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الاُمُورِ مُحدَثَاتُهَا وَاِنَّمَا تُوعَدُونَ لَآتٍ
وَمَا اَنتُم بِمُعجِزِینَ فِی الکِتَابِ الاِعتِصَامِ بِالکِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِن جَمعِ الفَوَائِدِ۔ یعنی جمع الفوائد کے باب الاعتصام بالکتاب
والسنۃ میں ذکر کیا ہے کہ ابن مسعود نے کہا۔ بہتر اللہ کی کتاب ہے۔ اور بہتر راہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ اور بدتر کام نئے پیدا ہوئے اسلام میں
اور تحقیق جو کچھ تم سے وعدہ ہوا ہے سو آنیوالا ہے۔ اور تم عاجز کرنیوالے نہیں اللہ کو۔ فِی فَضلِ القُرآنِ مِن کِتَابِ جَمعِ الفَوَائِدِ عَنِ الحَارِثِ
الاَعوَرِ مَرَرتُ فِی المَسجِدِ فَاِذَا النَّاسُ یَخُوضُونَ فِی الاَحَادِیثِ فَدَخَلتُ عَلَى عَلِیٍّ فَاَخبَرتُهُ فَقَالَ اَوَقَد فَعَلُوهَا
قُلتُ نَعَم قَالَ اَمَا اِنِّی سَمِعتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ اَلَا اِنَّهَا سَتَکُونُ فِتنَةٌ قُلتُ
فَمَا المَخرَجُ مِنهَا یَا رَسُولَ اللهِ قَالَ کِتَابُ اللهِ فِیهِ نَبَاُ مَا قَبلَکُم وَخَبَرُ مَا بَعدَکُم وَحُکمُ مَا بَینَکُم هُوَ الفَصلُ لَیسَ
بِالهَزلِ مَن تَرَکَهُ مِن جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللهُ وَمَنِ ابتَغَى الهُدَى فِی غَیرِهِ اَضَلَّهُ اللهُ وَهُوَ حَبلُ اللهِ المَتِینُ وَهُوَ
الذِّکرُ الحَکِیمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ المُستَقِیمُ وَهُوَ الَّذِی لَا تَزِیغُ بِهِ الاَهوَاءُ وَلَا تَلتَبِسُ بِهِ الاَلسِنَةُ وَلَا تَشبَعُ مِنهُ العُلَمَاءُ
وَلَا یَخلَقُ عَلَى کَثرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنقَضِی عَجَائِبُهُ وَهُوَ الَّذِی لَم تَنتَهِ الجِنُّ اِذ سَمِعَتهُ حَتَّى قَالُوا اِنَّا سَمِعنَا

پھر جو کچھ نصوص وغیرہ سے ثابت ہوا ہو۔ تو اس کا وہ کب منکر ہے اور مولانا عبد الغنی النابلسی نے وحدۃ الوجود کے رسالہ میں لکھا ہے کہ متکلموں نے
جو اپنی رائے سے کہا ہے۔ وہ ہماری شریعت نہیں ہے۔ جو کتاب و سنت سے ثابت ہوا ہے۔ سو ہی ہماری شریعت ہے۔ یہاں متکلموں سے مراد مجتہد ولی
ہیں اگر کوئی شخص مولفین پر طعن کرے۔ تو اسکی نادانی ہے۔ اور مولانا اسمٰعیل شہید اپنی کتابوں میں چاروں اماموں کی تعریف کرتا ہے۔ چنانچہ تنویر العینین میں لکھا ہے
لا سیما المجتہدین الاربعۃ ہم ارکان الدین واعمدۃ الاسلام وقد قال الامام محمد بن الشیبانی فی الموطا بعد ما
ذکر حدیث ابن عمر رفع یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نأخذ وهو قول ابی حنیفة انتہی وکذا قال ابو یوسف
فی امالیہ ذکرہ الشیخ ابن الہمام۔ یعنی صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد مجتہد لوگ جو تشہد میں انگلی اٹھاتے ہیں سو بیان کرکے کہتا ہے کہ خصوصاً
جو چاروں مجتہد جو وہی دین کے رکن اور اسلام کے ستون ہیں اور امام محمد شیبانی بھی اپنی کتاب موطا میں ابن عمر کی حدیث ذکر کرکے کہتا ہے کہ رسول اللہ کے کئے
ہوئے کو ہم دستاویز کرتے ہیں اور وہی قول ابو حنیفہ کا ہے انتہی اور اسی طرح کہا ابو یوسف نے اپنی کتاب امالیہ میں چنانچہ ذکر کیا اس کا شیخ ابن ہمام نے انتہی
اور صراط المستقیم میں بھی کہا ہے اور اس کتاب میں بھی امام احمد اور امام مالک کی سند جابجا لاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر مخالف لوگ تعصب چھوڑ کر غور کی نظر سے
اسکی اگلی پچھلی باتوں کو دیکھتے تو ہم پر طعن نہ کرتے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ ان سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے کلام کو اصل رکھے اور سند پکڑے
اور اپنی عقل کو کبھی دخل نہ دیجے اور جو قصہ بزرگوں کا اور کلام مولویوں کا اس کے موافق ہو سو قبول کیجئے۔ اور جو موافق نہ ہو اسکی سند نہ پکڑے اور جو بعض اس کے موافق نہ ہو

سکا دشمن ہے - یہ بات بھی محض غلط ہے - اور ناحق بہتان - کہ گویا وہ تو حضرت کے سچے نائبوں سے محبت رکھنے کی توفیق پانے پر شکر کرتا ہے

اسواسطے کہ وے آنحضرت کے نائب ہیں بغیر حضرت کے ساتھ انکو کمال محبت ہونے موجب کیا ہے - مگر ان معترضوں کی بدگمانی اور حسد اور تہمت

اور افترا کا علاج نہیں - اب یہ جو معترض لوگ بزرگوں مولانا اسمعیل شہید وغیرہ پر بہتان باندھتے ہیں - سو کیا یہ سمجھتے ہیں ہم اچھا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

ف ۱ اسکو چھوڑ دیگا - حالانکہ حدیث میں یوں آیا ہے - فِی الْفَصْلِ الثَّالِثِ مِنْ بَابِ الظُّلْمِ مِنَ الْمِشْکٰوةِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ

عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِيْنُ ثَلَاثَةٌ دِيْوَانٌ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ

يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَدِيْوَانٌ لَا يَتْرُكُهُ اللّٰهُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ حَتّٰى

يَقْتَصَّ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِيْوَانٌ لَا يَعْبَأُ اللّٰهُ بِهٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِيْمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللّٰهِ فَذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ وَ

اِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ - یعنی مشکوٰۃ کے باب الظلم کے تیسرے فصل میں لکھا ہے - کہ شعب الایمان میں بیہقی نے ذکر کیا حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا - کہ پیغمبر خدا نے فرمایا - دفتر تین قسم کے ہیں - ایک دفتر ہے تو اللہ اوسکو بخشنے کا نہیں سو اللہ کا

شریک ٹھہرانا - فرماتا ہے اللہ عز وجل کہ اللہ نہیں بخشتا ہے اوسکو کہ شریک ٹھہرائے اسکا - اور دوسرا دفتر ہے جسکو چھوڑتا نہیں اللہ تعالیٰ سو ظلم

اور حق تلفی بندوں کی آپس میں جب تک کہ بدلا لیلے - ایک کا ایک سے - سو تیسرا دفتر ہے کہ پروا نہیں رکھتا - اللہ تعالیٰ اسکی سو تقصیر بندوں کی اللہ کی

[illegible]

اللہ کی نافرمانی کی۔ سو اس سے بات کو بگڑ گیا۔ اگرچہ اسکی نفل نمازیں اور نفل روزے اور قرآن کی تلاوت بہت ہے۔ اسی قاعدے پر جس نے

سراپا حضرت کے دین کی خیرخواہی کی۔ توحید اور اتباع سنت پھیلانے لگا۔ اور شرک۔ اور بدعت کو مٹانے اور قرآن و حدیث کا مضمون

ف ۱۵ خاص و عام پر کھول دیا۔ سو وہ حضرت کا خیرخواہ اور خیر طلب ہوا اور بالکل درود کا مضمون بن گیا۔ ف کیونکہ درود جو ہے حضرت

کی خیرخواہی اور خیر طلبی ہے۔ اور یہی اصل حقیقت دین کی ہے۔ چنانچہ تمیم داری کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ

اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ قِیْلَ لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَ

عَامَّتِہِمْ۔ یعنی حضرت نے فرمایا دین جو ہے سو خیرخواہی ہے۔ دین جو ہے سو خیرخواہی ہے۔ دین جو ہے سو خیرخواہی ہے۔ اصحاب نے عرض کی کسکی

تب آپ نے فرمایا کہ اللہ کی اور اسکی کتاب یعنی قرآن کی۔ اور اسکے رسول کی اور مسلمانوں کے سرداروں کی اور انکے عام لوگوں کی اور حضرت

کی خیرخواہی میں سب خیرخواہیاں مندرج ہیں۔ کیونکہ اَللّٰہُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ یعنی یا اللہ پوری اور خاص مہربانی بھیج محمد پر۔ پوری مہربانی

اور کامل رحمت یہی چاہتی ہے کہ کمال پر کمال بخشے اور درجہ پر درجہ دیا کرے اور کئے ہوئے عملوں کے ثوابوں کو بہت بڑھا کر عنایت کرے

اور خیرخواہی کو زیادہ کرتا جاوے۔ اور دائم رکھے۔ سو اتنی حد درود سمجھا ہے۔ سو مراد یہ کہ اللہ ہی سے میں نے کچھ حضرت کے واسطے مانگتا ہے

از آنجملہ امت عاصی کی ہدایت۔ اور دین کا قیام قرآن و حدیث کا ظہور اور توحید و اتباع سنت کا رواج اور بدعت و فسق و شرک و کفر کا مٹانا و ملک

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور ڈبہ سے باہر نکل گیا گاڑی کے روانہ ہونے تک تینوں بزرگ ایک دوسرے کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے۔ آخر لالہ جی نے جو اس عرصہ میں میل کی ایک فربہ سی گولی اپنی ناف سے برآمد کر چکے تھے۔ اور نہایت غور سے اس کا معائنہ فرما رہے تھے۔ مہرِ سکوت توڑی "دیکھا مولوی صاحب یہ آج کل کے لونڈے! کیسے بڑوں کے سامنے کوک شاستر کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں کوئی ایسی باتیں کر سکتا تھا۔" سردار جی سعی تبلیغ کے بعد اپنے بالوں میں سے جن پر آج صبح انہوں نے مکھن کی مالش کی تھی۔ ایک ننھی سی جان اپنی چٹکی میں قابو کر لی تھی اور اب اسے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کے درمیان مسلنے کے بارے میں تندہی سے سوچ رہے تھے۔ چونک کر بولے۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، واہگورو کی قسم، سوا سولہ آنے ٹھیک۔"

مولانا کا وظیفہ ختم ہو چکا تھا۔ اور ان کے سانس سے حلوے کی خوشبو آ رہی تھی۔ آپ نے جڑاؤ تسبیح مخملیں واسکٹ کی جیب میں ڈالی اور فرمایا۔

"واللہ! ہمارے وقتوں میں سب لوگ خوفِ خدا سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ آج کل کے یہ ملعون نوجوان، فرعون ہیں۔ یہ مردود نمرود کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ اُمتِ لوط، اولادِ شیطان! بخدا قیامت نزدیک آ رہی ہے۔" اور ان کا سر مع دستارِ مبارک گھٹنوں پر آ رہا ہے اور وہ خواب دیکھنے لگے، شاید جنت کے زمردیں محلوں کے...... آبِ کوثر...... نہرِ سلسبیل...... اور...... اور...... ستر حوریں ــــ [illegible] نفسِ امارہ کو کچلنے کا انعام ــــ الحمد للہ!

لالہ جی نے میل کی گولی کو ہاتھ کی ہتھیلی پر رگڑ کر ایک لمبی سی بتی میں تبدیل کیا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر اسے کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔ اور سوتے ہوئے سر پر اپنی لمبی چوٹی کو پیار سے سہلاتے اور خشک ہونٹوں پر لعاب کا لیپ کرتے ہوئے موٹی موٹی، کالی کالی، ننگی ٹانگیں کھڑکی سے باہر نکال کر برتھ پر دراز ہو گئے۔

سردار جی نے چور آنکھوں سے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا اور میری ذات کو قطعاً نظر انداز کر کے مطمئن ہو کر پگڑی اتار دی اور بالوں میں دبا ہوا ایک سیاہی مائل زرد کنگھا نکال کر گیسو سنوارنے لگے۔

گاڑی خشک، بنجر زمینوں کے درمیان چکنی چکیلی لائنوں پر پھسلتی جا رہی تھی۔ ٹیلیفون کے کھمبے بھاگ رہے تھے۔ کوے اڑ رہے تھے۔ زمین گھوم رہی تھی۔ اور مغرب کا مسافر نیلے آسمان پر لاوا اگل رہا تھا!

بقلبہٖ فھو مومن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل - یعنی جس نبی کو اللہ نے مجھ سے پہلے جس امت میں بھیجا اسکی امت سے

اسکے خاص لوگ یار ہوا کئے جو اسکی چالوں کو لیا کرتے اور اس کے حکم کی پیروی کیا کرتے پھر ان سے پیچھے ان کے پچھلے لوگ پیدا ہوئے جو کہنے لگے وہ کہ کچھ کرتے نہ تھے

اور کرنے لگے وہ کچھ جس کا انہیں حکم نہ تھا جو ان سے جھگڑے اپنے ہاتھ کی قوت کیساتھ مومن ہے اور جو جھگڑے ان سے اپنی زبان کی قوت کیساتھ یعنی ان سے جدل کرے

سو مومن ہے - اور نہیں ہے اس سے ورے کچھ ایمان رائی کے دانے بھر بھی - یعنی تم میں بھی ایسے لوگ ہونگے - ف مخلوق پرستوں نے ایک نیا ڈھب نکالا ہے جس سے ف

شرک اور بدعت کی رسمیں باقی اور مروج رہیں اور توحید اور اتباع سنت کے رواج میں خلل آوے - لوگ اسکو نیا طرز سمجھ کے چھوڑ دیں سو وسیلے سے وہ نیت مفسد قوم

توحید اور اتباع سنت کی حاسد مکر کی راہ سے اس حدیث کو پڑھ پڑھ کے سناتے ہیں کہ ستفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ

یعنی اب آپس کے متفرق ہوگی میری امت تہتر فرقے ہونگے سب دوزخ میں جائینگے مگر ایک - سو مخلوق پرست کہتے ہیں کہ دیکھو ہمارا فرقہ سینکڑوں برس سے

ایک ڈھب پر چلا آتا ہے - سو وہی نجات پانیوالا فرقہ ہے - باقی جو نئے نئے فرقے نکلتے ہیں سو دوزخی ہیں پھر یہ جو مذہب خلاف نیا نکلا ہے - ہمارے رسمی

چیزوں کو منع کرتا سو گمراہ فرقوں میں کا فرقہ ہے - اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نجات پانے والے فرقے کا نشان یوں دیا ہے - ف

کہ الذین ھم علی ما انا علیہ واصحابی - یعنی وے لوگ وے ہیں جو اصحاب پر ہیں جس بات پر میں اور میرے صحابہ ہیں اس کے سوا اس خاص فرقے کو ارشاد

فرمایا ہے - علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ یعنی لازم کرو میری

کہ ما احدث قوم بدعة الا رفع الله مثلها من السنة فتمسك بسنة خير من احداث بدعة ۔ امام جلال الدین
سیوطی نے جامع صغیر میں اسی صحابی کی اسی حدیث کو طبرانی کی معجم کبیر سے اس طرح دیا ہے کہ ما من امة ابتدعت بعد نبيها في دينها بدعة الا اضاعت
مثلها من السنة ۔ یعنی کسی امت نے نبی کے بعد اپنے دین میں کوئی بدعت نہ نکالی ہو جو اسکی مقابل کی سنت اکارت نہ ہوئی اب
مومنو انصاف کیجئے ۔ کہ ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی سنتوں کو بھی صحابہ نے روا نہیں رکھا اب تو موٹی موٹی بدعتیں سنتیں ٹھیری ہیں نعوذ بالله منها ۔ سب سے ف
بڑی مصیبت یہ ہے ۔ کہ نیم ملایان خطر ایمان لوگوں کو شرک اور بدعت کی رسمیں اور خلاف سنت کے عقیدے مباح ہونے کے فتوے دیا کرتے ہیں
اصلی ہوروتی مسلمانوں کے باپ دادوں سب صحابہ اور تابعین تھے ۔ کبھی ایسی باتوں کو نہ کانوں سنا نہ آنکھوں دیکھا ۔ ایسی ہی ملاؤں پر حدیث آئی ہے
کہ سيكون في آخر الزمان ناس من امتي يحدثونكم بما لم تسمعوا به انتم ولا آباؤكم فاياكم واياهم یعنی پیدا ہونگے آخر زمانے میں
کئی لوگ میری امت سے جو باتیں کہینگے تم سے ایسی جو نہ سنے ہونگے تم نہ تمہارے باپ دادے سو بچاؤ اپنے کو ان سے ۔ امام عبد الحق دہلوی ف
نے اس حدیث کو جامع صغیر میں صحیح مسلم سے لایا ہے ۔ اور ابن مسعود سے روایت ہے ۔ کہ فرمایا نبی صلی الله علیه وسلم نے ما من نبي بعثه الله
في امة قبلي الا كان له من امته حواريون واصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بامره ثم انها تخلف من بعدهم
خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم

ان جماعتوں کو کسی نے بدعت کی شوخی سمجھائی تھی کہ نئی بدعت تراشنے سے ایسی نکبت آتی ہے۔ کہ ان کے مقابل کی اصل سنت کو خدا ان سے
چھین لیتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے باب الکتاب والسنت میں لکھا ہے۔ کہ رَوَی الاوزاعی عن حسان قال ما ابتدع
قوم بدعۃ فی دینہم الا نزع اللہ من سنتہم مثلہا ثم لا یعیدہا الیہم الی یوم القیامۃ۔ یعنی اوزاعی نے حسان
بن ثابت سے نقل کیا۔ نہ تراشی کسی قوم نے کسی بدعت کو اپنے دین میں مگر چھین لیا اللہ تعالیٰ نے انکی سنتوں میں سے اس بدعت کے مقابل کی
سنت کو۔ پھر الٹا کے نہ بھیجیگا اوسکو انکی طرف قیامت کے دن تک۔ اور یہ حدیث بھی امام احمد نے اپنی مسند میں غضیف بن حارث
سے روایت کی ہے۔ کہ ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلہا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ
یعنی نہ تراشا کسی قوم نے بدعت کو۔ مگر اٹھ گئی اوس کے مقابل کی مثل سنتوں میں سے۔ پھر کسی سنت کو تھامنا بہتر ہے کسی نئی بدعت کے
تراشنے سے۔ عبد الرؤف مناوی نے جامع صغیر کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ اس حدیث کا ایک قصہ ہے۔ سو یہ شام کا بادشاہ عبد الملک
بن مروان نے غضیف بن حارث کو کہلا بھیجا۔ کہ ابو سلیمان ہمنے لوگوں کو دو باتوں پر اکٹھا کیا ہے۔ ایک تو جمعہ کے خطبہ میں منبر پر
ہاتھ اٹھایا کرنا۔ دوسرا صبح اور عصر کے بعد کہانیاں کہنا۔ تب غضیف نے جواب دیا۔ کہ یہ دونو باتیں تمہارے بدعتوں میں سے بہت
بدعتیں میری سمجھ میں۔ لیکن ان دونوں میں سے میں کسی کو قبول کرنے والا نہیں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

کہیں اسلام پر چھا جائے۔ کسی مکار بدعتی کے مکر سے کسی بدعت کا رواج اسلام میں ہو جائے۔ تب اللہ کا اکیر دونی نکیر دہوا کرتا ہے۔ جو اسلام کی
آفت ٹالتا ہے۔ اور اسکی نشانیاں صاف کہا کرتا ہے۔ پھر غنیمت سمجھو۔ ان مجلسوں میں حاضر ہونیکو تاوانوں پر سے آفت ٹالنے کیلئے اور
بھروسا کرو۔ اللہ ہی پر بس ہے۔ اللہ حسبی۔ پھر سوا کیجئے۔ فخر مشکل یہ ہے۔ کہ ایسے شخصوں کو مانتے نہیں۔ انکی دینی باتوں کو وہ
خرافاتیں ٹھیراتے ہیں۔ بلکہ کلمات کفر سے بھی بدتر بتاتے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ دین اسلام بدعت شعاروں کے یہاں پردیسی ہے۔ پردیسی کو کون پہچانتا
کونیلاس کا تو یہ حال ہے ؎ بس کس نہ خفت کہ نہ دانست کہ کیست۔ بس جان بلب آمدہ بر کس نگریست۔ اسیواسطے حدیث میں آیا ہے
عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مرفوعًا بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ۔ یعنی شروع ہوا اسلام پردیسی اور عنقریب جائیگا جسطرح پہلے آیا تھا
یعنی پردیسی آیا پردیسی ہو جائیگا خوبی ہو۔ پردیسیوں کو۔ اور ایک حدیث جامع صغیر میں یوں ہے۔ کہ اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَأَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ
کَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ۔ یعنی مقرر دین اسلام پہلے آیا پردیسی اور اب چلا جائیگا پردیسی پھر خوبی ہو پردیسیوں کو۔ پھر سیوطی نے
اشارہ کیا۔ کہ روایت کی اس حدیث کی مسلم اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے اور ترمذی نے ابن مسعود سے اور ایک محدث نے انس سے
اور طبرانی نے سلمان اور سہل بن سعد اور ابن عباس سے۔ عجب زیادہ یہ ہے۔ کہ کہتے ہیں کہ کیا طریقہ سنت کا انہیں کو معلوم ہوا۔ اور ہمارے
بزرگوں کو اور ہم کو نہیں۔ ایسی نئی نئی باتیں جو اپنے بزرگوں سے نہ سنی ہیں نہ دیکھیں کہاں سے نکلیں۔ ہیہات ہیہات ف۔

اور فرمایا رسول خدا نے۔ لَا یَزَالُ هٰذَا الدِّیْنُ قَائِمًا یُقَاتِلُ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔ یعنی ہمیشہ یہی دین قائم رہیگا
لڑائی مارتے رہینگے اسپر مسلمان یہاں تلک کہ قیامت قائم ہو۔ اور ابوداؤد نے عمران بن حصین سے یہ روایت
لائی ہے۔ کہ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ عَلٰی مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰی یُقَاتِلَ اٰخِرُهُمُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔ یعنی ہمیشہ ایک جماعت
میری امت کی لڑائی مارتی رہیگی حق پر۔ غالب رہیگی اپنے دشمنوں پر یہاں تک کہ آخر گروہ لڑینگا اُن کے دجال سے اگر اللہ تعالیٰ بعض
آدمیوں سے بعض آدمیوں کو دفع نہ کرتا تو مقرر خراب ہوتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ۔ البتہ فضل والا ہے سب عالم پر حاصل یہ کہ ان حدیثوں کے
وعدے کے موافق ایک جماعت اللہ کے بندوں کی اللہ کے دین کے تائید پر جان مال سے فدا رہتی ہے۔ اور ترک اور بدعت والوں کے شبہوں کو
زائل کرنے میں ساعی۔ خصوصاً اس حدیث کے موافق جو امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے جو اپنی جامع صغیر میں اور ہر صدی کے مجدد پیدا ہونے کے رسالے میں
لکھا ہے۔ جو مسلمانوں میں چھا گئی ہوئی بدعت کے دفع کرنیکو ایک آدھ مرد خدا اللہ کی جہت سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے
اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰی عِنْدَ كُلِّ بِدْعَةٍ كِیْدَ بِهَا الْاِسْلَامُ وَاَهْلُهٗ وَلِیًّا صَالِحًا یَذُبُّ عَنْهُ وَیَتَكَلَّمُ بِعَلَامَاتِهٖ فَاغْتَنِمُوْا
حُضُوْرَ تِلْكَ الْمَجَالِسِ بِالذَّبِّ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَتَوَكَّلُوْا عَلَی اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۔ یعنی حاصل معنے یہ ہے کہ جب کوئی بدعت

عَلَيْهِ الْكُفْرُ اِذَا اشْتَمَّ مَا بِسَاءٍ وَفَقِيهًا أَوْ بِغَيْرِ سَبَبٍ ۔ یعنی جو کوئی کینہ رکھے کسی عالم سے بدون کسی ظاہری سبب کے ۔ تو اس کی
حقیقی کفر کا ڈر کا ہے ۔ اور کفر کا خطرہ ہوا کرتا ہے ۔ اُس کے حقیقی جو گالی دے کسی عالم کو یا فقیہ کو بغیر سبب کے نہایت عجب ہے ۔ کہ لوگ جو
مولانا اسمعیل عالم فقیہ شہید سے کینہ رکھتے ہیں ۔ جو شخص توحید محمدی بتانے اور شرک خفی و جلی جتانے اور کتاب اور سنت بتلانے ۔ وہ ایسا کینہ رکھنے
ف ۱۹ اور گالی دینے کی برائی کس درجہ میں ہوگی ۔ ذرا سوچ کے دیکھئے ۔ انت العبد ۔ سُنا چاہئے کہ آدمی سارے اللہ کے بندے ہیں ۔
اور بندے کا کام بندگی ہے ۔ جو بندہ کہ بندگی نہ کرے ۔ وہ بندہ نہیں ۔ ش یعنی بندہ مخلوق ہوا تو کیا بندہ مخلوق نہیں ۔ بندہ بالطبع تو
ہے بندہ بالکسب نہیں ۔ بندہ بالاضطرار تو ہے بندہ بالاختیار نہیں ۔ بندہ باطل تو ہے بندہ حق نہیں ۔ بندہ باغی تو ہے بندہ مطیع نہیں
بندہ فی الحقیقت ہے بندہ بالتحقیق نہیں ۔ بندہ مردود و مطرود تو ہے بندہ مقبول و مقبول نہیں ۔ اسبات پر بعض جاہل معنی اسکا سمجھکر اعتراض
کیا کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں کہ زیادہ بندگی نہ کرنے سے بندے پن سے نکل کر خدا ہو گیا یا ای منصفو ۔ یہاں انصاف کی جگہ ہے ذرہ غور سے
دیکھو ۔ کہ مراد مولنا شہید کی یہ ہے ۔ کہ بندگی نہ کرے ۔ سو شخص خاص بندہ خدا کا نہیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اِنَّ عِبَادِیْ
لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ الآیۃ ۔ یعنی اللہ نے ابلیس کو فرمایا ہے کہ تجھے میرے بندوں پر قدرت نہیں ۔ اس آیت سے مراد خاص بندوں
سے لیا گیا نہیں ۔ تو معنی مشکک نہیں بنتے ۔ کیونکہ تمام عالم اللہ کے بندے ہیں اور بہتیرے شیطان کے فریب میں پڑے ہوئے ۔

بہٖ الا خیرًا - یعنی حرام ٹھیرایا اللہ نے مومن کے خون کو اور اسکے مال کو اور اسکی آبرو کو - اور یہ کہ گمان کیا جاوے اس کے باب میں مگر بھلا ہے انتہی

اور امام نووی نے اذکار کی کتاب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے - کہ مَنْ رَمٰی مُسْلِمًا بِشَیْءٍ یُرِیْدُ شَیْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰی جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰی

یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ ۔ یعنی جس نے تہمت لگائی کسی مسلمان کو اس چیز کی جس سے وہ پاک ہے بدنام کرنے اُس کو تو اٹکا رکھیگا اس کو اللہ تعالی پل پر

ف۱۱ جہنم کے یہاں تک کہ وہ اپنی بات کے عہدے سے باہر آوے - اور مشکوٰۃ کے باب الشفقۃ والرحمۃ کی دوسری فصل میں انس سے روایت ہے انہوں نے

کہا - پیغمبر خدا نے فرمایا مَنْ اُغْتِیْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ

یَنْصُرْهُ وَهُوَ یَقْدِرُ عَلٰی نَصْرِهٖ اَدْرَکَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ - یعنی جس کے پاس اُس کے مسلمان بھائی کی غیبت چلے اور وہ اسکی

مدد کر سکتا ہووے یعنی مدد کرنیکی قوت رکھتا ہو پھر اسکی مدد کرے مدد کریگا اسکی اللہ دنیا او آخرت میں - پھر اگر مدد نہ کرے اسکی اور قدرت رکھتا ہووے اسکی مدد پر تو

بدلا لیگا اسکا اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں - اور امام جلال الدین سیوطی کی جامع صغیر میں لکھا ہے - کہ مَنْ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ فَلَمْ یَنْصُرْهُ وَ

هُوَ یَسْتَطِیْعُ نَصْرَهٗ اَذَلَّهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ عن انس - یعنی جس کے پاس مسلمان

کی غیبت چلے - اور وہ اسکی مدد کر سکتا ہووے - پھر مدد نہ کرے اسکی تو خوار کریگا - اللہ تعالی اسکو دنیا اور آخرت میں - یہ روایت کی ابن

ابی الدنیا نے غیبت کی برائی کے بیان میں - انس سے - اور عالمگیری میں لکھا ہے - عَنِ الْبَعْضِ مَا لَمْ یَکُنْ غَیْرَ سَبَبٍ فَاَخْفَیْتُ

درگاہ میں قضایات اللہ ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر چاہے حد شدید اور اگر چاہے معاف کر دے۔ اور ابن حجر کی ایک کتاب امام ابو حنیفہ
کی تعریف میں جس کا نام خیرات الحسان ہے۔ اسکی فصل اول میں بیان امام کے حق میں تعصب سے گفتگو کرنے والوں کی چوک کا بیان ہے۔ اور کتاب
كفاهم من الله في تجرمهم وكذا لهم ما جاء عن النبي صلى الله عليه وسلم بسند جيد ايما رجل اشاع على رجل مسلم كلمة
باطل ليشينه بها في الدنيا كان حقا على الله ان يحبسه في جهنم حتى ياتي بنفاذ مما قال وليس
بنافذ ۔ وفي رواية صحيحة من قال في مؤمن ما ليس فيه اسكنه الله تعالى ردغة الخبال حتى يخرج مما قال و
ليس بخارج ۔ وردغة الخبال بفتح الراء وسكون الدال المهملتين فالمعجمة مفتوحة فموحدة عصارة
اهل النار كما في حديث مرفوع ۔ یعنی نہیں ہے اسکو اللہ کی جانب سے اسکی سزا اور عذاب کے واسطے۔ وہ حدیث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آئی ہے
اچھی سند سے کہ جو کوئی شخص کسی آدمی پر اسکو دنیا میں عیب لگانے کے واسطے کوئی بات مشہور کرے جس سے وہ آدمی پاک ہے۔ تو اللہ پر حق ہے
اس شخص کو قید کرے دوزخ میں۔ وہ اپنی بات کا عہدہ برآ ہووے تب تک۔ اور وہ عہدہ برآ ہو سکنے والا نہیں اور ایک روایت صحیح میں ہے کہ جو کوئی کہے
کسی مومن کے حق میں وہ کچھ جو اس میں نہ ہو۔ رکھے چھوڑ دیگا اللہ تعالیٰ اسکو دوزخیوں کی آگ کی بہتی ہوئی لہو میں یہاں تک کہ اپنے کہے سے
باہر آوے۔ اور باہر آسکنے والا نہیں۔ اور حدیث میں ہے حرم الله من المؤمن دمه وماله وعرضه وان لا يظن

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پیروی کو کہ تم ان کی پیروی کروگے۔ پھر میں نہیں جانتا۔ تو ویسا کوئی تم میں بھی ہوگا۔ یہاں تک اگر کوئی ان لوگوں میں سے گھسا گیا ہو۔ برابری برابری سے

یا ہیں۔ یہ روایت اس طرح بھی آئی ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی حُنَیْنٍ وَنَحْنُ

حُدَثَاءُ عَهْدٍ بِكُفْرٍ وَلِلْمُشْرِكِيْنَ سِدْرَةٌ يَعْكُفُوْنَ عِنْدَهَا وَيَنُوْطُوْنَ بِهَا اَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ

فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ اُخْرٰى فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اِنَّهَا السُّنَنُ قُلْتُمْ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ كَمَا قَالَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ لِمُوْسٰى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا

كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ ۔ یعنی ہم نکلے ہمراہ رسول اللہ کے حنین کی طرف

تب ہم چھوڑ کے تھوڑے دن ہوئے تھے اور مشرکوں کو ایک بیری کا درخت تھا جس کے گرد آسن مارے بیٹھے تھے اور اس سے اپنی ہتیاریں لٹکاتے

اسکو ذات انواط کہا کرتے تھے پھر ہم نے گذر کیا۔ اور بیری کے پاس سو ہم نے عرض کی۔ اے پیغمبر خدا ہمارے لئے بھی ایک

ذات انواط ٹھہرائیے۔ جیسے انکو ذات انواط ہے پیغمبر خدا نے فرمایا اللہ اکبر۔ یہ رسمیں ہیں تم نے کہا۔ سو اسکی قسم جس کے

ہاتھ میری جان ہے۔ جیسا کہا تھا بنی اسرائیل نے موسیٰ کو ٹھہرا ہمارے واسطے معبود جیسا انکو معبود ہیں موسیٰ نے کہا کہ تم سب بے سمجھ قوم ہو

مقرر تم پیروی کروگے تم سے اگلوں کے طریق کی۔ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص سے حدیث مرفوع میں آئی ہے۔ لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ

تم سے اگلوں کی رسموں کی بالشت بالشت ہاتھ ہاتھ تک کہ اگر وے چلے گئے ہونگے سوسمار کے سوراخ میں تم بھی

چلے جاؤگے۔ لوگوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ کیا اگلوں سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر اور کون روایت

کی ہے اس کی طبرانی نے بھی سہل سے اور حاکم نے بھی ابوہریرہ سے۔ سوائے ان کے مشکواۃ وغیرہ میں ابی واقد لیثی سے

یہ روایت ہے۔ کہ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ اِلٰی غَزْوَۃِ حُنَیْنٍ مَرَّ بِشَجَرَۃٍ لِلْمُشْرِکِیْنَ

يُعَلِّقُوْنَ

كَانُوْا عَلَيْهَا اَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ

هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰی اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ یعنی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تشریف لیچلے حنین کی لڑائی کو تب گذرے ایک درخت پر سے مشرکوں کے جس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے

تھیں۔ اس کو ذات انواط کہا کرتے تھے۔ تب لوگوں نے عرض کی ای پیغمبر خدا ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط ٹھیرا دیجئے سو آپ نے

فرمایا۔ سبحان اللہ یہ ویسا ہی ہے۔ جیسا موسیٰ کی قوم نے کہا ٹھیرا ہمارے واسطے ایک معبود جیسے ان لوگوں کیلئے معبود ہیں قسم ہے اُسکی

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک تم پیروی کروگے تم سے اگلوں کی چالوں کی روایت کی اسکی ترمذی نے اور رزین نے اس روایت میں یہ ہے

لَتَحْذُوْنَ النَّعْلَ بِالنَّعْلِ وَالْقُذَّةَ بِالْقُذَّةِ حَتّٰی اِنْ كَانَ فِيْهِمْ مَنْ اَتٰی اُمَّهٗ يَكُوْنُ فِيْكُمْ فَلَا اَدْرِيْ اَتَعْبُدُوْنَ الْعِجْلَ اَمْ لَا یعنی البتہ برابری کروگے جیسی برابری ہوتی ہے ایک

الامور من قبلکم ذراعاً بذراع وشبراً بشبر وباعاً بباع حتی لو دخل رجل جحر ضب لدخلتموہ ؛

یعنی مقرر ہو گے تم جیسا کیا تھا پہلی امتوں نے جو تم سے آگے تھیں۔ ہاتھ ہاتھ۔ اور بالشت بالشت باع باع یہاں تک کہ کوئی

سوسمار کے سوراخ میں گھس گیا ہو البتہ تم بھی گھسو گے۔ ابوہریرہ نے کہا کہ تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔ کالذین من قبلکم کانوا

اشد منکم قوۃ الآیۃ پھر کہا کہ اصحابوں نے یہ سنکر عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ کیا۔ ویسا جیسا فارس والوں نے اور روم والوں نے

اور اہل کتاب نے کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ پھر آدمیاں ہیں ہو ہی تو۔ اور کہا ابوہریرہ نے اس آیت کے معنی میں کہ خلاق کے معنی

دین ہے ان احادیثوں کی صحیح شہادت بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لا تقوم الساعۃ حتی تاخذ امتی

ما اخذت القرون قبلہا شبراً بشبر وذراعاً بذراع فقالوا یا رسول اللہ کفارس والروم فقال ومن الناس

الا اولئک۔ یعنی نہ کھڑی ہوگی قیامت جب تک کرے میری امت جو کچھ کیا تھا اگلی امتوں نے بالشت بالشت اور ہاتھ

ہاتھ۔ صحابی نے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ کیا جیسا فارس والوں نے اور روم والوں نے تب فرمایا اور کون ہیں آدمیاں مگر وہی تو اور ابوسعید نے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ ان لفظوں سے لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر وذراعاً

بذراع حتی لو سلکوا جحر ضب لسلکتموہ قالوا یا رسول اللہ الیہود والنصاری قال فمن یعنی مقرر تم پیروی کرو گے

تب حال پایا۔ اور دین میں ان کا لاابالی پن مجھے خوش نہ آیا۔ اس واسطے مناسب جانا۔ کہ وے مذکور احادیث ان کو سنا دوں۔ اور ان کے مضمون ہدایت مشحون کے موافق ایک مفید رسالہ دینی بھائیوں کے واسطے ہندی زبان میں بنا دوں۔ وے حدیثیں یہ ہیں ف ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور ابن منذر نے اپنی تفسیروں میں كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا کی آیت کے نیچے ابن عباس کا یہ قول لایا ہے كَمَا أَشْبَهَ اللَّيْلَةُ بِالْبَارِحَةِ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ هَؤُلَاءِ بَنُو إِسْرَائِيلَ شُبِّهْنَا بِهِمْ وَنَفْسِي بِيَدِهِ لَتَتَّبِعُنَّهُمْ حَتَّى لَوْ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْهُمْ جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوهُ۔ یعنی کیا شبیہ ہے آج کی رات سے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا۔ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ یعنی تم سے اگلے اگلوں سے مراد بنی اسرائیل ہیں ہم کو ان کی شبیہ ٹھیرایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ مقرر تم پیروی کروگے اگلے لوگوں کی۔ اگر ان میں کوئی سوسمار کے سوراخ میں گھسا ہو۔ تم بھی گھسوگے اور حاکم کی روایت میں ابن عباس سے یہ حدیث مرفوع آئی ہے۔ کہ لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ۔ یعنی مقرر تم پیروی کروگے ان کی راہوں کی جو تم سے پہلے تھے بالشت بالشت اور ہاتھ ہاتھ اور ابو ہریرہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات آئی ہے۔ کہ لَتَأْخُذُنَّ كَمَا أَخَذَتِ

توفیق الایقان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لک الحمد یا حافظ الدین فی قلوب المؤمنین المخلصین

فصل وسلم وبارک علی سید المرسلین الممدوح بطٰہٰ و

یٰسین محمد خاتم النبیین شافع یوم الدین و

علی آلہ واصحابہ اجمعین ۔۔۔۔

منصف مومنوں پر پوشیدہ نہ رہے۔ کہ جب یہ بندہ امیدوار رحمت غفار خادم الدین

سید الابرار عبد القہار ابن عبد الجبار ساکن گوالیار نے ان احادیث شریف کو جو آگے مذکور ہوتی

ہیں عبرت کی نظر سے مطالعہ کیا۔ اور زمانے کے حال پر تطابق دیا تو اپنے دینی بھائی کی بھلائی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

جاوید قمر

یاس

روح پر مری پھیل سی گئی
تلخیٔ حیات اب کہاں نجات
گھومنے لگے شوخ دائرے
زرد زرد سے آہِ سرد کے
پٹ گئی حیات پٹ گئی اُمید
موت کامراں یاس حکمراں

مبر ۱۹۴۶

-/۸/-

ادب لطیف لاہور

ادبِ لطیف
لاہور

ایڈیٹر: برکت علی چوہدری

نمبر شمارہ ۳	دسمبر ۱۹۴۶ء	جلد ۲۴

سخنہائے گفتنی .. .. برکت علی چوہدری .. ۲

مضامین

ناٹک .. .. سید عابد علی عابد .. ۳
ہندی آریہ فلسفہ .. باری (علیگ) .. ۷
دعوت میں بات کرنیکا سلیقہ کنہیا لال کپور .. ۹

منظومات

غزل .. .. .. حفیظ ہوشیارپوری ۱۳
مجسمہ .. .. احمد ندیم قاسمی .. ۱۴
غزلیں .. .. .. کمال احمد صدیقی ۱۶
غزل .. .. .. عبدالحمید عدم ۱۶
اور ایک ساغر زہراب بھی غلام ربانی تاباں ۱۷
یادیں .. محمد حسن .. ۱۷
[illegible] سردار انور ۱۸

ایک گیت اور ایک نظم قیوم نظر .. ۱۹
ارادہ .. .. .. منظر سلیم .. ۲۰
عادتیں .. .. مسعود شاہد .. ۲۰
رُوٹھ گئے دکھیا ران کے پی سجاد حیدر .. ۲۱
قطعات .. .. لطیف انور .. ۲۱

افسانے اور ڈرامے

ناگہاں .. .. .. بیگم ث "الف" ۲۲
حرکت .. .. .. ہنس راج رہبر ۲۸
پہنیدا خاں .. .. کرتار سنگھ دُگل ۳۲
تماشا .. .. یزدانی ملک ۳۵
جانے سے پہلے .. قریشی صلاح الدین اکبر ۳۶
اور وہ ہنستی رہی .. انڈریف مترجم عبدالرحیم شبلی ۴۲
ایک رات .. .. ابوسعید قریشی .. ۴۹

ناگی پریس [illegible] لاہور میں باہتمام برکت علی چوہدری پرنٹر و پبلشر

سخنہائے گفتنی

پچھلے شمارے میں ہم نے ادبِ لطیف کے انتظامی معاملات میں چند اہم تبدیلیاں رونما ہو جانے کے بارے میں ضمنی طور پر کچھ گذارشات کی تھیں۔ ہر چند ہم جانتے ہیں کہ ان کا تعلق قارئین سے نہ تھا، علاوہ ازیں اپنے کرمفرماؤں کو پریشان نہ کیا جائے لیکن بعض باتیں ایسی ہیں جن کی طرف مزید اشارے کئے بغیر ادبِ لطیف میں لکھنے اور اسے پڑھنے والوں میں غلط فہمی کا پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ صرف یہی نہیں بعض مخالف طاقتوں کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم ان کی جائز مدافعت کیلئے حقیقت سے گریز نہ کریں۔

ادبِ لطیف میں چھپنے کے لئے بیسیوں مضامین نظم و نثر ہر ڈاک سے موصول ہوتے ہیں۔ ان میں نوجوان قلمکاروں سے لیکر ملک کے چوٹی کے فن کاروں کی چیزیں ہوتی ہیں، چنانچہ رسالے کی محدود ضخامت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کتنے ہی مضامین اس کی اگلی اشاعتوں کے لئے رکھ لئے جاتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض نہایت اچھی چیزوں کے چھپنے کی باری مہینوں تک نہیں آتی۔ گذشتہ چھ سات ماہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ ادبِ لطیف کے پچھلے کارکن بے شمار نظم و نثر کے مضامین فراہم کرتے رہے، تا آنکہ وہ اس سے الگ ہو گئے اور اس طرح جمع کیا ہوا اثاثہ "اندوختہ" یا تو اپنے ساتھ لے گئے۔ یا پھر ہمارے لئے چند ایسی چیزیں چھوڑ گئے جن کی اشاعت پرچے کے معیار اور اس کے رجحانات کے پیشِ نظر ممکن نہیں۔ اس لئے ہم اپنے قلمی معاونین کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ اب ہمارے پاس ان کی ایسی کوئی قابلِ اشاعت چیز نہیں جو انہوں نے اکتوبر ۱۹۴۶ء سے پہلے ادبِ لطیف کو چھپنے کی غرض سے ارسال کی ہو۔ اس لئے اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی پرانی بھیجی ہوئی چیزیں کسی نئے پرچے میں چھپنے کی بجائے اب ادبِ لطیف ہی میں شائع ہوں تو وہ ان کی ایک نقل ہمیں دوبارہ بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ تاکہ ہمیں ان پر غور کرنے کا موقع مل سکے۔

اگست، ستمبر اور اکتوبر کا ادبِ لطیف شائع نہیں ہو سکا۔ دراصل یہی تین مہینے تھے جن میں ہمارے انتظامی معاملات نہایت درہم برہم تھے چنانچہ ان تین مہینوں میں جن حضرات نے ادبِ لطیف کے وی پی وصول کئے یا اس کا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجا ہمیں ان کا صحیح ریکارڈ نہیں مل سکا اس لئے ان حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اپنا وی پی کا کوپن یا منی آرڈر کی رسید ہمیں فوراً ارسال فرمائیں تاکہ ان کا نام خریداروں کی فہرست میں درج ہو سکے اور انہیں ادبِ لطیف کسی دقت کے بغیر ملنا شروع ہو جائے۔

ادبِ لطیف نے اردو ادب کا جو نیا معیار قائم کیا اور اسے جس خوبی سے برقرار رکھا، بلکہ مستقبل میں اسے بلند سے بلند تر کرنے کا جو بیڑا اس نے اٹھایا ہے وہ ہم سب کے لئے باعثِ فخر و مباہات ہے لیکن ایک بات جو ہمیں ہمیشہ سے کھٹکتی رہی اور جس سے ہمارے قارئین ہمیشہ پریشان رہے، وہ رسالے کی اشاعت میں بڑھتی ہوئی بے قاعدگی تھی۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے پچھلے کارکنوں کو اشاعت میں بے قاعدگی سے کوئی خاص لگاؤ تھا۔ بہرحال ہماری آئندہ یہ کوشش رہے گی کہ ہم اس پرانی رسم کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیں۔ اور پرچہ ہر مہینے کے پہلے ہفتہ میں پڑھنے والوں کی خدمت میں پہنچا دیا کریں۔

اور ایک بات اور ——— یعنی جواب طلب امور کیلئے دو پیسے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

اور خریداروں کو چاہئے کہ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ جواب میں تاخیر کا احتمال ہے۔

برکت علی چودھری

سید عابد علی عابد

ناٹک

اس بات کو پھیلا کر بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اسٹیج کا ناٹک وہ کہانی ہے جو اس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھی جائے کہ اسے ایکٹروں کی مدد سے اسٹیج پر کھیلا جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ [illegible] نے ناٹک کے لئے تین چیزیں ضروری قرار دی ہیں۔ ایک اسٹیج، دوسری کھیل دکھانے والے اداکار، تیسری کھیل دیکھنے والے یعنی سامعین اور ناظرین کیونکہ ناٹک دیکھا بھی جاتا ہے۔ اور سنا بھی جاتا ہے۔

اب یہ کہنے کی ضرورت شاید باقی نہیں رہی کہ ناٹک کے مصنف اسٹیج، اداکاروں اور دیکھنے والوں سے متاثر بھی ہوتے۔ اور انہیں متاثر بھی کرتے ہیں۔ یہی احساس کہ ناٹک کی ہر چیز کو اسٹیج پر دکھایا جانا مقصود ہے۔ قدم قدم پر مصنف کو روکے گی اور اسے سوچنے پر مجبور کرے گی۔ کہ کہیں کوئی ایسا پیچیدہ الجھا ہوا سین نہ لکھ دے جس کا اسٹیج پر دکھانا ناممکن ہو۔ اسٹیج کا طول و عرض اسے اس بات پر مجبور کرے گا کہ وہ اپنے کیریکٹروں کی آمد و رفت کو استادانہ طریقے سے استعمال کرے۔ اور اس بات کو کبھی فراموش نہ کرے کہ بہت سے کیریکٹروں کا اسٹیج پر جمع ہو جانا ناممکن تو نہیں، لیکن ان کا سنبھالنا بہت دشوار ہے۔ کیونکہ اسٹیج پر کیریکٹر یا اداکار ہر وقت گویا ہو یا خاموش، دائیں ہو یا بائیں لگاتار ایکٹ کرتا رہتا ہے۔ اور جب بہت سے کیریکٹر اسٹیج پر جمع ہوں تو اس طرح ایکٹ کرنا کہ توجہ کا مرکز وہ خاص کیریکٹر ہی رہے۔ جس کے لئے وہ سین یا منظر گرم رہا ہے۔ بہت مشکل ہے۔ انہیں باتوں اور مشکلات کو مد نظر رکھ کر یہ بنیادی قانون بنایا گیا۔ کہ تمام غیر ضروری کیریکٹروں سے ناٹک کو پاک ہونا چاہئے۔ جو کیریکٹر اسٹیج پر آئیں۔ ان کی حالت یہ ہو کہ ان کے بغیر گزارہ ہی نہ ہو سکے!

اسٹیج کے طول و عرض اور ہال کی ترتیب و ساخت کے اعتبار سے بھی ناٹک کے پیش کرنے کا رنگ، متاثر ہوتا رہتا ہے۔ اسٹیج ناٹک کی ایک خاص زبان ہے۔ تمثیل، افسانہ، اسٹیج ڈھونڈنے والے

ناٹک اور ناولوں کی طرح آہستہ آہستہ رفتار سے چلتے ہیں۔ ان کے واقعات کی رفتار کا تیز ہونا بھی ضروری نہیں۔ زبان بھی عام طور پر معمولی کاروباری زبان کی ایک اچھا یا صاف اور جھلک ہوتی ہے۔ لیکن کے برخلاف، ناٹک دو تین یا چار گھنٹے میں ختم ہوتا ہے۔ اسی عرصے میں ڈرامہ کے تمام مراحل کو طے کرتا ہے۔ آغاز، کشمکش کی ابتداء، کیریکٹروں کے کردار کا انکشاف، حیرت آفرین انجام کی ابتدا اور آخر انجام بھی کچھ ان ہی تین گھنٹوں میں ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ اسٹیج سے دور بیٹھے ہیں۔ ان تک بھی کھیل کا ہر لفظ پہنچانا۔ اور ان کو ایکٹر کی ہر حرکت کا پیغام سمجھانا ضروری ہے۔ انہیں پابندیوں کے باعث ڈراما نویس! مجبور ہوتا ہے کہ معمولی بول چال کی زبان کو ترک کر کے عموماً ایک مخصوص زبان اختیار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جو عام زبان سے زیادہ موثر، مبالغہ آمیز، صناعانہ، اور چبھتی ہوئی ہوتی ہے۔ بات کانٹے کی تول ہوتی ہے لیکن بڑے تکلف سے ہوتی ہے۔ بڑی نوک پلک نکالی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ناٹک میں کسی کا بھائی مر جائے تو یوں نہیں کہا جائے گا۔ کہ مجھے سخت افسوس ہوا۔ کہ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا۔ بلکہ وہاں بازو کے ٹوٹ جانے سے مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ اور زندگی کی گردش تمام ہو جاتی ہے۔ جونہی یہ بات سمجھ میں آ جائے کہ ایکٹر کا ابتدائی اور سب سے زیادہ ضروری فرض یہ ہے۔ کہ اس کی آواز سب کو صاف سنائی دے۔ وہیں یہ بھی ہم پر روشن ہو جاتا ہے۔ پہلے ڈرامے نظم میں کیوں لکھے جاتے تھے۔ اور ہندوستان کے ناٹکوں کی زبان مقفیٰ اور مسجع کیوں ہوتی ہے۔ یہ زبان معمولی زبان کی طرح فطری طریقۂ اظہار نہیں ہے۔ لیکن یہ دعویٰ کس نے کیا ہے۔ کہ اسٹیج پر ہر چیز فطرت کی نقل ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے تمام بڑے بڑے نقاد ڈرامہ کی [illegible] کہتے ہیں۔ کہ ایکٹر کے لئے اسٹیج پر [illegible]

یا قانون فطرت کے مطابق ایکٹ کرنا اور بولنا ممکن ہے۔ ایکٹر کا پہلا فرض ہے۔ کہ لوگوں تک اپنی آواز پہنچائے۔ اپنی ہر حرکت اور اپنے ہر انداز کا مطلب، الفاظ سے، اور اپنے الفاظ کا مفہوم انداز سے دیکھنے والوں کو سمجھائے۔ ایسا نہ کرے گا۔ تو ناٹک بیچ میں چھکر رہ جائے گا۔ اور دوسرے دن کوئی شخص یہ تماشا دیکھنے کیلئے نہ آئیگا۔ ظاہر ہے کہ سٹیج کی پابندیوں کو مدنظر رکھ کر جلسے ایکٹر کو اتنا حلق کا زور بلند کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نعرے بلند کرنے ہوں تو مقفیٰ عبارت کی ترتیب سے اس کام میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ زبان غیر معمولی ضرور ہوتی ہے، لیکن ناٹک کا مطلب دیکھنے والوں کے ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو، ہندی ناٹکوں میں، کریکٹروں کی گفتگو میں قافیوں کے ہول بمار کھٹ کھٹ کرتے چلے آتے ہیں۔ اور مترادف فقروں اور لفظوں کے جوڑ توڑ سے، ایکٹر کو مدد پہنچاتے ہیں۔ "زینت کس حال میں ہے" "شیر لوہے کے جال میں ہے"۔ "اب بھی اگر میری بات سے انکار ہے تو، خنجر تیرے سینے کے پار ہے۔" پڑھنے سے ذرا طبیعت ضرور الجھتی ہے۔ لیکن سٹیج پر انہیں فقروں کے لئے ایسی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ کہ خاص طور پر پچھلی نشستوں والے لوگ تو محسوس بھی نہیں کرتے کہ ایکٹر بڑے جوش و خروش سے نعرے بلند کر رہا ہے۔ اور قافیہ طرازی کا دم بھر رہا ہے۔ اجب تک ہماری سٹیج کی ساخت اور تربیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت تک غیر معمولی زبان اور قافیہ طرازی کی ضرورت باقی رہے گی۔ آغا حشر نے بڑی کامیابی سے یہ کھیل کھیلا ہے اور اپنی زبان کو ایسے سانچوں میں ڈھالا ہے۔ کہ سننے والے تھوڑے سے عرصے میں زیادہ سے زیادہ متاثر ہو سکیں۔

جنرل:۔ خداوند! وہ کیسا بھیانک کام ہوگا۔ جس کی ایسی ہولناک تمہید ہے۔

نادر:۔ میں پھر کہتا ہوں کہ بات ناقابل شنید ہے۔

جنرل:۔ کسی سے دغا بازی کرنا!

نادر:۔ نہیں!

جنرل:۔ ملک میں فتنہ پردازی کرنا!

نادر:۔ نہیں۔

جنرل:۔ ڈاکہ!

نادر:۔ نہیں۔

جنرل:۔ چوری۔

نادر:۔ نہیں۔

آپ نے دیکھا۔ اس غیر معمولی زبان میں ہی قافیے کے کھٹکے لگے ہوئے ہیں۔ کہیں چھوٹے چھوٹے فقروں اور الفاظ کی حرکت سے اثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مختصر یہ ہے جس طرح بھی بن پڑے تھوڑے سے عرصے میں لوگوں کو کھیل کا مطلب سمجھانا اور ان کو متاثر کرنا مقصود ہے۔

ظاہر ہے کہ مصنف کی تمام جادوگری کے باوجود اگر ایکٹروں کا انتخاب اچھا نہیں ہے۔ تو یہ قافیوں کے کھٹکے اور یہ سوال و جواب کی ترتیب اور یہ چھوٹے چھوٹے ترشے ہوئے فقرے سب بیکار جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی سٹیج ناٹک کے مصنف اس بات کا بھی ہمیشہ خیال رکھتے ہیں کہ ان کی زبان ان کے فقروں کی ترتیب آواز کے اتار چڑھاؤ کی سترلیں حرکات و سکنات کی مجموعہ طرازی ایسی ہو کہ عام ایکٹروں کے ذہن نشین ہو جائے اور سٹیج پر بھی طرح دیکھنے والوں تک پہنچائی جا سکے۔ یہ نہ ہو کہ مصنف ایسے بلند معیار کا ناٹک لکھے کہ اس کے لئے ایکٹروں کا انتخاب ہی مشکل ہو جائے یا ایکٹروں کیلئے اس ناٹک کا مفہوم ہی ذہن نشین کرانا دشوار ہو جائے۔ مثلاً برنارڈ شا کے کھیل Pygmalion میں پروفیسر Higgins کے کردار کا نمایاں پہلو یہ ہے۔ کہ ہر کام تیزی سے کرتا ہے۔ چلتا پھرتا سوچتا۔ بولتا تیز ہے۔ گویا بجلی ہے کہ ادھر سے ادھر لہرا رہی ہے۔ سٹیج پر اس کے کردار کا انکشاف نہایت مشکل ہے۔

تیز بولنا ضروری اور اس طرح بولنا بھی لازمی۔ کہ ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف صاف سنائی دے اور بھی ضروری خاص طور پر تیسرے ایکٹ کے اختتام پر جہاں پروفیسر ہگنز

اور کرنل پکرنگ دونوں ایک ساتھ مل کر باتیں کرتے ہیں، اس سین کو سنبھالنا بہت دشوار ہے۔ اور وہی اثر پیدا کرنے کے لئے جو مصنف کے ذہن میں تھا۔ بڑی چابکدستی اور مہارت درکار۔

جذبات کی شدت یا لطافت کے اظہار کے لئے آج سے کچھ سال پہلے تک ہندوستان کے ناٹکوں میں قافیہ طرازی کے علاوہ اشعار بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ ان اشعار کی اثر انگیزی اور برمحل ہونے کے متعلق ہمارے نقادوں کی رائے مختلف ہے۔ کچھ بزرگوار تو یہ فرماتے ہیں۔ کہ شعر سرے سے ناٹک میں ہونے ہی نہیں چاہئیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ذہن انسانی، لطیف اور نفیس جذبات کے اظہار کے لئے طبعاً شعر کا یا شاعرانہ انداز بیان کا سہارا لینا چاہتا ہے۔ اور اصول کے طور پر اس سہارے سے اسے محروم کر دینا بڑا ظلم ہے۔ ہاں بے ضرورت و بے موقع بے محل اشعار کے استعمال سے ضرور دل الجھتا ہے۔ لیکن حشر کے ڈراموں میں اشعار عام طور پر ایسے با موقع استعمال ہوتے ہیں اور شعر خود ایسے اچھے ہوتے ہیں کہ سین کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ان کی غزل اس مرتبے کی ہوتی ہے۔ کہ بعض اوقات اس کے برمحل اور بے محل ہونے کی طرف ذہن متوجہ ہی نہیں ہوتا ۔

چھیڑی کہیں کھلے نہ نسیم بہار کی ۔ خوشبو اڑا کے لائی ہے گیسوئے یار کی

جب اتنی بے وفائی پر اسے دل پیار کرتا ہے۔
الٰہی پھر وہ ظالم باوفا ہوتا تو کیا ہوتا!

ایسے شعر سن کر یہ سوچنے کی تکلیف کون کرے گا کہ غزل یا گیت یا اشعار کے استعمال کا یہ موقع برجستہ، مناسب اور صحیح تھا یا نہ تھا۔

یہ بات واضح ہے کہ ناٹک میں کیریکٹروں کے کردار کا انکشاف مکالمے، اور حرکات و سکنات کے ذریعے ہوتا ہے۔ لیکن موجودہ زمانے کے نقاد اور سیانے اب یہ کہتے بھی سنے جاتے ہیں۔ کہ کھیل کا جو مطلب حاضرین کے ذہن نشین کرانا مقصود ہوتا ہے۔ اس کی تشریح میں سینری، روشنی اور نور و ظلمت کی جادوگری، لباس، موسیقی، اور سیٹنگ کی ترتیب و تشکیل بھی بہت معاون ہوتی ہے،

یعنی یہ تمام چیزیں مل کر، حقیقت کی فضا پیدا کرتی ہیں اور دیکھنے والے اس فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ واقعی ان کے سامنے زندگی کی ایک تصویر پیش کی جا رہی ہے۔ یعنی انہیں نقل پر اصل کا شبہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ مستقبل کے ناٹکوں کے متعلق یہ دعوے سچ ہو جائے۔ لیکن ماضی کے اور حال کے ناٹک لکھنے والوں کی اکثریت ان چیزوں سے، کم و بیش بے نیاز رہی ہے، سوفوکلیز، شکسپیر، شیریڈن، شا، گالزوردی، بیری، بیتاب، احسن، حشر، ان سب کے سامنے "سٹیج" کا یہ معیار نہ تھا۔ نہ ان کی نظر میں سٹیج کے ان لوازم کو یہ اہمیت حاصل تھی نہ ان لوازم کو مد نظر رکھ کر انہوں نے اپنے ناٹک لکھے تھے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انگلستان میں، شکسپیر کے بعض کھیل، جب تکلف اور اہتمام سے کھیلے گئے ہیں۔ اور سٹیج کی آرائش اور زرق برق کا بہت خیال رکھا گیا ہے پھر بھی، ان باتوں کے ذریعے، نہ تو کردار کی فطرت کے انکشاف میں کوئی مدد ملی نہ ان سے مطلب کے ذہن نشین ہو جانے کے سلسلے میں نئے راستے کھلے، بلکہ بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ دیکھنے والوں کی توجہ اس آرائش، اہتمام، تکلف اور بناوٹ کی طرف ایسی بٹ گئی کہ اصل یعنی شکسپیر کا ڈرامہ، ایک ضمنی سی بات ہو کر رہ گیا۔ یعنی بارات کی شان بڑھ گئی اور دولہا میاں پیچھے رہ گئے۔ بیتاب حشر اور احسن کے کھیل بھی ان تکلفات کے محتاج نہیں ہیں۔ فریبکاری، اور نقل کو اصل بنا دینا در حقیقت ایکٹر کے کمال فن کا کرشمہ ہے اور ہندوستان کے اچھے ناٹک لکھنے والے اس نکتے سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ ہمیشہ اس بات کو ملحوظ رکھتے ہیں کہ ایکٹر ہی اپنی حرکات و سکنات، انداز کے ذریعے، مکالمے اور گفتگو کی اہمیت اور معنی خیزی کے تمام پہلو روشن کر دے گا، یہی وجہ ہے کہ اگر سٹیج ناٹک کو گھر بیٹھ کر پڑھا جائے تو وہ لطف نہیں آتا جو انہیں سٹیج پر دیکھنے میں آتا ہے۔ بیری نے اپنے ڈراموں کے مطبوعہ ایڈیشنوں میں ہدایات کی تفصیل اور پس منظر کے بیان سے وہی کیفیت پیدا کرنی چاہی ہے جو ایکٹر حرکات و سکنات اور انداز کلام سے سٹیج پر

پیدا کرتا ہے۔ لیکن پھر بھی بات پوری طرح نہیں بنتی۔ جو ناٹک البتہ سٹیج کے لئے نہیں لکھے جاتے ان میں اس قسم کی ہدایات اور تفصیلات سے پڑھنے والے بے نیاز نہیں ہو سکتے کیونکہ یہی تفصیل ایسے ناٹکوں میں ایکٹر کی ذہانت کا بدل بن جاتی ہے۔

پچھلے دنوں سینما کو جو حیرت انگیز کامیابی ہوئی ہے اس کی بنا پر کہا جا رہا ہے کہ ناٹکوں کا دور ختم ہوا۔ میرے خیال میں یہ بات غلط ہے۔ سٹیج پر جو ڈرامے کھیلے جاتے ہیں۔ ان کے دیکھنے والوں اور ان کے دکھانے والوں یعنی ایکٹروں کے درمیان بے تکلفی کا سا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے ہر طرح ایکٹروں سے قریب تر ہوتے ہیں۔ یہ بات سینما میں نہیں ہو سکتی کیونکہ لینز [illegible] Dimensions ہی ہوتی ہیں۔

یہ بات بھی ہمیشہ مد نظر رہنی چاہئے کہ ناٹک، دراصل سٹیج ہی کی پیداوار اور سٹیج ہی کے سہارے سے زندہ ہیں۔ اور سٹیج کی کامیابی کا دار و مدار دیکھنے والوں کی تعلیم اور ذہنی تربیت پر منحصر ہے۔ اگر دیکھنے والے، ناٹک دیکھنے کے لئے قریب نہ جائیں تو ظاہر ہے کہ ناٹک کا خدا حافظ ہے۔ جوں جوں ہندوستان میں تعلیم عام ہوگی۔ اور ذہنی تربیت نئے سانچوں میں ڈھلے گی میرے خیال میں ناٹک کو فروغ ہوگا۔ سینما کا چراغ آپ سٹیج کی بہاروں سے کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن سینما کی آندھی بھی سٹیج ناٹک کے دیئے کو گل نہیں کر سکتی۔

(بہ اجازت آل انڈیا ریڈیو۔ لاہور)۔

باری

ہندی آریہ فلسفہ

ہندی آریوں کے عقلی دور (۱۰۰۰ ق م سے ۲۰۰ ق م) میں کپل اور گوتم بودھ کی ہستیاں بہت نمایاں ہیں۔ ایک فلسفی تھا اور دوسرا مصلح۔ ایک نے فلسفے اور دوسرے نے اصلاح سے انسانوں کی خدمت کی۔ فلسفی صرف فلسفے تک ہی محدود رہا۔ اس نے صرف غور کرنے والوں سے مخاطب کیا۔ مصلح نے ایک نیا مذہب قائم کیا۔ کپل عمر بھر فلسفیانہ سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ وہ گوتم بودھ سے سو سال پہلے پیدا ہوا۔ اس کے نام پر جو بستی آباد کی گئی گوتم بودھ اسی میں پیدا ہوا۔ کپل دنیا کا پہلا فلسفی ہے جس نے فلسفے کو تحریری صورت میں پیش کیا۔ اس نے عقلیت کی بنا پر بڑے بڑے پیچیدہ مسئلوں پر غور کیا۔ وہ اپنے فلسفے کو سانکھیا سوتر میں پیش کرتا ہے۔ اس کے فلسفے کا مقصد انسان کو ہر قسم کے دکھوں سے نجات دلانا ہے۔ وہ قربانی کی ویدک رسموں کو نہیں مانتا۔ اس کے نزدیک انسان کی نجات گیان اور دھیان (علم و فکر) میں ہے۔ وہ اس تصور کو نہیں مانتا کہ تمام روحیں روح کل کے اجزا ہیں۔ اس کے نزدیک ہر روح کی ہستی الگ الگ ہے اور ہر روح نجات پانے کے بعد اپنی اسی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھے گی۔ اس کے نزدیک "روح کے سوا ہر چیز مادی ہے۔ نہ صرف عناصر، حواس اور اعضائے فعل مادی ہیں۔ بلکہ نفس، شعور اور ذہن بھی مادے ہی کے نتائج ہیں"۔ وہ تین قسم کے ثبوت کا قائل ہے۔ ادراک، استخراج اور تصدیق۔ وہ کسی ایسی شے کا قائل نہیں جو ان ثبوتوں سے باہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خالق کا قائل نہیں۔ وہ عقلیت کا قائل ہے۔ "ہر وجود کی علت ہے کیونکہ کوئی وجود علت کے بغیر نہیں ہو سکتا"۔ وہ روح کے سوا باقی تمام اشیا کو مادی کہتا ہے اور تمام مادی اشیا کے سرچشمے کو "ابتدائی مادہ" (پراکرتی) کا نام دیتا ہے۔ وہ روح کے وجود کو مادے سے

الگ تسلیم کرتا ہوا روح کل کا قائل نہیں بلکہ بہت سی روحوں کا قائل ہے۔

دوسری صدی قبل مسیح میں پتانجلی نے کپل کے فلسفے میں خدا کے تصور کا اضافہ کر کے یوگ کا فلسفہ پیش کیا۔ کپل کے نزدیک روح صرف گیان اور دھیان ہی سے نجات پا سکتی ہے یعنی جسم کی آخری قید سے آزاد ہو سکتی ہے۔ پتانجلی نے اس نجات کے لئے جو ریاضت وضع کی اسے یوگ کہا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا کی طرف لو لگانے ہی سے روح کو جسم کی قید سے ہمیشہ کے لئے رہائی مل سکتی ہے۔ پتانجلی مشرقی ہندوستان کے ایک شہر گونارد کا رہنے والا تھا۔ اس کی زندگی کا بہت سا حصہ کشمیر میں کٹا۔

نیائے (منطق) کا بانی گوتم اپنے ہم نام گوتم بودھ کا ہمعصر تھا۔ کپل نے فلسفے کی بنیاد رکھی اور گوتم نے منطق کی۔ اس کی "نیائے سوتر" منطق کی پہلی کتاب ہے۔ پتانجلی کی طرح منطقی گوتم نے بھی کپل کے اس اصول کو مان لیا کہ "ہر شخص کی روح جدا جدا ہے۔ اور یہ روح جسم اور مدرکات سے الگ علم کا ایک مقام ہے ہر انفرادی روح لامتناہی اور ابدی ہے"۔ لیکن گوتم نیائے سوتر میں کپل کے فلسفے میں اضافہ کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "روح عظیم ایک ہے۔ وہ ابدی علم کا مقام ہے یہی روح عظیم ہر چیز بنانے والی ہے"۔ اس کے نزدیک ہر فعل نیکی یا بدی کی علت ہے وہ کہتا ہے کہ روح کی نجات کا انحصار فعل پر نہیں بلکہ علم پر ہے وہ نیائے میں صغریٰ اور کبریٰ (سلوجزم) کے ذریعہ استخراج کرتا ہے۔ اس کا سلوجزم پانچ اجزا سے مرکب ہے:۔

۱۔ پہاڑی کو آگ لگی ہوئی ہے۔

۲۔ کیونکہ وہاں سے دھواں نکلتا ہے۔

۳۔ جہاں کہیں سے بھی دھواں نکلے وہاں آگ ہوتی ہے۔

جیسے رسوئی۔

۴۔ پہاڑی پر سے دھواں نکل رہا ہے۔

۵۔ اس لئے وہاں آگ لگی ہوئی ہے۔

گوتم کے سلوجزم کے پہلے دو یا آخری دو اجزا مٹا دیئے جائیں تو ارسطو کا سلوجزم بن جاتا ہے۔

کناد کا ویشیشک ذریت پر مبنی ہے۔ ذریت سے مراد یہ ہے کہ ہر مادی چیز، مٹی، پانی، آگ، ہوا کو فضائی ذروں اور روشنی کو روشن ذروں سے مرکب بتاتا ہے۔ اس کے نزدیک ذرات ابدی ہیں۔ اور ذروں سے مرکب اجسام مادی صرف منتشر ہونے کی صورت میں فنا ہوتے ہیں۔ آخری ذرہ مرکب نہیں بلکہ مفرد ہے۔ کناد کا ویشیشک فلسفہ کم اور طبیعیات زیادہ ہے۔ ہندوستان کے ان فلسفیوں نے مادے، حرکت، اجتماع اور انتشار کے قوانین وضع کئے۔ سارے ہندی آریہ فلسفے میں مادے کو ازلی اور روح سے الگ مانا گیا ہے۔ صرف ویدانت یہ تسلیم کرتا ہے کہ مادہ ایک ایسی روح عظیم کا مظہر ہے جو اپنے اندر سب کچھ رکھتی ہے۔

کپل کے فلسفے نے بہت سے مفکروں کو اپنشدوں کی تعلیم سے دور ہٹا دیا تھا۔ عوام بدھ مت میں شامل ہو کر ذات پات اور ویدک رسموں سے نکل چکے تھے۔ چنانچہ اس دور میں اپنشدوں کی عالمگیر روح کے مسئلے کو زندہ کرنے کے لئے فلسفے کے دو نئے اسکول جاری ہوئے۔ جنہیں میمانسا کہا جاتا ہے۔ جیمنی، پوروا میمانسا میں ویدک رسموں کے احیا پر زور دیتا ہے، ویاس، اتر میمانسا میں عالمگیر روح کی تعلیم دیتا ہے۔ اتر میمانسا کو ویدانت بھی کہا جاتا ہے۔ ساتویں صدی میں کمارل بھٹ نے پوروا میمانسا کو پھر سے زندہ کیا اور نویں صدی میں شنکر اچاریہ نے ویدانت کے فلسفے کو غالب کر دیا۔ ویاس اتر میمانسا میں کپل کے سانکھ (سانکھیا)، پاتنجل کے یوگ اور کناد کے ویشیشک کا رد پیش کرتا ہے۔ ویدانت کی رو سے "دنیا کا وجود، قرار، اور فنا خدا کے بس میں ہے۔ تخلیق اسی کے ارادے سے ہے۔ وہی دنیا کے بنانے کا مادی سبب ہے، وہ فاعل بھی ہے اور فعل بھی، وہ عظیم الشان ہستی تنہا ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں"

کنہیا لال کپور

دعوت میں بات کرنے کا سلیقہ

ہر دعوت میں عموماً دو طرح کے لوگ شرکت کرتے ہیں۔ وہ جو کھاتے کم ہیں اور باتیں بہت کرتے ہیں۔ اور وہ جو کھاتے بہت ہیں اور باتیں کم کرتے ہیں یا بالکل نہیں کرتے۔ اول الذکر جماعت میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے بغیر شہر کی کوئی دعوت دعوت کہی ہی نہیں جا سکتی۔ مثلاً رؤسا وکلا اور تجار۔ اور موخر الذکر جماعت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو دعوت کرنے والے کے دوست یا رشتے دار ہوتے ہیں۔ یا جنہیں زندگی میں ایک آدھ بار کسی دعوت میں شرکت کا موقع ملتا ہے۔ ان دونو جماعتوں میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ پہلی جماعت تقریباً ہر دعوت میں موجود ہوتی ہے۔ کیونکہ دعوتوں میں شامل ہونا اس جماعت کا مستقل شغل ہے۔ اس جماعت کے افراد ایک خاص انداز سے بات کرتے ہیں۔ مثلاً دعوت کے شروع ہونے سے پہلے اس اخباری نمائندے کی ضرور مزاج پرسی کرتے ہیں۔ جسے ان برگزیدہ ہستیوں کی فہرست تیار کرنی ہوتی ہے جو دعوت میں شریک ہوئیں۔ چہل قدمی کرتے ہوئے یہ اس نمائندے کے پاس چپکے سے جا کھڑے ہوتے ہیں۔ اور صاحب سلامت کے بعد یوں گویا ہوتے ہیں

"کہیئے صاحب! کیا حال ہے، کبھی نظر ہی نہیں آتے۔ کبھی کوٹھی پر آئیے نا، بہت مصروف ہیں کیا؟ اچھا سنو، چیف ایڈیٹر کب بن رہے ہو۔ بھئی کل کی اشاعت میں تمہارا مضمون پڑھا بخدا لطف آگیا۔ ایسی پختگی ہم نے کسی جرنلسٹ کی تحریر میں نہیں دیکھی۔ ظالم تم تو بات بات میں نکتے پیدا کرتے ہو۔ اچھا بھئی یہ بتاؤ دیوان ہرچند داس کچھ تمہاری مدد کر سکتے ہیں۔ میرے نہایت عزیز دوستوں میں سے ہیں کہو تو ان سے تمہاری سفارش کروں۔ اچھا بھئی کبھی کبھی ملا کرو۔ آخر اتنی مصروفیت بھی کیا؟"

جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کا نام اپنی ڈائری میں محفوظ کر لیا ہے۔ تو نہایت گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور اگر موقع محل مناسب ہو تو بغلگیر ہونے میں بھی عار نہیں سمجھتے۔ سر سے یہ بوجھ اتارنے کے بعد ادھر ادھر گھومنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ صرف اپنی جماعت کے افراد سے بات چیت کرتے ہیں۔ اور دوسری جماعت کے لوگوں کی طرف یوں گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ جیسے کہہ رہے ہوں "تم جیسے رینگنے والے کیڑوں کو اس دعوت میں آنے کا کیا حق ہے"۔

عموماً دعوت کے شروع ہونے سے پہلے ان لوگوں کا دل پسند موضوع سیاست یا تجارت ہوتا ہے۔ ایک دوست سے کہیں گے "میرے خیال میں تو نئے آئین کی بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ کانگرس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ ہونا مشکل ہے۔ کم از کم مجھے جو اطلاعیں ملی ہیں ان سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے"۔ دوسرے سے پوچھیں گے "بھنا دیجیے رائے بہادر صاحب، نئی کمپنی کی رسم افتتاح کب کر رہے ہیں بھئی آج کل تو کمال کر رہے ہو ہر مہینے ایک نئی کمپنی قائم کر دیتے ہو۔ اچھا تو کہیئے کیا امکانات ہیں اس نئی انڈسٹری کے۔ اگر آپ ڈائرکٹر ہیں تو ضرور حصے خرید دوں گا"۔ تیسرے سے یوں ہم کلام ہوں گے "بڑا چار سو بیس ہے۔ لوگوں کو سبز باغ دکھا کر روپیہ لوٹنا اس کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ دیکھئے کہیں اس کی باتوں میں نہ آجائیے گا"۔

کھانے کی میز کے سامنے بیٹھ کر ان کی گفتگو کا موضوع اکثر اپنی ذات یا "وہ بیماری" ہوتی ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔

"چائے لیجئے"

"نہیں صاحب شکریہ۔ ڈاکٹر ایکس (X) نے چائے بند کر رکھی ہے"

"تکلیف کیا ہے؟"

"کچھ نہیں، ذیابیطس نے پھر آن دبایا ہے۔ آج کل انجکشن

لے رہا ہوں"۔

"یہ تو آپ کی پرانی شکایت ہے"۔

"جی ہاں۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر زیدی کے علاج سے کچھ افاقہ ہوا تھا۔ پھر تھوڑی سی بدپرہیزی کر لی۔ اور پرسوں سے تکلیف بڑھ گئی"۔

"آپ ہومیوپیتھک علاج کیجئے۔ دس برس ہوئے مجھے بھی یہی شکایت تھی۔ میں نے ڈاکٹر ایم (۲۸) سے مشورہ کیا۔ انہوں نے ایک ہومیوپیتھک دوا تجویز کی۔ یقین مانیے ایک ہفتے میں بالکل تندرست ہو گیا"۔

"سچ"۔

"جی ہاں"۔

"آپ چاہیں، تو ابھی ان سے آپ کا تعارف کرا دوں۔ وہ بیٹھے ہیں اس کونے میں۔ وہ جو کنکھیوں سے میری طرف دیکھ رہے ہیں"۔

"رس گلا کھائیے"۔

"نہیں صاحب، شکریہ! حکیم کل بھوشن نے ہر قسم کی مٹھائی سے پرہیز کرنے کو کہا ہے۔ آجکل ذرا ہاضمہ خراب ہے"۔

"میر کو نہیں جانتے آپ؟"

"جی جانتا ہوں لیکن فنش میں"۔

"تکلیف زیادہ ہے کیا؟"

"اجی کیا کہوں، کھانا کھانے کے بعد اس شدت سے درد کا دورہ پڑتا ہے، کہ چیختے چیختے بیحال ہو جاتا ہوں"۔

"حکیم وارث شاہ سے مشورہ کیجئے، پیٹ کی بیماریوں کے تو ماہر ہیں"۔

جب یہ لوگ بیماریوں کے متعلق باتیں کرتے کرتے تنگ آ جاتے ہیں تو منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ذاتی امارت یا شان و شوکت کے ذکر میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔

"میرا خیال ہے، مسوری میں جو کوٹھی ہے وہ بیچ دوں۔ اور شملے میں دو کوٹھیاں بنا لوں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"نہیں آپ نے غلط سنا۔ میں انگلینڈ نہیں امریکہ جا رہا ہوں۔ امریکہ میں چائے کی تجارت کے کافی امکانات ہیں چائے کے ساتھ ساتھ ایک تمباکو کی کمپنی قائم کرنے کی بھی کوشش کر رہا ہوں۔ امریکہ میں ان دنوں صرف دو چیزوں کی کھپت ہے۔ چائے اور تمباکو"۔

"اب تو کہیں ہوائی جہاز سستے ہوں تو دو ایک خرید لوں موٹروں سے تنگ آ گیا ہوں۔ یہ والد کراچی موٹریں بھی کوئی موٹریں ہیں۔ بیل گاڑیاں ہیں۔ ایک گیلن میں صرف دس میل۔ "قسمت" دو ہفتے انجر پنجر ڈھیلے ہو جاتے ہیں"۔

"جی ہاں! آج کل ایک منٹ کی فرصت نہیں۔ اگلے مہینے لڑکی کی شادی ہے۔ بڑا خرچ ہو رہا ہے۔ دس ہزار کی تو صرف ساڑھیاں آئی ہیں۔ پندرہ بیس ہزار موٹر کار کے لئے چاہئیں۔ اور زیورات "آفت" اویلا پیٹ جائیگا۔ لیکن بھئی کیا کریں، اکلوتی لڑکی ہے۔ اور سمدھی ہیں دیوان کرناری لال جہیز میں پچاس ہزار نہ دونگا تو ساری شیخی کرکری ہو جائے گی"۔

اب ذرا دوسری جماعت کی طرف آئیے۔ اس میں طرح طرح کے لوگ شامل ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جنہیں کسی دوست نے ازراہِ خیرات دعوت میں بلوایا ہے۔ اور جو بھیگی بلی بنے ہوئے اس طرح بیٹھے ہیں۔ جیسے ابھی کوئی کان سے پکڑ کر انہیں دعوت سے نکال دیگا۔ کچھ وہ ہیں جو ہر بیٹھے آدمی کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے ہیں۔ اور سرگوشی کے انداز میں اپنے ساتھیوں سے بار بار پوچھ رہے ہیں: "کیوں صاحب.... یہی ہیں نا خاں بہادر آصف علی"۔ "کیوں صاحب۔ وہ لمبی داڑھی والے گھٹے گھٹے سر والے کون ہیں۔ کہیں یہی تو نہیں مولوی ابراہیم"۔ "اچھا تو یہ پنڈت جمنا داس ہیں۔ میں سمجھا پنڈت گنگا دھر ہیں"۔

اس جماعت میں بیشتر لوگ گفتار کے نہیں کردار کے غازی ہوتے ہیں۔ ان کی تمام تر توجہ کھانے پینے کی چیزوں پر مرکوز ہوتی ہیں۔ آپ نے ان سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے آپ کی بات سُنی اَن سُنی کر کے آہستہ سے فرمایا: "سنبوسوں کی پلیٹ ذرا ادھر سرکا دیجئے"۔ آپ نے پوچھا: "مزاج تو اچھے ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا: "تکلیف معاف اگر آپ رس گلے نہیں کھا رہے تو ادھر دیدیجئے"۔

عموماً یہ لوگ آپس میں باتیں کرنے کی بجائے کھانا کھلانے والے نوکروں سے کرتے ہیں۔

"چائے اور لانا"۔ "بھئی۔ دیکھو دودھ پھر ختم ہو گیا"۔ "بھئی ہم نے پکوڑے نہیں گلاب جامن منگائے تھے"۔ "کیوں بھئی اس میز پر سرور

نا غلطی کیوں ہے۔ تین گھنٹے سے کیک کیک چلا رہے ہیں۔ کوئی سنتا ہی نہیں۔"

ان دو جماعتوں کے علاوہ ایک چھوٹی سی جماعت صنفِ نازک کی ہوتی ہے۔ اس جماعت کی گفتگو کے موضوعات نہایت محدود ہوتے ہیں۔ مثلاً لباس، زیورات، منگنی، شادی۔

"بہت خوبصورت بارڈر ہے بہن۔ کہاں سے خریدا؟"

"یہ وہ بمبئی سے لائے تھے۔ ادھر پنجاب میں نہیں ہوتا۔ بالکل نیا سٹائل ہے۔"

"کیوں بہن آشا کی منگنی کر دی؟"

"ابھی کہاں، کوئی اچھا سا گھر ملے تو کر دیں۔ تم ہی بتاؤ نا۔ برادری میں کوئی لڑکا۔"

"بہن آشا کی عمر بیس سال تو ہوگی۔"

"نہیں کہاں تمہاری لیلا سے چھ مہینے ہی تو بڑی ہے۔"

"بہن: ذرا سنبھل کر بیٹھو۔ تم نے تو میری ساڑھی کا ستیاناس کر دیا۔"

"ارے یہ آویزے تمہیں ذرا اچھے نہیں لگتے۔ لمبوترے چہرے کے لئے تو لمبے آویزے چاہئیں۔"

غرضیکہ دعوت میں بات کرنے کے یہ مختلف طریقے ہیں۔ لیکن ان میں سے سلیقہ کسی کو بھی نہیں کہا جا سکتا۔ دعوت میں اگر آپ سلیقے سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ تو اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ دعوت میں آئے ہیں، ہسپتال میں تشریف نہیں لائے۔ اس لئے اپنی بیماریوں کا ذکر مت کیجئے۔ نیز یہ مت سمجھ لیجئے کہ دعوت میں اگر سامعین کسی شخص سے گھبراتے ہیں تو وہ باتونی آدمی ہے۔ اکثر دعوتوں میں دیکھا گیا ہے کہ ایک آدھ آدمی یہ تصور کر لیتا ہے کہ باتیں بنانا صرف وہی جانتا ہے۔ اور اگر وہ خاموش رہے گا تو ساری محفل پر مردنی چھا جائے گی۔ اس وہم میں مبتلا ہو کر وہ باتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیتا ہے۔ ابھی مغل آرٹ پر بحث کر رہا ہے۔ تو دوسرے لمحے میں پیاز اور لہسن کے فوائد گنوا رہا ہے۔ گفتگو کا آغاز ہٹلر کے انجام سے کرتا ہے اور تان شباب کے آغاز پر توڑتا ہے۔ حتیٰ کہ سامعین ایک ایک کر کے اٹھنے لگتے ہیں۔ اور وہ خالی کرسیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: "حضرات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں عجیب لوگوں سے پالا پڑتا ہے۔"

باتونی آدمی میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کھانے کی میز کا ڈکٹیٹر Dictator سمجھتا ہے۔ کسی نے اسے ٹوکنے کی کوشش کی، اور اس نے منہ بنا کر کہا: "نہیں صاحب، یہ بات نہیں، دیکھئے میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔" اور پھر جو واقعہ سنایا، تو یہ بالکل فراموش کر گئے۔ کہ جو بات وہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ وہ ثابت بھی ہوتی یا نہیں۔ کسی نے ان پر فقرہ کسا تو ڈھٹائی سے کہنے لگے۔ "صاحب! دراصل آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ ممکن ہے میں ہی مطلب واضح نہیں کر سکا۔ دیکھئے میرا مطلب یہ تھا کہ ......" اب جو آپ نے مطلب کی وضاحت کرنی شروع کی تو سارے معاملے کو یوں الجھا کر رکھ دیا کہ سننے والے سر پیٹ کر رہ گئے۔

باتونی شخص کی ضد وہ سنجیدہ آدمی ہے۔ جسے دعوت میں اس طرح چپ لگی رہتی ہے جیسے وہ دعوت میں شریک ہونے کے لئے نہیں آیا بلکہ خاموش رہنے کی مشق کرنے آیا ہے۔ آپ اس شخص کو ہنسانے یا بات کرنے پر آمادہ کرنے کی لاکھ کوشش کریں وہ گم سم مبہوت بنا بیٹھا رہے گا۔ کبھی کبھار غلطی سے مسکرا دے گا۔ اور مسکرانے کے بعد فوراً پھر سنجیدگی اختیار کر لے گا جیسے اس نے مسکرا کر گناہ عظیم کیا ہے۔ اگر آپ اس سے سوال کریں تو نہایت مختصر الفاظ میں جواب دیگا۔ جیسے بات نہیں کر رہا۔ تار کا فارم پُر کر رہا ہے۔

دعوت میں بات کرنے کا سلیقہ اردو زبان کی طرح "آتے آتے ہی آتا ہے"۔ تاہم جہاں تک تھیوری کا تعلق ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مندرجہ ذیل ہدایات کو مدِ نظر رکھیں۔

(۱) لوگ دعوت میں تفریحِ طبع کے لئے آتے ہیں۔ سردرد مول لینے کے لئے نہیں آتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ شامتِ اعمال سے باتونی واقع ہوئے ہیں، تو لوگوں کے حال پر رحم کیجئے۔ نیز اپنے علاوہ کسی اور شخص کو بھی اس قابل سمجھئے کہ وہ آپ جیسی یا آپ سے بہتر بات کر سکتا ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص ڈینگ مار رہا ہے تو اس سے آپ پر یہ لازم نہیں آتا کہ آپ اس سے بڑھ کر ڈینگ ماریں۔ آپ کا فرض تو صرف اتنا ہے کہ اس کی باتیں سنیں اور دل ہی دل میں مسکرائیں۔

(۳) جب آپ کے منہ میں رس گلا یا گلاب جامن ہو تو بات کرنے کی کوشش مت کریں۔ کیونکہ بعض اوقات یہ فعل نہایت مضحکہ خیز صورت اختیار کر لیتا ہے۔

(۴) دعوت میں کبھار لوگ آتے ہیں۔ اس لئے حتے الوسع بے تکی باتیں کرنے سے احتراز کیجئے۔ مثلاً ایک ہی سانس میں مت کہیئے "سنا ہے بمبئی میں ایک فیکٹری کو آگ لگ گئی، تو آپ کی ہچش کا کیا حال"

ہے میر سے خیال میں آج ضرور بارش ہوگی۔ لیکن آپ تو بالکل گنجے ہوگئے ہیں"

(۵) ان تمام ہدایات کے باوجود اگر آپ دعوت میں سلیقے سے بات نہ کر سکیں۔ تو بہتر ہے کہ آپ خاموش رہیں کیونکہ خاموشی "معنے دارد کہ در گفتن نمے آید" نیز ایک یونانی حکیم نے کہا ہے "مجھے صرف ان باتوں کے لئے ندامت اٹھانی پڑی جنہیں میں زبان پر لایا۔ کاشش کہ میں بولتا کم اور خاموش زیادہ رہتا"

(بہ اجازت آل انڈیا ریڈیو لاہور)

خاص افسانوی ادب کی سہ ماہی کتاب

کہانی

مرتبہ

سہیل عظیم آبادی

اردو زبان کا افسانوی ادب جس تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل صد ستائش ہے لیکن ملک بھر میں کوئی ایسا ادارہ نہیں جو مختلف فنکاروں کی انفرادی کوششوں کو ایک مرکز پر لا کر اس مقبول ترین صنف ادب کا جائزہ لے اور آگے کی طرف رہنمائی کرے۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے "کہانی" کا اجرا عمل میں آرہا ہے۔

کہانی خالص افسانوی ادب کی ایک سہ ماہی کتاب ہوگی جس میں ہر سہ ماہی کے بہترین مطبوعہ اردو افسانوں کا انتخاب ہوگا ہر سہ ماہی میں افسانہ نگاری کی رفتار کا جائزہ ہوگا۔ مختلف مصنفین کے سوانح حیات ہونگے۔ ان کے فن پر تبصرہ اور انکے مخصوص رجحانات کا تجزیہ ہوگا۔ ہندوستان اور غیر ممالک کی مختلف زبانوں کے معیاری افسانوں کا ترجمہ اور ان کے مصنفین کا تعارف ہوگا۔ غرض کہ کہانی صحیح معنوں میں افسانوی ادب کی نمائندہ سہ ماہی کتاب ہوگی۔

کہانی بڑے ڈیمائی سائز کے دو سو صفحات پر کتابی شکل میں شائع ہوا کریگا۔ اور ہر اشاعت کی قیمت دو روپے ہوگی۔

موہن لال شیدا منیجر "کہانی"
جھریا۔ ای۔ آئی۔ آر
بہار

حفیظ ہوشیار پوری

غزل

آنے لگا ہے یاد کوئی بے وفا مجھے
ملنے لگی ہے جرمِ وفا کی سزا مجھے

کچھ اپنی بے حجاب نگاہوں کا تھا قصور
کچھ تیرے التفات نے رسوا کیا مجھے

اب تجھ کو بھول جاؤں میں؟ اچھا یونہی سہی
کس طرح بھول جاتے ہیں یہ بھی بتا مجھے

پائے طلب کی خیر ہو پائے طلب رہے
معلوم ہے خفیفتِ دستِ دعا مجھے

تم کو بھلا چکا تھا بہت مطمئن تھا میں
لو پھر تمہاری یاد نے دھوکا دیا مجھے

تم آگئے تو ذکرِ تغافل بھی آگیا
یہ اور بات ہے کہ گوارا نہ تھا مجھے

کس نے بھلا دیا ہے کسے کچھ خبر نہیں
اب بے وفا کہے گا جہاں اُن کو یا مجھے

وابستہ ایک یاد سے یادیں ہزار تھیں
وہ آگئے تو یاد نہ کچھ بھی رہا مجھے

میرا جنونِ عشق ہے اب تک جنونِ عشق
گر ہو سکے تو اور ابھی آزما مجھے

آئے نہ اس طرح بھی کسی کو کسی کی یاد
ہر اک سے پوچھتا ہوں میں کیا ہو گیا مجھے

بیدادِ حسن داد کی طالب رہی حفیظ
شوقِ جفا نہیں ہے تو ذوقِ جفا مجھے

احمد ندیم قاسمی

لمحہ بہ لمحہ

فرش پہ میٹرو کے لرزاں ہیں سائے رقاصاؤں کے
ذہن میں جیسے گڈمڈ ہو کر ناچیں راز خداؤں کے
چھن چھنا چھن! ـــــ اے محبوبہ! فن پر یہ آوازے کیوں؟
جس کی لَو سے پھول لجائیں اُس چہرے پہ غازے کیوں؟
یوں تک جیسے چاند کی کرنیں، یوں سن جیسے ربِّ قدیر
وقت کے اِس لمحے کا تاثر عالمگیر ہے عالمگیر!

جمنا کی لہروں پہ رواں ہیں قاشیں چاند ستاروں کی
کس منزل کو لپکی یہ نورانی فوج سواروں کی
چپ شپ، چپ شپ! ـــ بانکے مانجھی! تجھ کو تیرے ڈانڈ کی قسم
دھیرے دھیرے، ہولے ہولے، کاٹ یہ ابرو کا سا خم
یوں مُڑ جیسے پھول کی پتی، یوں بڑھ جیسے سرگوشی
وقت کے اِس لمحے کا تقاضا مدہوشی ہے مدہوشی

کھیتوں کی ہریاول پر یہ دھبے ہیں دہقانوں کے
یا گیتی نے اُگلے بوسیدہ تابوت انسانوں کے
سرسر، دھپ دھپ! ـــ اے ہراہی! چھوڑ درانتی توڑ کدال
چاک ہوئی دھرتی کی چھاتی مجھ کو اِس محشر سے نکال

چار طرف سے گھیر چکے ہیں تند خیالوں کے پیچاک
وقت کے اس لمحے کی حقیقت آتشناک ہے آتشناک

یہ کس راجہ کی نگری ہے ڈھانچوں کے انباروں میں
جیسے اِک بلوائی کا گھر لٹے ہوئے بازاروں میں
اُلٹی سانس اُکھتی ہچکی! — اے راہی یہ راز ہیں کیا؟
پچکے پیٹ، دریدہ رانیں! زیست کے یہ انداز ہیں کیا؟
راجہ اُٹھا ڈال کے اپنی مُٹھی میں فردا کا نظام
وقت کے اِس لمحے کا پنجہ خون آشام ہے خون آشام

معصوم اِنساں کے لاشے پر امن کا پرچم لہرایا
استبداد کی بیخ کنی میں استبداد ہی کام آیا
ہاریں استبدادی قومیں، استبداد کی جیت ہوئی
پچھم کی بے رحم سیاست کب پورب کی میت ہوئی
طوفانی یلغاریں کی تھیں مشرق کے بلوانوں نے
مالِ غنیمت بانٹ لیا مغرب کے سیاستدانوں نے!

نومیدی کی دُھند میں غلطاں جگنو احساسات کے ہیں
اوس کے پرّاں قطرے ہیں یا تارے پچھلی رات کے ہیں
جگنو چاند بنے، چکرائے! آپس میں ٹکرانے لگے
جھلمل جھلمل، ڈگمگ ڈگمگ! — ہچکولے سے آنے لگے
موت سے بھڑ جانے کے ارادے اور جینے کی تیاری
وقت کے اِس لمحے کا بلاوا بیداری ہے بیداری

کمال احمد صدیقی

غزل

وہ میری اک نگاہ تیرا شاہکار ہی نہ ہو
کسی حسین زندگی کا اعتبار ہی نہ ہو!

شفق! عروسِ شام کے لبوں کا آتشیں خیال
مہیبِ رات کا فریبِ زرنگار ہی نہ ہو!

سکوں ملا تو کتنی بھولی باتیں یاد آگئیں
سکوں کے بھیس میں بھی تیرا انتظار ہی نہ ہو!

وہ اِک نظر جو تیری سمت بار بار ہی اُٹھی
وہ میری کم نگاہیوں کی پردہ دار ہی نہ ہو!

فضا میں تتلیوں کی نرم مسکراہٹوں کی لہر
چمن کے نام کوئی مژدۂ بہار ہی نہ ہو!

پھوار کے حسین رقص میں نہ آئے زندگی
اگر یہ پتیوں پہ ہلکا سا غبار ہی نہ ہو

عدم

غزل

شام کی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں
یا کسی اودی گھٹا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

ہو نہ جب میکش کوئی ہم مجلسی کو دستیاب
بے دھڑک ہر پارسا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

چاندنی راتوں میں سطحِ آب پر بہتے ہوئے
بادبانِ ناخدا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

بربط و طاؤس کا آہنگ ہی لازم نہیں
لرزشِ موجِ صبا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

راگ کی لہروں میں جب بہتی ہے نادیدہ شراب
مطربِ آتش نوا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

ساقیِ روزِ ازل کا جبر یاد آتا ہے جب
خوئے تسلیم و رضا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

وسعتِ مشرب سمجھئے احساسِ تقدس سے عدم
بارہا اہلِ ریا کے ساتھ پی لیتا ہوں میں

غلام ربانی تاباں

اور اک ساغرِ زہراب سہی

اور اک ساغرِ زہراب سہی
تلخیِ کام و دہن کچھ تو بڑھے
آج سینے کی جلن کچھ تو بڑھے

کتنی بے رنگ ہے بزمِ مستی
قہقہہ اشک و فغاں کچھ بھی نہیں
شمع پروانہ دھواں کچھ بھی نہیں

ڈوبتی جاتی ہے نبضِ احساس
سوزِ نغمہ زنِ ساز نہیں
درد میں لذتِ آغاز نہیں

شام کے سائے ڈھلے جاتے ہیں
بام و دیوار پہ چھایا ہے سکوت
دل سے ذوقِ تمنا مبہوت

اور اک ساغرِ زہراب سہی
تلخیِ کام و دہن کچھ تو بڑھے
آج سینے کی جلن کچھ تو بڑھے

محمد حسن

یادیں

چاندنی یا دھوئیں کی بے چین فضا میں اب تک
زندگی چھیڑ رہی ہے ماضی کے گراں صد پردے
میری جانب کوئی بڑھتا ہی چلا آتا ہے
[illegible] لہروں پہ بکھرائے ہوئے تیور لئے

ایک بہکا ہوا آوارہ و تنہا نغمہ
چاندنی رات کی معصوم اداسی لے کر
کچھ الجھتا ہوا ان نرم و خنک سایوں سے
درد بن کر مرے سینے میں رہا جاتا ہے

مسکراتے ہوئے چہروں نے اٹھائے ہیں نقاب
محو ہوتی ہوئی یادوں نے پکارا ہے مجھے
پھر کسی جام شکستہ میں مچلتی ہے شراب
آج [illegible] بھی زہر گوارا ہے مجھے

سردار انور

رات کو

سلگتی شام کے سائے بجھے! کچھ اور! کچھ اور!
شفق کے بجھتے شرارے بجھے! کچھ اور! کچھ اور!
درخت سو گئے جھونکوں کی لوریاں سن کر
چمن میں اوس کی فریاد جاگ اٹھی ہے

وہ تیرے گیسوئے مشکیں کی نرم رو لہریں
اندھیرا مجھ کو سرکتا ہوا نظر آیا
فلک سے جھانکتے تارے بکھر کے جانے لگے
تھرکتے قدموں کی آہٹ مگر نہیں آتی
اداس رات کی اب تک سحر نہیں آتی

سحر وہ اس کا دمکتا ہوا حسین چہرہ
گداز ہاتھوں میں سونے کی چوڑیوں کی چھنک
نظر میں کھلتے ہوئے شوق کے شگوفے کئی
جبیں پہ خوف کے ہاتھوں سے شبنمی ٹھنڈک

اداس رات میں وہ ایک قہقہہ ہی تو ہے
جو دل سے غم کے دھندلکے کو دور کرتی ہے
تعینات کی دنیا سے جب گذرتی ہے

یہ نکہتوں کی لپیٹ کس طرف سے آتی ہے
یہ کون سرمئی آنچل سے منہ چھپاتی ہوئی
نصیب خفتہ کا شانہ جھنجھوڑتی، بیباک
در آئی ہے مری خلوت میں مسکراتی ہوئی

قیوم نظر

ایک نظم اور ایک گیت

بہار

تمام عمر جس سے میں جھجکتا بھاگتا رہا
وہی نگارِ روزِ شب ـــــ جمالِ آفریں سحر
نئی ادا سے آج پھر چمن میں جلوہ گر ہوئی

ہر ایک برگ و شاخ سے جھلک رہی ہے تازگی
شعاعِ مہر سے لپٹ کے کتنے دانے اوس کے
بنے ہوئے ہیں پارہ ہائے برقِ آتشیں نفس

وہ مجھ سے کہہ رہی ہے دیکھ تو دمیدِ گھاس بھی!
کسی کلی سے لمس کے خیالِ تابناک میں
زمیں کے سینۂ سیہ کو چیر کر نکل گیا

ہزاروں خوش نوا طیور اپنے اپنے رنگ میں
فضا میں پھیلتی صداؤں کو اچھالتے رہے
جنوں کا پیچ ڈال کر اسے سنبھالتے رہے

وہ مجھ سے کہہ رہی ہے دیکھ سرخوشی کے ساز پر
ہوا کی سلوٹوں کس طرح سے موجِ زندگی
مچل رہی ہے، ناچتی ہے، گا رہی ہے بےخبر

وہ مجھ سے کہہ رہی ہے دیکھ وقت پھر گذر نہ جائے

گیت

پون چلی جھومے ہریالی

ناچ رہی ہیں کومل کلیاں
بھونرے کا جی ڈول رہا ہے
پی کی بولی بول رہا ہے
پتہ پتہ ڈالی ڈالی
پون چلی جھومے ہریالی

سندرتا کی پھوٹیں کرنیں
دور ہوا پاپی اندھیارا
مہکانے نکلا جگ سارا
من کے چنچل باغ کا مالی
پون چلی جھومے ہریالی

سوکھ چکے ہیں اوس کے موتی
آشاؤں کا پھیلا جادو
لے ہی گیا آنکھوں سے آنسو
آ ہی گئی پھر رُت متوالی
پون چلی جھومے ہریالی

لطیف لاہور

منظر سلیم

ارادہ

رات کی بات مری جان کوئی بات نہیں
حادثے جو شبِ ہستی کے بیت گئے بات رہی
شوخ کم سن لیے شبستاں میں تری انگڑائی
ٹوٹے ہوئے تاروں کی گذرگاہ بنی
تجھ کو معلوم ہے کس طرح حسین نیندوں نے
آہنی کانٹوں کی آغوش میں دم توڑا ہے
ان گنت خوابوں کو پیمانوں کو افسانوں کو
لڑکھڑاتے ہوئے قدموں نے کچل ڈالا ہے
گرم ہاتھوں نے محبت سے نبھائے اکثر
سونگھتے سونگھتے پھولوں کو مسل ڈالا ہے
تیری جبیں ہی تو آخر دہ جوانی ہوگی
جس کو انگڑائیاں لینے کی بھی فرصت نہ ملی

رات کی بات مری جان کوئی بات نہیں
اور ٹوٹے ہوئے تاروں سے نفرت ہے مجھے
میری ہمدم یہ کشاکش یہ ندامت کیسی
میں نے تجھ سے تو کسی بات کا شکوہ نہ کیا
تو ابھی سو کے اٹھی ہے تری انگڑائی میں
اک نیا روپ نیا رقص ہوا ہے پیدا
اس نئے روپ نئے رقص کی تقدیر نہ سوچ
خواب کو یاد نہ کر خواب کی تعبیر نہ سوچ
بات کا ٹھکرایا ہوا انجام نہیں
کچھ بھی سہی موت کا پیغام نہیں

مسعود شاہد

جاؤں میں

اور کچھ دور سہی لوٹ کے جانا ہی تو ہے
اتنی مسافت دور تو پہلے نہ کبھی آیا تھا
دور ہی دور بڑھا آتا ہوں تھمتا ہی نہیں
اب نہیں جاؤں گا میں ایک قدم بھی آگے
اب جو جاؤں گا تو بس لوٹ کے آنے کے لئے

پہلے کچھ دور بھی آتے ہوئے ڈر لگتا تھا
ہر قدم ایک تذبذب کا قدم ہوتا تھا
لیکن اب آگے بڑھوں پیچھے مڑوں آگے بڑھوں

اب وہی میں ہوں کہ چلتا ہوں چلا جاتا ہوں
اب قدم بڑھتا ہے جس سمت بڑھا جاتا ہے
اب قدم اٹھتا ہے اک بار تو رکتا ہی نہیں
آنا آسان تھا اب جانا بہت مشکل ہے

مجھے یقین آ گیا ہے کہ نہ جاؤں میں کا ہو کر
ایک دن آنے ہی والا ہے کہ یہ منزل بھی
پیچھے رہ جائیگی ہاں دور بہت دور بہت
ابھی پھر لوٹ کے آنا مجھے مشکل ہوگا

سوچتا ہوں کہ یونہی منزلیں طے کرتے ہوئے
میں خدا جانے کسی وقت کہاں جا پہنچوں
اور رہ جاؤں وہیں جیسے منزل ہو کوئی

سجاد حیدر

روٹھ گئے دکھیارن کے پی

روٹھ گئے دکھیارن کے پی ڈھونڈ رہی ہوں اب گلی گلی
انگ انگ میں آس ملن کی جیسے باس ہو کلی کلی
بھر بھر پریم اگنی کی لاٹوں میں میں پاپن جلی جلی
پل پل گونجت ہیں کانوں میں پی کی باتیں بھلی بھلی
روٹھ گئے دکھیارن کے پی۔

سُکھ سنسار کے سُندر سپنے سو گئے ساجن آہ سسک
چاہت چین کے چنچل چھینٹے چھاگل سے گئے چھلک چھلک
نیند ہارے نین بیاکل بتیاں بھرم گنوائیں پلک پلک
جاگ جاگ کٹتا ہے جیون مندھ گئیں انکھیں جھپک جھپک
روٹھ گئے دکھیارن کے پی۔

تھوڑے دن کی پریت کرن کو کیوں آئے تھے کھڑے کھڑے
من میں جوت جگا کر بالم! اب رہتے ہو پرے پرے
نین بھکاری تجھ بن پیتم! ایسے رہتے ہیں بھرے بھرے
سہمے سہمے ساون میں ہوں جیسے بادل ڈرے ڈرے
روٹھ گئے دکھیارن کے پی۔

لطیف انور

قطعات

ہر نفس حسرتِ گفتار سہی
جس طرح بن پڑے گا جی لوں گا
تو جو حق بات سُن نہیں سکتا
اے زمانے میں ہونٹ سی لوں گا

اے زمانے نہ مجھ سے برہم ہو
تیرا ہر ظلم سہہ لیا میں نے
جب زباں پر کوئی گلہ آیا
اپنے دل ہی سے کہہ لیا میں نے

قافلہ زندگی کا دم لے گا
وقت کچھ اور بیش و کم لے گا
خود پکارے گی منزلِ مقصود
جب زمانہ مرے قدم لے گا

سوچتا ہوں مآلِ نغمہ و گُل
ہاتھ ڈالے ہوئے گریباں میں
میں ترے انتظار ہی میں رہا
پھول مُرجھا گئے گلستاں میں

بیگم ف الف

تالیاں

"اچھا! یہ تو حسینی بوا چلی آ رہی ہیں۔ آج کدھر راستہ بھول پڑیں۔ ایک دیوار بیچ گھر اور تم یوں دنوں غوطے لگا جاتی ہو۔"

حسینی بوا دروازے ہی سے واری قربان ہوتی چلی آ رہی تھیں۔

"خدا اس گلے پر ندوے کر دیں۔"

"بیگم قربان جاؤں۔ فرصت ہی تو نہیں۔ نگوڑا پیٹ کا دھندا تو تھا ہی، کوئی آٹھ دن سے میرے تو اسے تپ کر بخار آ رہا ہے۔"

حسینی بوا کی آواز سن کر گلشن ماما باورچی خانہ سے لپکتی ہوئی آئی "میرا کرتا لائیں بوا۔ دیکھو تو کتنے دن ہو گئے۔"

"لو بی یہ اور سنو۔ ارمانہ سلام نہ خیر نہ خبر۔ اس مردار کو اپنے کرتے ہی کی پڑی ہے۔" حسینی بوا نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"کیا کریں دیکھو اس کرتے کی بھیریں لگ گئیں۔ پھر بھی تم نے ابھی تک نہ سیا۔" گلشن نے تیز ہو کر کہا

"چل خندی" حسینی بوا نے ناک سکیڑ کیا۔ "اٹھا لا اپنا کرتا۔ مجھے نہیں سینا۔ ایک تو ان نگوڑیوں کا کام کرو۔ اوپر سے دھونس سہو۔ نا بابا۔"

بیگم بات کاٹ کر بولیں "ہو گا ہاں یہ بتاؤ اب تمہارا نواسہ کیسا ہے؟ اے اچھی طرح بیٹھو۔ برقعہ تو اتار دو سر سے۔"

"اب تو اچھا ہے۔ بس کل ہی کی تو باری ٹلی ہے۔ (ادھر ادھر دیکھ کر) بڑا سناٹا سا ہے۔ منجھلی صاحبزادی کہاں ہیں؟"

"لو! وہ تو اپنے گھر خیر سے سدھار گئیں۔"

"اے ہے! مجھ کمبخت کو تو دیکھو میں صاحبزادی سے مل بھی نہ سکی۔ بیوی ان کی دلائی تو میں نے تیار کر دی تھی۔ صرف ذرا ٹانکنا رہ گیا ہے۔ سنجاف پر دھنک کی چڑیاں ڈال دی ہیں۔ خبر ہو جاتی تو وہ بھی ٹانک ٹونک کر دلائی بی کے حوالے کرتی۔"

"آ! حسینی بوا ہیں۔ سلام بوا۔" سامنے والے دالان سے آواز آئی۔

عروسی رنگ دلہن دو دھیلی سلگ پر توں ہو۔

بیگم نے کہا "بڑی دلہن یہاں تو آؤ۔ سنو وہ اپنا جالی والا دوپٹہ ان کو دے دو اور لچکا اور مسالہ بھی دے دو۔ یہ تیار کر سکیں گی تو ان کی بیٹی امانی خانم ان سے کچھ کم ہنرمند نہیں ہیں۔ تمہارا دوپٹہ بہت ہی کیل اور بہار دار تیار ہو جائے گا۔"

"ہاں ہاں دلہن بیگم دیکھ دکون کون سا گوٹا مسالہ منگوایا ہے میں خود بھی تمہیں جوڑ لگا کر بتا دوں گی۔"

نزہت اور ریحانہ دوڑتی ہوئی آئیں۔ "منطلانی بی ہماری گڑیا کے کپڑے کب سیئیں گی۔ نہیں بھئی ہماری گڑیا کے کپڑے سی دو تم بہت دنوں میں آتی ہو۔"

"اللہ توبہ، یہی گڑیا نگوڑی انسانوں سے زیادہ بھلی۔ لو مجھے پوری بات بھی نہ سننے دی۔ (دوسری طرف مخاطب ہو) دلہن مقیش مزید منگوا لینا۔ مگر دیکھنا اس کا تار لکھنؤ کا ہو نہیں تو۔۔۔"

"اتنے دنوں سے کہہ رہے ہیں کہ ہماری گڑیا کی شادی ہے۔" ریحانہ بات کاٹ کر بولی۔

"بیگم دیکھنا۔ یہ بچیاں تو منہ نوچے لیتی ہیں۔ توبہ۔ توبہ توبہ۔"

"تم یہ کھیل نہیں بتاتیں کب ہو گی۔" ریحانہ ٹھنک کر بولی۔

"لو دیکھو یہ سب لچکا مقیش۔ چکی وغیرہ ہے۔" دلہن نے صندوقچی حسینی بوا کے سامنے رکھ دی۔

"بولو کب سیئیں گی۔" ریحانہ نے پھر وہی جملہ دہرایا۔

"اے کیا دیکھوں۔ میں نگوڑی تو بالکل بھولی جاتی ہوں وہ تو یہ آج کل تالیاں۔ (کانوں پر ہاتھ رکھ کر) اس مارے کچھ بھی سمجھ نہیں آتی۔"

بیگم نے ڈانٹ بتائی "نزہت کیا بات ہے۔ کیوں بوا"

سے گذری جاتی ہو۔ وہ تم لوگ ہو۔ میں سلائی مشینوں کی تسلی کرتا ہے کے پڑے ہیں"

"بیگم انہیں خود سینا چاہئیں۔ گڑیوں ہی سے سینا پرونا آتا ہے لڑکیوں کو۔ بڑی ہو کر سیکھو۔"

یک نہ شد دو شد اتنا ادھر سے بڑی دلہن کے نیچے کو لئے ہوئے آ پہنچیں۔

"بھابھی سلام۔ تم تو بہت دن میں چمکیں؟"

"اللہ جڑا۔ پہلے تو۔ (ناک سکیڑ کر) اللہ مارن کیا بو اٹھ رہی ہے جوتی کہیں کی ——"

"تم تو برا مان گئیں۔ میں نے تو پوچھا۔ میری لونڈیا گوڑی پشواز پہنے پھرتی ہے۔ اس کا غرارہ سی دو تو اچھا ہے۔"

"یہ پوچھنے کی بات کیا ہے۔ سلے تو دے دی۔ سی دوں گی میں۔"

"ہے کہ نہیں آگئی منہ چاٹنے۔ میں تو دو گھڑی کو بیگم کو دیکھنے چلی آئی۔ بات تک نہیں کرنے دیتیں نگوڑی ماریاں —— اور سنیں تو ہاں جاؤ بی تم اپنا اپنا کام دیکھو۔ ابھی قربان کا ذرا سا بیار ہے۔ ہاں" حسینی بوا کچھ اور سلگنا دو —— بیگم نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"بیگم۔ اللہ رکھے ڈپٹی صاحب کتنے دن سے دیکھے نہیں؟"

"وہ تو دورے پر گئے ہیں کہو تمہاری چھوٹی بیٹی کا کیا حال ہے کیسی ہے؟"

"زندہ ہے بیوی۔ حال کیا وہی خاوند نگوڑے کا رونا ہے۔"

"کیا کہتی ہو،" بیگم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "خدا بیٹیوں کا نصیب اچھا کرے۔"

"بس بیگم سب میں بڑی بات یہی ہے —— اسے دیکھو نا بیوی نگوڑی شبراتن بھی چلی دو دن میں چٹ پٹ ہو گئی۔ ننھے ننھے بچے چھوڑے ——!"

"اے یہ کب،" بیگم نے حیرت سے پوچھا۔ "رنج ہوا۔ بہت بے زبان تھی نگوڑی۔"

"ہاں بیوی۔ سائیں کے سو کھیل۔ جو چاہے سو کرے۔"

ایک بڑھی سی بیوی تسبیح پڑھتی ہوئی۔ بیگم کے پاس آن بیٹھیں بیگم نے کہا "مسماۃ شبراتن بیچاری مر گئی۔"

"اے ہے۔ کیا ہوا تھا اُسے؟" پھر تسبیح کے دانوں پر انگلیاں پھیرنے لگیں۔

حسینی بوا نے سینکڑوں شکنیں اپنے چہرے پر ڈال کر کہا "بس کیا کہوں ——"

"خیر بیوی۔ اللہ بچائے —— ہاں یہ تو بتاؤ اب تمہیں فرصت کب ہو گی۔ تمام سلائی پڑی ہے۔ حسنہ بیگم کی خیر سے شادی ہے نا؟"

"میں صدقے گئی بیگم کب ہے شادی؟" حسینی بوا نے اپنا چوڑا دہانہ پھیلا کر کہا۔

"اگلی عید تک۔"

"بس بیگم یہ تھا پندرہ دن سمجھو۔ پھر فرصت ہی فرصت ہے۔" پھر اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ادھر ادھر گھما کر بولیں "اے ہاں چھوٹی دلہن کہاں ہیں کیا میکے گئیں؟"

"حسینی تمہارا یہ چندرانا مجھے تو زہر ہی لگتا ہے۔" دو اخرین نے ہاتھ مٹکا کر کہا۔ "بڑھی ہو گئیں۔ جان بوجھ کر بھولی بنتی ہیں۔ بیچاری ننھی نادان۔"

"اے غورن! میں نے کہہ دیا۔ ہاں۔ مجھ سے بڑھ بڑھ کر نہ بولا کرو۔ اپنے بوڑھے چوچلے اپنے ہی پاس رکھو۔ مجھے نہیں بھاتے چندرا تی ہو گی تم۔ پڑی بیچاری راہ دا۔" حسینی بوا کا پارہ تیز ہو گیا۔

"میں کیوں کرنے لگی تھی چوچلے تم سے۔ مجھے کیا پڑی ہے۔" طورن بوا نے تنک کر جواب دیا۔ "بات کبھی نہیں جڑتا اور تم تو جیسے مرچیں لگ گئیں نازو کے۔"

"دیکھو طورن۔" حسینی بوا نے تلملا کر پاٹ دار آواز گلے سے نکالی "میرے منہ نہ لگنا۔ بات بڑھ جائے گی نہیں تو سمجھیں تو تمہارے لگتی ہیں۔ میرا آنا بیگم کے پاس بس قیامت ہے۔ تم کو تو کوئی دوسرا سہاتا ہی نہیں۔"

"ارے کیوں لڑتی ہو آپس میں۔ چپ ہو جاؤ دونوں تم ہی۔" بیگم نے کہا۔

"ہاں سب [illegible] آپس ہی میں ملتا ہی نہیں۔ بے بات کی ہر [illegible] ہر [illegible] ـــــ اُونہہ!" یہ کہہ کر آپا اپنی طرف چلی گئیں۔

حسینی بوا چھوٹی دولہن اپنے کمرے میں دولہا کے پاس پہونچیں۔ چھوٹی دولہن نے آہستہ کہا۔

"[illegible] بوا نے اچھا کے [illegible]

"اے [illegible] گر بوڑی مرد کے [illegible] ہر دم لگا رہنا۔ یہ اچھا نہیں۔ مرد کا دل الگ بھر جاتا ہے۔ عورت کو الجھن ہوتی ہے سوالگ ـــ نگوڑی [illegible] ہے ـــ [illegible] تنگ جاتے ہیں سو الگ۔ کیا بتاؤں۔ بچیاں بیٹھی ہیں رقیہ [illegible] کو نہیں دیکھا۔ کیسے کیسے جاڑے چلے۔ پھر کیا وقت ہو جاتا ہے۔"

"اے بے تو میاں اُن کو بلاتے تھوڑی تھے۔ اپنا پیار کیا [illegible]۔ وہ تو کبھی ہماری ہوئی تھی ہو گئی" ـــ خوبن پھر بول پڑیں۔ "میں کب کہتی ہوں بہن۔ زیادہ سباقہ [illegible] بڑے لوگ تنگ جاتے ہیں۔ ہم تو بیوی یہ ہی بڑی بوڑھیوں سے [illegible] آئے۔ الله ان بیگم کو رکھے ان کی ساس کو ان باتوں کا بڑا لحاظ تھا۔ بیٹوں کی کیا مجال جو گھر میں زیادہ ٹھہر سکیں۔ وقت سے آنا وقت سے جانا ـــ"

"جب کی کیا بات تھی" خوبن بولیں "وہ شرم تھی۔ بڑے بوڑھیوں کا خیال تھا"

"اں سچ کہتی ہو" حسینی بوا نے تائید کرتے ہوئے کہا "آج کل کی عورتیں [illegible] تو جل گیا گھونٹا"

"سچا" بڑی دولہن نے ہنس کر کہا "مردوں کو کچھ نہیں کہو گی"

"ہاں ہاں کیوں نہیں" حسینی بوا نے گردن مٹکائی "مرد بھی بے شرم ہوتے ہیں"

"مجھے تو بوا اس کا خیال نہیں۔ نئی عمریں ہیں۔ نیا زمانہ ہے" بیگم نے بے پروائی سے کہا۔

"بیوی نئی عمریں وقت بے وقت سے سبکی ہوتی ہیں۔ اپنا آپا ڈھا گیا [illegible] کہیں گے جنم جنم کر ـــ بیگما کے [illegible] کیا [illegible] ہے۔ کچھ دن مر ہو گیا۔ نگوڑا پیلا سم

ہو کر رہ گیا" حسینی بوا نے بڑی متانت سے کہا۔

"خدا بچائے ایسی عورتوں سے بوا" بیگم بولیں "بہتوں کو تو مردوں کا بڑا دھڑا ہوتا ہے۔"

"اے بیوی میں بتاؤں" حسینی بوا [illegible] بیٹھتے ہوئے بولیں "خدا بخشے مرزا جی کو، اہی لپیٹ کر کی تھا، کہتیں۔ میں کہتی ایسا چاہئے والا خاوند کل جہان کی بیٹیوں کو ملے۔ ایک دفعہ جینے کیسا جی میں آئی مجھ سے کہنے لگے کہ نیک بخت کبھی گھڑی دو گھڑی میرے پاس جم کر بیٹھا کرو۔ آخر میں بھی تو انسان ہوں۔ بس بیوی (بوا پچر سے پان کی پیک پر چھتے ہوئے) اتنا کہنا تھا پھر آگ تو ہماری زبان میں سر ہی تو ہو گئی۔ میں نے کہا سنو مرزا جی جم کر پاس بیٹھنے والیاں کوٹھوں پر ملتی ہیں کہ تمہارے پیچھے مردوں کے ساتھ گل چھرے اڑائیں۔ میں کیا جانوں یہ سب باتیں گھر میں بیٹھنے والی بچاری گرہست میرے پیچھے خدا رکھے بچوں کا بھی تو دھندا تم نے ہی لگا دیا ہے اور گھر گرہستی کے سینکڑوں کام پکانا ریندھنا۔ سینا پرونا۔ تمہارے آرام کا خیال تم تھکے ماندے کام سے آؤ گے کو دو گھڑی چین ملے۔ یہ تو نہ ہو اور میں ہر وقت تمہارے سر پہ سوار رہوں۔ عورت نہ ہوئی ہتھنی ہوئی واہ۔ واہ۔ وا۔ ابھی کبھی تم [illegible] عورتوں کی قدر کیا جانو۔ عورت مٹ جائے۔ مگر تم لوگوں کے [illegible] بھاویں ہی نہیں۔ چلو رہنے دو۔ مجھ سے یہ نہ [illegible] لگائی" بہن کر جتنا جی چاہتا چلے چلا جاتا ہے ـــ ارے میرا تمہارا تو آخیر تک کا ساتھ ہے۔ اے بیوی اس کے بعد مرتے مر گئے اُس جنت کے میاں نے کبھی زبان نہ کھولی۔ کہنے کو وہ ہر دم و پرستش خدا تھے۔ تندرست توانا ایسے کہ چہرے [illegible] ٹپکتے تھے۔ اے خوبن بہن دیکھا تھا نا تم نے [illegible] چاہے بڑھاپے میں بھی آج کے جوانوں سے [illegible]"

خوبن [illegible] آنکھیں گھما کر کہا "ہاں [illegible]"

[illegible] "[illegible] کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "جب یہ دولہا نے تھے کیا حسن کیا نور ٹپکتا تھا واہ" اور حسینی بوا کی بوڑھی آنکھوں میں چمک [illegible] آگئی

گے لونڈوں کو دیکھو چڑھتی جوانی اگال پچکے۔ اجڑی ہوئی رنگتیں۔ رنگ نہ روپ پھٹکار مارے۔ اے توبہ!!" مرزا جی کے دولہا بننے کے تذکرے پر سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں کہ اتنے میں خوبن اُنگلی نچا کر بولیں "ڈھنڈو کو بڑھاپے میں سنک آ رہی ہے" پھر بات کا رخ بدل کر کہنے لگی "بات یہ ہے حسینی بڑے آدمیوں کی بڑی بات ہوتی ہے۔ پیسہ ہے روپیہ ہے۔ سو طرح کے آرام ٹھاٹھ"

"اور کیا بوا!" حسینی بولیں "غریب دکھیا یہ چوچلے کیا جانے۔ اُسے تو پیٹ کی مار ہی ایسی ہوتی ہے سب چوکڑیاں بھول جاتی ہے۔"

خوبن نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا "بس تو؟"

"اے نہیں بوا ایسی غریب امیر کیا لائے"۔ بیگم جو ابھی تک ڈلی کتر رہی تھیں اور ان دونوں کی باتیں زیرلب مسکراہٹ کے ساتھ سن رہی تھیں بولیں "یہ تو اپنی اپنی طبیعت ہے۔۔ اپنے ڈپٹی صاحب کو دیکھو۔ زیادہ وقت اُن کا باہر ہی گذرتا ہے" اور پھر حسینی کو مخاطب کرتے ہوئے بولیں "تم جانتی ہو ماموں ابا کا کاروبار سب باہر ہی تھا۔ کچھ یہ نہ تھا کہ ممانی اماں پھوہڑ تھیں یا بے ڈھنگی تھیں؟"

"نہیں بیگم، بھلا آپ کی ممانی اماں کا کیا رعب۔ واہ کیسے ڈھنگ اور سلیقے کی بیوی تھیں۔ سبحان اللہ۔ ہزاروں میں ایک۔"

بھئی سنو۔ بیگم نے کہا "آج کل کی لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ ہم جتنا اپنے میاں کے ساتھ رہیں گے، بیوی خواہ میری بیٹیاں ہوں یا پرائی اُتنا ہی میاں کو ہمارا خیال ہو گا۔"

خوبن نے کہا "میری بیگم یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔"

"اے تو کیا بڑی بیگم ہو گئیں آپ کی ممانی اماں ہوئیں۔ خدا بھلا کرے سینکڑوں بیویاں ان آنکھوں نے دیکھیں۔ میاں کی وہ وہ چاہتیں کہ نظر لگے بیویوں کے موئے پھٹتے تو ہم نے دیکھا پیا کو سر پہ سوار آٹھوں پہر نہ دیکھا۔ ساس نندیں ہو گئیں تو خیر نہیں تو نگوڑا گھر والا اوندھا پڑا ہے۔ تو یہ تو گھر والیوں کی حالت نہ ہوئی ــــ نگوڑی چہروں کی رونقیں اُڑی ہوئی ــــ!!"

"حسینی بوا بات یہ ہے کہ زیادہ باہر رہنے سے مرد بے چین ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے تو آج کل کی عورتوں نے قابو میں رکھنے کے لئے یہ ڈھنگ رچایا ہے"۔ بڑی دلہن نے ذرا شوخ لہجہ میں کہا۔

"دلہن بیگم صدقے گئی کیا کہتی ہو۔ عورتوں کے روکے کہیں مرد بچہ رکا ہے۔ چاہے تو سب کچھ گھر بیٹھ کر ہی کر سکتا ہے۔ ــــ اور یوں تو میری بنو کونسی کشش ہے جس میں تنکا نہیں۔ ہزاروں چاہنے والے خاوندوں کو دیکھا نہ چاہنے والوں کو بھی دیکھا ان تم ہی بیویوں کے گھروں کے رنگ روپ دیکھے پڑے ہیں۔ مگر ڈھنگ سلیقہ ہر بات میں ہونا اچھا ہے میری بچی!!"

"ہاں بھئی سچ کہتی ہو۔" بیگم نے کہا۔

اتنے میں وفاقی ملازم لڑکا باہر سے بیگم صاحبہ کے پاس آیا اور کہنے لگا "بیگم صاحب، بڑے صاحب نے کہا ہے کہ وہ کھانا باہر ہی کھائیں گے۔ دو صاحب اور اُن کے ساتھ ہیں۔"

"تو دلہن جاؤ دیکھو باورچی خانہ میں جا کر۔ تمہارے میاں باہر ہی کھانا کھائیں گے۔"

"جی ہاں ٹھیک ہے۔ میں کھانا بھجوا دوں گی"۔ دلہن وہاں سے فوراً ہی جانا نہیں چاہتی تھیں۔

"آپ نے سن لیا دلہن بی صاحب۔ میں جاؤں؟" وفاقی نے ناک سڑکتے ہوئے اور انگلیاں چٹخاتے ہوئے کہا۔

"چل دور ہو موئے ایک رٹ لگا دی۔ سن لیا۔ سن لیا۔" منہ چڑا کر حسینی نے کہا۔

"تم سے کون بول رہا ہے حسینی بوا یوں ہی" ــــ وفاقی کسمسایا۔

"مجھ سے کیا بولے گا موت پڑے ــ گنوار"۔ حسینی کو جیسے اُس سے للہی بغض ہو۔

"واہ جی واہ یوں ہی ناحق کو گالیاں دے رہی ہو۔ ہیر پھیر میں۔" یہ کہہ کر وہ جانے لگا تو خوبن بول اُٹھیں۔

"اے وفاقی سن رے۔ تیری بھابی پھوپھیوں کا سایہ تھا نا اُس کی بیٹھک کب ہوگی؟"

"مجھے نہیں پتا" وفاقی نے جل کر جواب دیا اور باہر چل دیا۔

"اے ہے کمبخت سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ تیرا کالا منہ
تو بی کیا مُنّا سا لڑکا ہے۔ خاک پڑے اُہنہ !!"
"کیا کہہ رہی ہو خوبن!" حسینی نے دریافت کیا پریوں کا
سایہ! اے کس پر"
"اس کی بہن منظو ہے نا" بیگم بولیں۔
"اے بیگم کہاں پریاں کہاں منظو۔ ارے اُس کے چہرے
کی بیر بھی نہ کھائے۔ نگوڑی مترودی چرغ۔ ڈھونگ ہے
ڈھنگ۔ پریاں اور جنات ایسی سڑانڈیوں پر تو بہت آ گئے۔
ہاں بھوت پریت ہو گا جنتی پر"
"حسینی تم باتیں ایسی کرتی ہو جی جل جاتا ہے۔ کیا حسن والوں
ہی پر جنات آتے ہیں۔ میری پھوپھی تو معمولی رنگ روپ کی عورت
ہیں، بیگم صاحبہ! مگر اُنہیں آخر جنات لے ہی گئے۔ ہزار
ار تعویذ گنڈے ہوئے کوئی ملا اور سیانا نہ بچا پردہ نہ سکے
گئے"
بیگم نے کہا "ہاں وہ اُنہیں تو کوئی شا پسند آ جائے
"

"یہ میں کب کہتی ہوں" حسینی بولی جیسے ہار مان لی ہو "مگر
تو بیگم پریوں کے لائق نہیں۔ میرے رشتہ کی نند ولایتی خانم
ہیں۔ تم جانو مغل بچی رنگ جیسے میدہ اور شہاب سیان کھاتیں
پیک گلے میں دکھتی، جنات ایسے عاشق ہوئے، ایسے عاشق
کہ دنیا کو حیرت تھی۔ اور پھر ایک دن خوب زور دار کی
سی آئی۔ اندھیر گھپ (ٹھنڈی سانس بھر کر) اللہ تیری پناہ!
جو وہ بیٹھے ہی بیٹھے غائب۔ سارا گھر سارا محلہ پڑوس
ان مارا۔ وہ نہ تھیں نہ ملیں۔ تو اللہ ہی بچائے ان
بڑوں سے یہ بہت برے ہوتے ہیں" اور پھر رازدارانہ لہجہ
کہنے لگیں "تمہارے اس گھر میں بھی کچھ ہے"
بیگم نے حیرت سے حسینی کا منہ دیکھا اور بولیں کیا کہتی ہو"
ہا تو کچھ بھی کبھی نہ معلوم ہوا"
حسینی بوا بولیں "بیوی مجھے تو معلوم ہوتا ہے میں نے تو اپنی

کانوں سے آوازیں سنی ہیں"
اُدھر سے خوبن بولی "کیا جناتوں کی آوازیں۔ اللہ کی سنوار
سننے والی کا بھی بڑا دیدہ ہے۔ ہے ہے میرے تو بدن کے رونگٹے
کھڑے ہوتے ہیں"
حسینی بوا نے کہا "بہن مجھے تو کئی مہینے ہو گئے یہ سب
دیکھتے سنتے۔ تم جانو میں تو راتوں کو کتنی کتنی مرتبہ اُٹھتی ہوں گھنٹوں
پڑی جاگا کرتی ہوں۔ چھوٹی دلہن کی چھت سے میری چھت ملی ہوئی
ہے۔ ایک دیوار بیچ ہے۔ اذانوں کے وقت بھی تو آوازیں
سنائی پڑتی ہیں"
"اے حسینی بوا مجھے تو خود حیرت ہے۔ میں نے کبھی کوئی
آواز کوئی کھٹکا یا پرچھائیں نہ دیکھی آج تک" بیگم نے کہا۔
کندن چھوکری کی جو شامت آئی تو وہ بول پڑی۔
"کیا ہے کو بوا ہم بھی تو دلہن بی کی چھت سے لیکر چوتھی
چھت پر سوتے ہیں۔ تم بھی ایسی باتیں کرتی ہو!"
"چل مردار تو کیا سنے گی۔ بھینس سی پیر پھیلا کر سوتی ہے میں
تو نمازوں کے لیے اُٹھتی رہتی ہوں"
"ہو گا بوا ہمیں نہیں معلوم" کندن غریب یہ کہہ کر چپ ہو گئی۔
"نہیں بیگم یہ ہی آوازیں ایک دفعہ اور بھی میں نے سنی تھیں۔
وہ جب بڑی صاحبزادی اور ان کے دولہا میاں رہتے تھے مگر
میں نے جب دھیان نہیں کیا۔ بات آئی گئی ہوئی۔ اور تمہاری
خلیا ساس مقبول بیگم صاحبہ وہاں رہیں۔ روزہ نماز ہوتی رہی
تو کوئی ذرا بھی کھٹکا نہ تھا۔ اب پھر جب سے چھوٹی دلہن رہنے
لگیں۔ پھر وہی آوازیں آنے لگیں"
بیگم بات تو کچھ ٹھیک سی ہے۔ خوبن نے کہا "چھوٹی
دلہن بچاری پیلی پڑتی جاتی ہیں۔ دشمنوں کو کچھ اثر دھر جائے۔
اُسے تو کیا آوازیں ہیں حسینی! جنات باتیں کرتے ہیں۔ اوئی بیوی۔"
"نہیں بیوی باتیں کیسی ہیں۔ ایسی چٹاخ، چٹاخ تالیاں بجتی
ہیں۔ کہ میں کیا بتاؤں" اور حسینی ہاتھوں سے تالیاں بجا کر کہنے
لگی "اے ہے میرے ہاتھوں میں کمبخت زور بھی تو نہیں۔ اس

سے کبھی آ وانہ دارث

اے بوا تمہارے کان بجتے ہوں گے۔ تالیاں کہاں بجیں گی۔ کتنی ان تو بے فضول باتیں شکیا کر۔ میں نے اکیلی نے سنا ہے دسیوں بار تو میرے نواسے نے مجھے بتایا کہ دیکھو تالیاں پٹ رہی ہیں۔ اب تو وہ ڈر کے مارے میرے پاس ہی لیٹتا ہے اور ــ اے ری دلہن بی آگئیں۔ میں سمجھ گئی۔ اے بچی تمہارے کمرے پر مجھے تو جنات معلوم ہوتے ہیں۔ وہاں نہ سویا کرو بیٹی؟

نہیں کیسے معلوم ہوا" چھوٹی دلہن بولیں "تم نے تو کبھی کچھ نہیں دیکھا۔"

"ارے وہ سنو! ابھی تین مہینے سے تو روز رات کو کتنی بار تالیاں پٹتی ہوئی میں خود سنتی ہوں اور میرا نواسہ بھی سنتا ہے کہو رات تو مرے دس بھی نہ بجے تھے کہ چٹاخ چٹاخ آوازیں آنے لگیں۔ توبہ میرا دل تو دہشت سے اڑا جاتا ہے۔ وہ تو یہ کہو سورہ جن کی دو چار آیتیں یاد ہیں پڑھ کر حصار باندھ لیتی ہوں"

چھوٹی دلہن کا پیلا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھوں کے پپوٹے کلا ہو کر بوجھل پڑ گئے۔

ہنس راج رہبر

حرکت

فضل دین نے بیٹھے بیٹھے انگڑائی لی اور اِدھر اُدھر دیکھ کر سامنے اُگی ہوئی مٹی کی ڈلی کو دیکھنے لگا۔ مٹی ہی کی ڈلی تھی یہ شاید شاید کا لفظ اس کے ذہن کے کسی نامعلوم گوشے میں چھپا ہوا تھا۔ اور اسے یوں کھٹک رہا تھا جس طرح کسی کی آنکھ میں معمولی بہت ہی معمولی سا تنکا پڑا ہو۔ جو درد کا باعث بھی نہ ہوا۔ اور وہاں اسکی گنجائش بھی نہ ہو۔ آنکھ ذرا مل دی اور بس۔ وہ بھی تو اس ڈلی کی طرف دیکھ کر سوچ لیتا تھا مٹی ہی تو ہے۔ ٹھوس، ساکن اور جامد لیکن اس کا رنگ مٹی کا نہیں مٹھا جیسا ہے۔ نانگا تصور شاید کو پھر نمایاں کر دیتا تھا۔ اس دفعہ اس نے ایک کنکر اٹھایا، شست باندھی لیکن نشانہ چوک گیا۔ اب وہ حیران تھا کہ نوبی کا نشانہ چوک کیوں جاتا ہے۔ سامنے بیٹھے بیٹھے مورچے سرکئے تھے۔ وہ ہر ملکے محاذ پر لڑتا رہا۔ اس نے جاپانیوں کو بھاگتے دیکھا تھا۔ دشمن اس کی گولیوں کی بوچھاڑ سے پناہ مانگتے تھے۔ اسکے خطا نہ ہونے والے نشانوں کی داد چینی سپاہی بھی دیتے تھے۔

چینی سپاہی! کتنے اچھے تھے۔ وہ کس ہمدردی سے پیش آتے تھے اس کے ساتھ۔ ان میں سے ایک اس کا گہرا ساتھی بھی بن گیا تھا۔ اس کا نام تھا کچھ چن من ٹن سا، اب یاد نہیں آتا۔ لیکن اس کی صورت آنکھوں میں گھوم رہی تھی: چپٹی ناک، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئیں۔ درمیانہ قد، سڈول جسم۔ کتنا ہنس مکھ تھا وہ۔ سبھی چینی بڑے ہنس مکھ اور زندہ دل تھے۔ معمولی بات پر ہنستے تھے۔ کسی جاپانی کو ہلاک کر کے یہ ہنسی قہقہوں میں تبدیل ہو جاتی تھی۔ جسم کا ہر عضو خوشی کے مارے اچھلنے لگتا تھا۔ ہر ایک چینی سپاہی جاپانی خون کا پیاسا تھا۔ وہ اس قدر جان توڑ کر لڑ رہا تھا جیسے لڑنا اس کی فطرت ہو۔ اور وہ لڑنے کے لئے ہی پیدا ہوا ہو۔ خلوص، بہادری اور جاں نثاری کا پتلا۔ ایک مرتبہ فضل دین نے چن من سے جو اس کی زبان سمجھ اور بول سکتا تھا کہا تھا: "مجھے چینی سپاہیوں کی جیسی پھرتی اور مستعدی اور کہیں نظر نہیں آتی۔"

"اس کی ایک وجہ ہے" چن نے جواب دیا تھا۔

"کیا تمہیں تنخواہ زیادہ ملتی ہے؟"

"..... تنخواہ نہیں دوست!" چن اس طرح ہنس دیا تھا جس طرح کوئی بزرگ ایک بچے کی بات پر ہنس رہا ہو۔ "چینی سپاہی اپنے دیش کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔"

یہ الفاظ فضل دین کے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ اس کے احساس پر چوٹ لگی۔ رگِ حمیت پھڑک اٹھی۔ قومی غیرت بیدار ہو گئی۔ اسے اپنے سوال پر ندامت محسوس ہوئی۔ ہم ہندوستانی تنخواہ کے لئے لڑتے ہیں۔ ہم آزاد نہیں ہیں۔ تبھی تو یہ گورے اور کالے کا امتیاز ہے۔ انہیں تنخواہ اچھی ملتی ہے۔ خوراک اور پوشاک اچھی ملتی ہے۔ وہ لڑنے میں اس سے پیچھے رہتے ہیں۔ مگر افسر بنائے جاتے ہیں۔ کیوں؟ کیونکہ وہ آزاد ہیں۔

گورے سپاہیوں کا سلوک اور ان کی بہت سی باتیں فضل دین کے ذہن میں کانٹوں کی طرح کھٹکنے لگیں۔ ان میں اور اس میں کوئی بھی بات مشترک نہیں تھی۔ وہ یوں بے اعتنائی سے اس کی طرف دیکھتے تھے جیسے وہ کوئی چیز ہی نہ ہو۔ چیونٹی اور تنکے سے بھی حقیر۔ ایک مرتبہ اسے امریکن سپاہیوں کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا تھا۔ جتنی تنخواہ اسے مہینہ بھر میں ملتی ہے انہوں نے اسی قدر رقم دو دن میں چائے اور کھانے میں اڑا دی تھی۔ ہر وقت جو آتے جو آتے بکاتے تھے۔ کھاتے تھے اور ڈکارتے تھے تبھی تو ان کی گالوں پر سرخی ہے۔ جسم پر گوشت کی موٹی موٹی تہیں چڑھی ہیں، اور وہ؟ —— وہ بھی تو اچھی تنخواہ، اچھی خوراک اور کپڑا مفت۔ ایسی باتیں سن کر فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ اس وقت ان الفاظ کا حسن ایک دم ماند پڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دیباتک دیو ناچ رہے تھے۔ کیا وہ تنخواہ واقعی اچھی تھی؟ دو دن کی چائے اور ایک ماہ کا خون پسینہ۔ ایک مول ایک تول۔ یہ تقابل کتنا بھیانک تھا۔ وہ

ڑھے گھر منتقل کر دیا گیا۔ پھر جنگی سپاہی کے الفاظ "تنخواہ نہیں دیتے؟ ہم اپنے وطن کی آزادی کیلئے لڑ رہے ہیں۔"

اور پھر اس تنخواہ سے بھی کیا بن گیا تھا؟ اس کی اپنی بھوک مٹی تھی نہ گھر والوں کی۔ وہ چالیس روپے جیسے گھر بھیجتا تھا۔ بوڑھی ماں باپ تین بہنیں اور منجھلا بھائی۔ کیا بنتا تھا چالیس روپے میں۔ لوگوں کی زمینوں میں ہزاروں من غلہ پیدا ہوا۔ اناج کے نرخ بڑھے۔ جن کے پاس زیادہ زمینیں تھیں انہوں نے زیادہ منافع اٹھایا اور مالدار ہو گئے۔ لیکن ... لیکن ان کی زمین؟ زمیندار نے ان کی زمین بہت پہلے ہتھیا لی تھی۔ صرف ان ہی کی کیوں، کتنے ہی لوگوں کی زمینیں زمیندار کے قبضے میں چلی گئی تھیں۔ لوگ چلتے ہوتے چلے گئے تھے۔ زمیندار پھولتا چلا گیا تھا۔ ڈیڑھ سو بیگھے میں سے صرف پانچ بیگھے زمین ان کے پاس رہ گئی تھی۔ یہ سب زمین زمیندار کے پاس کیسے چلی گئی؟ آج فضل دین کے دماغ میں یہ سوال آپ ہی آپ ابھرا تھا۔ لیکن پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے پہلے اس مسئلہ پر کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ سوچ نہیں سکتا تھا۔ یہ تو ایک اٹل حقیقت تھا دن اور رات کی طرح۔ ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ لیکن اب ...... اسے ایک حقیقت کا انکشاف ہو چکا تھا۔ اور یہ حقیقت بہت ہی بھیانک تھی۔

وہ چار سال کے بعد گاؤں لوٹا تھا۔ اپنے کئی ساتھی اور اپنے امریکی بہت سی پرانی باتیں میدان جنگ میں چھوڑ آیا تھا۔ اب وہ فضلا نہیں تھا۔ دو چار بڑے بوڑھوں اور دو ایک لنگوٹیے یاروں کے سوا اسے کوئی فضلا نہیں کہتا تھا۔ سب فضل دین کہتے تھے۔ اس کے لئے گاؤں بدل گیا تھا۔ ماحول بدل گیا تھا۔ اگرچہ کھیت وہی تھے، درخت وہی تھے۔ انہیں دیکھنے کا زاویہ بدل گیا تھا۔ اس نے جنگ سے لوٹنے کے بعد جب پہلے دن ہل کی ہتھی ہاتھ میں لی تھی تو جہاں اس کا پانچ بیگھے کھیت ختم ہوتا ہے وہاں رکنے کو اس کا جی نہیں چاہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لمبی آڑ کھینچے۔ جتنا کھیت وہ جوت سکتا ہے اتنا اس کے پاس ہو۔ لیکن آگے زمیندار کی حد تھی۔ یہ حد کیوں تھی؟ یہ حد کیا ہے؟ پہلے اس کے کھیت کی حد بہت پرے تھی۔ یہ سکڑ کر قریب کیوں آ گئی؟ اب پھر پھیل کر دور تک جا سکتی ہے۔ اس کی نظر میں حد و د کا تصور مٹ چکا تھا۔

پہلے وہ اپنے کھیت پر محنت محنت کرتا تھا۔ اناج پیدا ہونے پر ہر فصل کا لگان چکاتا تھا۔ یہ بھی نہیں سوچتا تھا کہ یہ لگان کیوں لیا جاتا ہے، اور کہاں جاتا ہے؟ اسے سوچنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ محنت کرنا اور پیٹ بھرنا اس کا کام تھا۔ اپنے کھیت سے گذارہ نہ ہوتے دیکھ کر وہ دوسروں کی چاکری بھی کرتا تھا جو کچھ ملتا تھا اسی پر اکتفا کرتا تھا۔ قسمت کا لکھا سمجھ کر صبر کر لیتا تھا۔ لیکن اب ..... اب اس کی بھوک اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ قسمت کو بھی نگل سکتی ہے۔ صبر کا لفظ زندگی سے خارج ہو چکا ہے۔ اسے اپنا حصہ چاہیئے، حق چاہیئے۔ وہ جتنا بھی اس بات پر سوچتا ہے اس کی بھوک زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ خلا بڑھ رہا ہے۔ اس خلا کو پر کرنے کے لئے زبردست آندھی — زبردست طوفان درکار ہے۔

ہوائی جہازوں کی گونج، توپوں کی دھائیں دھائیں اور بموں کے دھماکوں نے اس کے دل کا سکون چھین لیا۔ جمود کی موٹی تہ کو توڑ دیا ہے۔ اس کے اندر ہل چل مچی ہے۔ اضطراب ہے بے چینی ہے۔ روز بروز تلخیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ میدان جنگ میں اسے صرف غیروں سے گلہ تھا۔ گوروں سے امتیازی سلوک کیوں روا رکھا جاتا ہے۔ امریکن سپاہیوں کو تنخواہ زیادہ کیوں ملتی تھی۔ لیکن جب جنگ سے لوٹ کر آیا تو اسے اپنوں سے بھی گلہ پیدا ہو گیا۔ گاؤں کے ذیلدار کا لڑکا عبد الشکور اس کے ساتھ ہی جنگ میں بھرتی ہوا۔ اس کے ساتھ ہی لڑتا رہا اور اس کے ساتھ ہی لوٹ کر آیا۔ ان دونوں کے کاغذوں پہ لکھا تھا کہ انہیں دوسری جگہ کام مل جائے گا۔ اور ڈسچارج کرنے والے افسر نے کام دلانے والے دفتر کا پتہ بھی بتایا تھا۔ وہ سڑکوں کی خاک چھان کر دفتر کے افسر سے لڑ جھگڑ کر چلا آیا تھا۔ کسی نے اس کی ایک نہ سنی تھی۔ لیکن عبد الشکور پولیس میں بھرتی کر لیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کچھ دنوں میں تھانیدار بن جائے گا۔ وہ لڑنے میں اس سے اچھا نہیں تھا جسم اور صحت میں بھی اچھا نہیں تھا۔ پھر اس کے ساتھ رعایت کیوں؟ وہ ذیلدار کا لڑکا ہے سا انہیں افسروں تک رسائی حاصل ہے۔ اس کے لئے بڑے وزیر کی سفارش حاصل کی گئی۔ یہ وزیر اور ذیلدار اسکی راہ کے کانٹے ہیں۔ ورنہ شکور جیسا مریل آدمی اس کے مقابلہ میں ہیڈ کنسٹیبل کیسے بن جاتا۔

اور وہ یہیں بیٹھا ہے۔ اپنے کھیت میں جس کی حدود اس قدر تنگ ہو گئی ہیں کہ اس کی ہستی کا پھیلاؤ اس کے اندر کا خلا اب اس میں سما نہیں سکتا۔ اس میں اتنا اناج پیدا نہیں ہوتا کہ اس کا اور اس کے کنبے کی گذران ہو سکے۔ کیا یہ سکڑی ہوئی حدیں پھر سے پھیل نہیں سکتیں؟ اس کی نگاہیں شیشم کے ایک بڑے درخت پر جاکر اٹک گئیں۔ یہ درخت بہت پرانا تھا۔ شاید اس کے دادا نے لگایا تھا۔ اس کی جڑیں کھوکھلی ہو گئی تھیں۔ ٹہنیوں کو خوراک خاطر خواہ نہیں پہنچتی تھی۔ اس نے جنگ سے لوٹ کر باپ سے کہا تھا کہ اب اسے کٹوا دیا جائے تو لکڑی کام میں آئے گی اور اس کی جگہ دوسرا درخت لگ سکے گا۔ لیکن باپ کو اس درخت سے پیار تھا۔ اس نے اس کے ٹھنڈے سائے میں جوانی کے دن گذارے تھے۔ اس لئے کہہ دیا نہ رہنے دو بیٹا۔ بزرگوں کی یادگار ہے۔ کبھی آپ ہی گر جائیگا"۔

اس کے قریب ایک دوسرا درخت تھا۔ جب وہ جنگ میں بھرتی ہو کر گیا تو وہ ابھی پودا ہی تھا۔ لیکن اب وہ اچھا خاصا درخت بن گیا تھا۔ اس کی شاخیں پورب، پچھم، اتر، دکن ہر طرف پھیل گئی تھیں۔ اس کی پتلی پتلی ٹہنیوں پر نرم و نازک ہرے ہرے پتے بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔ فضل دین اس درخت کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اور چہرہ ایک نوزائیدہ کونپل کی طرح ملائم ہو گیا۔ جیسے وہ کوئی اچھوتی اور بڑی بات سوچ رہا ہو۔ ہاں وہ سوچ رہا تھا: "اسے ابھی اور بڑھنا ہے۔ اور پھیلنا ہے۔ تناور درخت بننا ہے"۔

اس خیال اور اس کی اپنی شخصیت میں ایک چیز ہم آہنگ تھی۔ ورنہ ایک انسان ایک درخت کے ارتقاء پر اس قدر خوش کبھی نہیں ہو سکتا۔ ارتقاء کی عظمت اس کی رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ اور یہی عظمت اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ کا موجب تھی۔

ہاں اس کی اپنی شخصیت میں بہت سی شاخیں پھوٹی تھیں۔ جو پورب، پچھم اور اتر کو پھیل رہی تھیں۔ اب وہ برطانیہ، امریکہ، روس جرمنی اور جاپان بہت سے ملکوں سے واقف تھا۔ میدانِ جنگ میں ان کی قسمت کو بنتے بگڑتے دیکھ چکا تھا۔ بہت سے لوگوں سے ملا تھا۔ ان کے نفرت اور پیار کو دیکھا تھا۔ اس کا چینی دوست چن من

اس کے تصور میں مسکرا اٹھتا تھا۔ وہ بتایا کرتا تھا کہ اس کا ملک لمبا چوڑا ہے۔ وہاں پچاس کروڑ انسان بستے ہیں۔ یہ جنگ ان کی اور موت کا سوال ہے۔ اس دیس کے بہت سے حصے پر جاپان نے قبضہ جما لیا ہے۔ وہ اپنا ملک ان سے واپس لیں گے۔ ان کو وہاں سے مار بھگائیں گے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے جاپان کو مار بھگایا تھا۔

پھر اس کا اپنا دیس بھی تو گاؤں تک محدود نہیں۔ وہ بھی بہت لمبا چوڑا ہے۔ اس میں کتنے میدان ہیں۔ کتنی ندیاں اور پہاڑ ہیں۔ وہ اس کی سرحدوں کو پار کر کے برما میں گیا تھا۔ پھر سنا تھا کہ کبھی برما بھی اس دیس کا حصہ تھا۔ اور یہ سرحدیں برما سے تنگ ہوتی تھیں۔ انگریز نے ان سرحدوں کو تنگ کر دیا ہے۔ اور الگ الگ کر کے دونوں دیسوں پر قبضہ جما رکھا ہے۔

فضل دین کو سرحدوں کی تقسیم اور قبضے سے نفرت تھی۔ جرمنی اور جاپان نے دوسرے دیسوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ اس لئے یہ جنگ لڑی گئی تھی۔ پھر اس کے دیس پر انگریز کا قبضہ کیوں ہے۔ اس نے سن رکھا تھا کہ ملک کی جماعتیں کانگرس اور لیگ اس کے خلاف لڑ رہی ہیں۔ اور انگریز نے وعدہ کیا تھا کہ جنگ کے بعد یہ قبضہ اٹھ جائیگا۔ ہمارا دیس ہمیں مل جائے گا۔ ہم آزاد ہوں گے۔ چین کے لوگ جاپان کی شکست پر اپنی آزادی پر کتنے خوش ہوئے تھے۔ جنگ نے اسے اور خواہ کچھ نہ دیا ہو لیکن یہ لفظ — یہ آزادی کا خیال ضرور دیا تھا۔ وہ اپنے دیس کی آزادی کے لئے جان تک دینے کو تیار تھا۔

اس آزادی کی فکر میں وہ ہر روز زمیندار کے لڑکے سے باتیں سن کر آتا تھا۔ وہ پڑھا لکھا تھا۔ شہر سے اخبار منگواتا تھا اور آزادی سے متعلق بہت سی باتیں سنایا کرتا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ انگریز نے ہماری آزادی تسلیم کر لی ہے۔ اور تین وزیر برطانیہ سے چل کر ہندوستان آئے ہیں تاکہ یہ فیصلہ کیا جائے کہ وہ آزادی کس طرح سے اور کن لوگوں کے سپرد کریں۔۔ وہ وزیر تین مہینے سے یہیں میں رہے۔ کبھی دہلی اور کبھی شملہ میں میٹنگیں کرتے رہے۔ فضل

یہ خلق نسب خبریں شوق سے سنتا رہا۔ جب اسے معلوم ہوا تھا کہ لیڈر آپس میں سمجھوتہ نہیں کر سکتے اس لئے دیر ہو رہی ہے بڑا غصہ آیا تھا۔ آخر امید بندھ گئی تھی۔ زمیندار کے لڑکے نے تھا کہ آزادی کا مسئلہ طے ہو گیا۔ اب لیگ کی حکومت بنے گی لیکن سارا کھیل ختم ہو گیا۔ اخبار والوں نے ان وزیروں کی تصویر کا مذاق اڑایا تھا۔ ان کے سامنے ایک پٹاری رکھی تھی۔ اور اِدھر اُدھر چار غیر ضروری چیزیں بکھری پڑی تھیں اور نیچے لکھا تھا

تماشا دکھا کر مداری گئے

تو یہ سب دھوکا ہی تھا؟ فضل دین نے زمیندار کے لڑکے سے دریافت کیا۔

"دھوکا نہیں تو اور کیا تھا؟"

فضل دین کا دل تلخی سے بھر گیا۔ خیالات کی رو ایک دم رک گئی نظر پھر اس مٹی کی ڈلی پر جا رکی۔ جس پر زندہ چیز ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ اب ایک کنکر بھی اس ڈلی کے قریب پڑا تھا۔ یہ نے پھینکا تھا مگر اس کا نشانہ چوک گیا تھا۔ لیکن فوجی کا نشانہ پھیلا جا سکے۔ اسے تعجب ہوا اور کسی قدر تکلیف بھی۔ اس نے اور کنکر اٹھایا اور تاک کر اسی ڈلی پر مارا۔ نشانہ درست بیٹھا۔

اور وہ ڈلی حرکت میں آ گئی۔ ایک کنکر کی چوٹ سے ڈلی حرکت میں آ گئی۔ وہ چل رہی تھی۔ فضل دین کے اندر ہلچل پیدا ہوئی۔ جیسے اس کے اپنے اندر کوئی چیز تیزی سے چل رہی ہو۔ دراصل وہ مٹی کی ڈلی نہیں تھی۔ گوبریلا تھا۔ ویسے ہی سست پڑا تھا اور اب چل رہا تھا اس کی روح بیدار ہو چکی تھی۔

اچانک پورب سے زبردست بگولا بڑھتا ہوا آیا اور شیشم کے پرانے درخت سے ٹکرا گیا۔ شاخ ٹوٹ گئی جیسے ایک ٹہنی ٹوٹ رہی ہو۔ جیسے وہ جڑوں سے اکھڑ جائیگا۔

فضل دین کو اپنے اندر ایک طوفان سا اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ طوفان بڑھ رہا تھا۔ غبار پھیل رہا تھا۔ اس نے بہت سے کنکر مٹھی میں لے کر جس سمت بگولا جا رہا تھا اس سمت کو پھینکے اور زور سے کہا [illegible]

اس وقت گاؤں سے شور بلند ہوا۔ جیسے گاؤں کی سوئی ہوئی روح جاگ اٹھی ہو۔ جیسے آزادی کا بگل بج رہا ہو۔ جیسے سب لوگ ایک عظیم کوشش میں لگے ہوں اور بلند آواز سے کہہ رہے ہوں "ہم اپنے دیس کے لئے لڑ رہے ہیں"

(حلقہ اربابِ ذوق لاہور میں پڑھا گیا)

بقیہ صفحہ نمبر ۳۵

(تماشا از یزدانی ملک)

کی طرف جاتی تھی۔ چودھری شاید غلطی سے وہاں چھوڑ گیا اور سفید ٹوپی والا اس چھوٹے سے کھلونے کو دیکھ دیکھ کر ہنستا رہا تھا۔ چودھری جاتے ہوئے اسے دے گیا تھا اور اس ساتھ ان دونوں کی گردن کی رسی بندھی ہوئی تھی۔ بندیا کا بیاہ پھر کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ اب وہ اپنے بوسیدہ جھگے کو دیکھنے میں مصروف تھی۔ جو اس کھینچا تانی میں کئی جگہ سے پھٹ گیا تھا۔ وہ اب اپنے جسم کے رستے ہوئے ناسوروں پر بھی غور کر رہی تھی جن کا اندمال جلدی کیسے ممکن تھا۔

(حلقہ اربابِ ذوق لاہور میں پڑھا گیا)

کرتار سنگھ دُگل

پنہاخاں

پنہاخاں بہت دیر تک اس بار اپنے مکان کی طرف جاتی ہوئی گلیوں کو دیکھتا رہا۔ وہ رات بھر جاگتا رہا تھا کنوئیں پر شہتوت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے اس کی آنکھ لگ گئی۔ رہٹ میں جُتا ہوا بیل اس کے خراٹوں کی آواز سن رہا تھا "دیں ریں، ٹنک ٹنک" کنواں چلتا رہا۔ سوتے میں پنہاخاں کا ہاتھ اس کے کشکول پیسے پر آگیا تھا۔ ہوا کی تیزی کے ساتھ ساتھ تا را میرا کے تیل سے چمکتے ہوئے پنہاخاں کے بال مٹی سے اٹے جا رہے تھے۔ بھاہی کے سوکھے چھلکے کی طرح اس کی ایڑیاں کھردری اور پھٹی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے بھرے بازوؤں پر لڑکیوں کی وہ تصویریں جو میلوں میں اس نے کھدوائی تھیں عجب ورچ دکھا رہی تھیں۔

پنہاخاں نے خواب میں دیکھا کہ پانچ شخص گھوڑوں پر سوار منمناتے ہوئے اس کے ارد گرد گھوم رہے ہیں۔

"مانگ پنہاخاں، کیا مانگتا ہے جو تیرے جی میں آئے مانگ۔ تیرے کنوئیں کا پانی غضب کا ٹھنڈا ہے۔ خدا کے بندوں کو ایسا ہی پانی پلا پلا کر۔ بول بھی، بولتا کیوں نہیں پنہاخاں!"

پنہاخاں گھبرا سا گیا "کیا مانگوں" اپنے دل سے پوچھا۔ "اللہ اللہ مال اور تو سب طرح سے اللہ کا فضل ہے صرف ایک لڑکا ہی نہیں ہے۔ دیکھنا! نشانی رہ جاتی ہے۔ زندگی کا تو کچھ اعتبار نہیں۔"

پہلا سوار۔ "اچھا تمہارے لئے ایک بیٹا!"

دوسرا سوار۔ "نہیں دو!"

تیسرا سوار۔ "نہیں تین!"

چوتھا سوار۔ "نہیں چار!"

پانچواں سوار۔ "نہیں پانچ!"

"اچھا ایک اور بات" پنہاخاں خوش ہو کر بولا "میرے سفید بیل کا پاؤں کچھ خراب سا ہے۔ اگر وہ۔۔۔ اگر وہ کہاں جا رہے ہو، او ہو"

سوار غائب ہو گئے!

پنہاخاں نے کروٹ لی۔ فرزو دائی قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ اسے ہلتا دیکھ کر جگا نے کا حوصلہ کیا۔

"چودھری پنہاخاں چودھری پنہا۔ اٹھ بھی رہا"

"کیا ہے اماں فرزو!" دائی کی آواز سن کر پنہاخاں جھٹ اٹھ بیٹھا۔ ہاتھ ملتے ہوئے "قسمت کی بات ہے، بیٹا! گھر بیٹی ہوئی ہے"

پنہاخاں جھنجھلا سا گیا۔ لیکن جھٹ پٹ اپنے آپ کو سنبھالا چارپائی سے اٹھ کر شہتوت کے تنے سے لگ کر کھڑا ہو گیا "کیا ہوا، اماں فرزو! بیٹیاں اپنے نصیب ساتھ لایا کرتی ہیں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں"

زمیندار کا جواب سن کر دائی کو حوصلہ سا ہو گیا۔ اور وہ ایک پرانی پگڈنڈی پر گاؤں کی طرف چل دی۔

پنہاخاں بہت دیر تک شہتوت کے تنے سے لگا رہا، جیسا ہی کھڑا رہا آخر جیسا بھی پیاس نے ہاتھ رکھا تھا ٹوٹ کر نیچے آرہی "لعنت" اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی غصہ میں کہا۔ اور رہٹ میں جتے ہوئے بیل کو کھول کر چرانے کے لئے لے گیا۔

پنہاخاں سارا دن کیکر کی چھاؤں میں بیٹھا فکر میں ڈوبا رہا۔ اگر کسی ڈھور کو ایک سے دوسری دفعہ موڑنا پڑتا تو وہ جھنجھلا اٹھتا۔ دوپہر کے وقت جب وہ مویشیوں کو پانی پلا کر لایا تو اس کے سب دھندے ختم ہو رہے تھے۔ بیٹھے ہوئے بورئیے میں سے آج اسے کیکر، کیکڑا اور ممولے کے کانٹے ہی بار بار چبھتے۔ چھوٹے چھوٹے کنکروں سے ٹھوکر کھاتا تو وہ سارا دن بھر کا پیاسا سا پڑا رہا۔ آج اس نے پیاجو سنگوائی تھی نہ کھانا کھانے کو گھر لوٹا تھا۔ جھاڑیوں میں لگے ہوئے سرخ سرخ بیر جو وہ جھولیاں بھر بھر کر کھایا کرتا تھا، آج ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا

تھا۔ شفاف چشمے کی طرح بہتی آ رہی وہ کئی چکر لگا آیا تھا لیکن اس نے پانی کا ایک چلو بھی نہ پیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس پر دھوپ آ گئی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ لاٹھی اچھی پڑی تھی کہیں کھیت میں آ پڑتی۔ کبھی دوسری طرف جا نکلتی۔ پنہدا خاں بڑا غضبناک ہوتا: "ابھی ایک بھی جاندار مرت کو پکارتی ہے" وہ لٹھ سنبھال کر اٹھا لیکن پھر رکھ دی اور بیٹھ گیا۔

اپنے بہت سے دوستوں سے پنہدا خاں نے ڈنگروں کے وعدے کئے تھے۔ بہت مدت سے اس نے ایک بکری کی ندرو بھی ہی پال رکھی تھی۔ بلکہ کچھی جھوٹ کو وہ سا ہوکار سے ایک بوری شکر دینے کے لئے بھی کہہ آیا تھا۔ کئی سالوں سے وہ سارا کام تنہا سنبھال رہا تھا: "اپنا بیٹا ہوگا تو باپ کا ہاتھ بٹائے گا:" وہ دل ہی دل میں سوچتا تھا۔ اس کے جی میں بڑی بڑی حسرتیں تھیں لیکن سب وہیں دفن ہو گئیں!

ان ملاحوں کی طرح جو اپنی ناؤ ڈبو چکے ہوں، شام کو پنہدا خاں گھر لوٹا۔ صحن میں مکمل خاموشی تھی۔ اس کی بڑھیا ماں غم میں ڈوبی سر جھکائے چولہے کے پاس بیٹھی تھی۔ بڑوں کو غمگین دیکھ بچے بھی منہ بسورے بیٹھے تھے۔ مٹھو اس کی بڑی لڑکی تو سارا دن روتی رہی۔ ایک ننھا منا بھائی کھلانے کو اس کا جی کتنا چاہتا تھا۔ بہنیں، بہنیں، بہنیں۔ اسے زہر لگتی تھیں۔ ڈنگر ڈھور کو پنہدا خاں نے تھان پر باندھا! "یا اللہ" کہتے ہوئے درانتی لی اور گھاس کھودنے کے لئے باہر چلا گیا۔ آج گھاس کھودتے کھودتے پنہدا خاں کو بڑی دیر ہو گئی۔ ہاتھ ادھر مارتا لیکن ادھر جاتا۔ دو ایک بار تو اس نے اپنی انگلی بھی زخمی کر لی تھی۔ آسمان میں جھلمل کرتے تارے دیکھ کر اسے "چناسے تیری جانی" کا آج خیال ہی نہ آیا۔ لوٹتے ہوئے جب وہ رہٹ کا ایک چکر دے کر ٹنڈ سے ٹھنڈا پانی پینے لگا تو اسے اپنا سینا یاد آ گیا۔ پانی بوند بوند ٹپک کر بہہ گیا۔ وہ سوچتا رہا، سوچتا رہا اور پیاسا ہی گھر لوٹ آیا۔

"ذرا اندر جاؤ تو۔ ایک دفعہ نور نشاں سے مل تو آؤ" بوڑھی ماں نے بیٹے سے کان میں کہا۔ لیکن پنہدا خاں نے ٹال دیا۔

"دیکھو نا بیٹا! سارا دن بیچاری چھپا چھپ روتی رہی ہے:" ماں نے اسے پھر کہا۔

آخر وہ اندر گیا!

دالان میں سب سے اندھیرے کونے میں نور نشاں بان کی چارپائی پر پڑی تھی۔ اس کے سرہانے ایک سرسوں کے تیل کا دیا جل رہا تھا۔ رو رو کر اس کی آنکھیں لال اور اس کا چہرہ نچڑے ہوئے لیموں کی طرح ہو گیا تھا۔ "اری او حرام کی بچی! آخر بیٹی ہی جنی:" پنہدا خاں تو اتنی سی بات کہہ کر باہر چلا گیا۔ لیکن جس طرح رہٹ کو ایک چکر دینے سے پانی دیر تک ٹپکتا رہتا ہے۔ نور نشاں ساری رات روتی رہی۔ اس نے نومولود کی طرف پہلو بدل کر دیکھا نہ اسے دودھ پلایا۔

وقت گزرتا گیا۔ نور نشاں کی چھاتیاں بوجھل ہوتیں تو وہ گھٹو کو دودھ پلا دیتی، ورنہ سارا سارا دن وہ ننھی جان چلاتی رہتی کوئی اس کی بات تک نہ پوچھتا۔ آنکھیں دکھنے آئیں تو آپ سے آپ ہی اچھی ہو گئیں۔ کبھی جاکسو کی ایک چیلی تک نہ ڈالی۔ مٹی میں پڑی ہوتی تو وہیں کھیلتے کھیلتے سو جاتی ماں پروا تک نہ کرتی۔ اس کی بڑی بہن کی اترن اسے پہنا دی جاتی۔ نئے کپڑے کا ٹکڑا تک بھی اس کو نصیب ہوا مگر گھٹو تھی کہ بڑھتی ہی گئی۔ بڑھتی ہی گئی!

جس دن سے گھٹو آئی پنہدا خاں کا ستارہ ڈھلتا گیا۔ پہلے تو اس کے بیلوں کے لاڈلے بوڑھے کو موت نے آ لیا۔ بیچارے کو بڑا صدمہ ہوا۔ بیلوں کے ابھرے ہوئے پیٹ پر ہاتھ پیار کرتا اور دن ہوتا بیچال ہو جاتا۔ افتاد پر افتاد یہ پڑی کہ اس کی ساری زمین میں کلر اٹھ آیا۔ وہ کتنی ہی محنت کرتا۔ مگر اس کے پلے کچھ نہ پڑتا۔ ساون کی جھڑیوں میں اس کا مویشیوں کا کوٹھا بیٹھ گیا۔ کنوئیں کی۔ ماہل ٹوٹ گئی۔

سات سال گذر گئے، مفلسی اور مصیبتوں کی کالی آندھیاں پنہدا خاں کے سر پر سے گذریں، لیکن نور نشاں کو اس نے منہ تک نہ لگایا۔ بڑے بڑے جھگڑے کھڑے ہوئے، مدت تک وہ میکہ میں رہی، پنچوں نے فیصلے کئے لیکن وہ ایک ہی بات کہتا کہ میرے ہاں جو منگ مرچا ہے کھائے۔ لیکن اسے بلانے کو جی میرا نہیں چاہتا۔ کئی دفعہ سوتے وقت اس کی آنکھوں کے سامنے وہ پانچ سا آ جاتے۔ پنہدا خاں ان کو گھور گھور کر دیکھتا اور سخت غضبناک ہو کر بار بار دانت پیستا۔ اسی حالت میں اپنے بیٹے کو اندر ہی اندر جلتا اور روز بروز کمزور ہوتا دیکھتی اور عمر بھر ایک

پھٹے کو تیار تھی اس کی بوڑھی ماں چل بسی۔ لڑکیاں تھیں کہ عشق پیچاں کی بیل کی طرح دنوں میں پھیلتی جاتی تھیں۔ گھٹو سے قطع نظر باقی چاروں کی جوانی پھٹی پڑتی تھی۔ پنہداخاں کے پاس اب پھوٹی کوڑی تک نہ تھی کہ انکا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے سکے۔ آخر شلو اس کی بڑی لڑکی کھل کھیلی۔ ایک بار جب پنہداخاں باہر سفر پر گیا ہوا تھا۔ وہ میراثیوں کے ایک لڑکے کیساتھ بھاگ گئی۔ راجپوت خاندان کا نام لیوا پنہداخاں بہت نشر ہوا۔ مدتوں تک باہر نہ نکلا۔ آخر چوٹ سہ گیا۔

پنہداخاں نے بہت کوشش کی کہ باقی لڑکیوں کی کہیں آگے پیچھے کر دے لیکن برادری میں سے کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ کئی رشتہ داروں کے پاؤں پہ اس نے اپنی پگڑی رکھ دی۔ لیکن کسی نے ہاں نہ کہی۔ رنج اور غم سے بھرا ہوا وہ گھر بیٹھ رہا۔ اچانک ایک دن شام کے قریب سر پر ایک پھٹا سا چیتھڑا اوڑھے مشلو گھر آ گئی۔ پنہداخاں غصے سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ لیکن بات ٹالکر ایک پھٹی ہوئی جھولی کو ٹانکنے لگا۔ اس نے شلو کو بلایا نہ اس کی واردات پوچھی۔ برادری میں پھر شور ہوا کہ پنہداخاں نے اپنی لڑکی کو پھر گھر میں داخل کر لیا ہے۔ بس وہ سب کچھ ایک تلخ گھونٹ کی طرح جیسے پی ہی گیا۔

مفلسی سارے خاندان کو ستا ستا کر مار رہی تھی۔ فاقوں پہ فاقے کٹتے۔ لیکن پنہداخاں کبھی شکوہ نہ کرتا۔ خدا کے آگے جھولی پھیلاتا نہ پڑوسی کے آگے دست سوال دراز کرتا۔ ایک دن شام کو گھر لوٹا۔ عجیب چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا گھٹو کے ماتھے سے خون کا چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا اس کی بڑی بہن نے اس کے پتھر دے مارا تھا۔ مارے غصے کے اس کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ لیکن وہ پھر بات ٹال کر کھیتوں کو نکل گیا۔ بہت دیر تک پنہداخاں کنوئیں پر شہتوت کے تلے سے ٹیک لگا کر کھڑا رہا۔ کھڑے کھڑے جھٹ پٹا سا ہو گیا۔ اور مسجد سے مغرب کی نماز کی اذان سنائی دی۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ لیکن بادل کے سفید سفید ٹکڑوں میں رحم کے کنارے تھے کہ وہ اس کے دکھ کو دیکھ سکتے۔ وہ گھر لوٹنے ہی کو تھا کہ سامنے کے کھیت کے سہمے ہوئے سرکنڈے ہلتے نظر آئے۔ وہ وہیں جم گیا۔ اس نے دیکھا شانو اس کی شلو سے چھوٹی لڑکی دبے پاؤں کھیت سے نکل کر باڑ پھلانگ کر گھر آ چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دیکھا جہاناں موچی وہیں سے نکل کر گاؤں کی جانب چلا گیا۔

پنہداخاں گھر آ کر بغیر کچھ کھائے پیئے اپنی چارپائی پر لیٹ گیا۔ آدھی رات کو جب سب سو گئے وہ آہستہ سے اٹھا۔ پچھے صحن کے ایک کونے میں گھٹو سو رہی تھی۔ وہ اسکے پاس گیا۔ معصوم پر نظر ڈالی۔ وہ ٹھٹھر گیا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا تارے ہنس رہے تھے۔ چاند آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ فوراً ہی اس نے بچی کو اٹھا لیا۔ ایکدفعہ اللہ کہا۔ گھٹو اس کے شانوں کیساتھ لگ کر پھر سو گئی۔ پنہداخاں باہر نکل گیا۔ کنوئیں پر پہنچ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کندھے سے لگے ہوئے بوجھ کو چھوڑ دیا۔ دھڑام کی آواز آئی۔ اس نے چاروں طرف سے دیکھا۔ پتہ تک نہ ہلتا تھا۔ وہ گھر لوٹا۔ دوسری لڑکی کو اٹھایا۔ "شانو گھر کیوں چلایا کرتی ہو"۔ لڑکی بڑبڑائی۔ پنہداخاں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ کنوئیں سے پھر دھڑام کی آواز آئی۔ قدرت چپ تھی۔ تارے جھلملا رہے تھے۔ وہ تیسری لڑکی کو اٹھا کر لایا۔ شہتوت کے پاس کھڑا ہو کر اس نے سرکنڈوں کی طرف دیکھا۔ ان میں کوئی جنبش نہ تھی۔ ایک بار پھر دھڑام کی آواز آئی۔ اس دفعہ آواز ذرا دھیمی تھی۔ گویا کنواں بھر گیا ہو۔ شہتوت پر سویا ہوا فاختہ کا جوڑا اب جاگ چکا تھا۔ پنہداخاں دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ دونوں پھر ایک ٹہنی پر سو گئے۔

اب ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سرکنڈوں کی دھیمی دھیمی سرسراہٹ پنہداخاں کو نہ بھائی۔ وہ پھر گھر چلا گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد کنوئیں کی طرف آیا۔ اس کے ہاتھ میں خون سے لت پت ایک ٹکوا تھا۔ شہتوت کے نیچے کھڑا ہو کر اس نے انگڑائی سی لی۔ معلوم ہوتا تھا کہ مدت کے بعد آج پنہداخاں نے اپنے تئیں ہلکا محسوس کیا۔ ٹکوے کو کندھے پہ رکھ کر وہیں گھاس پر بیٹھ گیا۔ چاند کی چاندنی شہتوت کے پتوں سے چھن چھن کر پنہداخاں پر گر رہی تھی۔

ہندوانی ملک

تماشا

ڈگڈگی کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ اور لوگ جیسے دیوانے اس آواز کی طرف گویا کھنچے چلے جا رہے تھے۔ بچے بوڑھے۔ مرد۔ عورت سبھی ہمہ تن گوش بنے اس کی طرف متوجہ تھے۔ اس آواز میں وہ کچھ ڈھونڈ رہے تھے۔ کچھ پا رہے تھے۔ اپنا کچھ کھویا ہوا۔ کچھ لٹا ہوا۔ سب کے چہروں پر خوشی کی ایک لہر سی دوڑ گئی تھی۔ ایسے ہی جیسے کوئی دیر سے بچھڑا ہوا ساتھی مل جائے۔ مکانوں کی چھتیں۔ دکانوں کے چبوترے۔ کھڑکیاں۔ دروازے۔ اور درختوں کی شاخیں تک لوگوں سے بھری پڑی تھیں۔ تمام لوگ مشتاق نگاہوں سے ڈگڈگی کی آواز آنے والی سمت نظریں جمائے مداری کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ سب کو اب کے مداری سے کوئی نیا کھیل دیکھنے کی اُمید تھی۔ پرانا کھیل دیکھ دیکھ کر تو وہ تنگ آ چکے تھے۔ وہی ایک بندر اور بندریا کا فرسودہ سا کھیل۔ دونوں کی شادی۔ اور پھر ناراضی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مداری بھی یہ کھیل دکھا دکھا کر اکتا چکا تھا۔ اب کے وہ ضرور کوئی نیا کھیل لائے گا۔ بالکل نیا۔ اور نئے کھیل کی بہت دھوم تھی۔ دور دور سے لوگ یہ کھیل دیکھنے کیلئے جمع ہوئے تھے۔ اب مداری آ پہنچا تھا۔ ہر طرف تالیوں۔ سیٹیوں اور نعروں سے ایک ہنگامہ سا بپا ہو گیا تھا۔ بچوں نے تو خوب ہی اس کا استقبال کیا تھا۔ وہ جیسے پھولے ہی نہ سماتے تھے۔ واقعی مداری اب کے کوئی نیا کھیل لایا تھا۔ اب کے اس کے ہاتھ میں بجائے ایک بندر کے دو بندروں کی رسیاں تھیں۔ اور ایک بندریا بھی تھی وہی پرانی۔ لیکن بندروں نے اب کے ٹوپیاں پہن رکھی تھیں۔ ایک نے سیاہ اور دوسرے نے سفید۔ مداری کے ساتھ اب کے اس کے کچھ ساتھی بھی تھے۔ مداری تو خیر پرانا تھا۔ لیکن اس کے ساتھی سب کے سب نئے اور نہایت ہوشیار نظر آتے تھے۔ لوگوں کے جوش و خروش کا ان پر کوئی اثر دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ بڑے بڑے منصفوں کی طرح کبھی ایک کو دانت دکھاتے اور کبھی دوسرے کو۔ لیکن نہایت اطمینان سے۔ بندر دو تھے بھی ایک جیسے ہی۔ وہی ننھا سر۔ گھٹی ہوئی چندیا۔ گول مول سے چہرے۔ اور ایک ہی طرح کا لباس۔ مداری کی ایک آنکھ شاید کھوئی ہوئی تھی۔ کیونکہ اپنے ساتھیوں کی طرف وہ جب بھی دیکھتا۔ تو اسے اپنا پورا چہرہ ان کی طرف گھمانا پڑتا۔ جو لوگ مداری کے آنے سے پہلے سے اور اس کے کھیل کو شک و شبہ سے دیکھ رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ اب کے بھی وہی کھیل ہوگا۔ فرسودہ سا۔ اور خواہ مخواہ بیٹھنے کی کوفت ہوگی۔ وہ بھی اب کچھ مطمئن سے نظر آتے تھے۔ ان کا شک و شبہ بھی اس شور و غل میں شاید ہوا ہو گیا تھا۔ آخر تماشا شروع ہوگا۔ عنقریب ہی بندریا کا بیاہ ہونے والا تھا۔ اور مداری ان دونوں بندروں کو دعوت دے رہا تھا۔ پیار سے پچکار رہے۔ ان کی پیٹھ ٹھونک کر بندریا کی جوانی کا واسطہ دیکر۔ لیکن بندر تھے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور بس۔ جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو کہتا ہو۔ کہ آؤ نا پہلے۔ بڑھو بھیا دو۔ اور دوسرا جیسے کہتا ہو کہ تم کیوں نہیں بولتے۔ پہلے تو اتنا شور بپا کر رکھا تھا۔ اور اب جیسے منہ میں گھنگھنیاں ڈال رکھی ہوں۔ نہ جانے اوپر درخت پر ایک لمبی داڑھی والا بندر کہاں سے آ گیا تھا وہ ہاتھ میں ایک لمبی تلوار لئے اس کی چمک سے مداری اور بندروں کی آنکھیں خیرہ کئے دیتا تھا۔ اور اس کی خونی آنکھیں جیسے مداری کو کہہ رہی ہوں۔ کہ ایسا دھوکا۔ اس قدر فریب۔ ایسی طوطا چشمی۔ ابھی پچھلے ہی دنوں کی بات ہے۔ جب تمہاری ان سفید وردی والوں سے ٹھن گئی تھی۔ اور وہ تمہارے سدھائے گئے بندروں پر چھاپا مارنا چاہتے تھے۔ تمہارا ملک غصب کر لینا چاہتے تھے۔ تمہیں بے گھر کرنا چاہتے تھے۔ بلکہ دنیا سے تمہارا نام و نشان تک مٹا دینے کے درپے تھے۔ اس ہنگامے کی یاد سے اب تک تمہارے رونگٹے

ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ہم تمہارے آڑے آئے تھے۔ ایک پھلکا فوج سے تمہارا ہاتھ بٹایا تھا۔ اور ان سفید اور زرد ملائیوں کو مار بھگایا تھا۔ اگرچہ اس جنگ میں ہمارے کتنے ہی بندر کھیت رہے تھے۔ کتنے ہی زخمی ہو گئے تھے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لیکن ہم نے اپنے خون سے تمہاری خدمت کی۔ تمہیں کھلانے کے لئے اپنے درختوں کے پھل دیتے رہے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر۔ اگر اس وقت ہم تمہاری مدد نہ کرتے۔ تو تمہیں آج یہ صبح دیکھنی نصیب نہ ہوتی۔ اور اس وقت تو تم بھی خوب ہماری پیٹھ ٹھونکتے تھے گلے لگانے کیلئے ہاتھ کے ٹکڑے دیتے تھے لیکن اب تو دیدہ دلیری اتنی بڑھ گئی کہ ہماری طرف دیکھتے ہی نہیں۔ بندریا کا بیاہ اور ہمیں بلاوا تک نہ بھیجا۔ ایک اور طرف ادھر اونچا بیٹھا ہوا لمبی دُم والا لنگور ان سب کی طرف عجیب بے اعتنائی سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے خیال میں اس کے ہاتھ کا پھل اس سب بکواس سے بہتر تھا۔ وہ پھل کھا کھا کر چھلکے ان کی طرف پھینکتا جاتا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ بھائی جلدی کرو بندریا کی شادی۔ آخر یہ دیر کیوں ہے کچھ پھل اور مٹھائی تو ہمارے حصہ میں بھی آئے گی نا۔ اور اب کی بار تو کچھ زیادہ ہی ملنی چاہیئے۔ اور [illegible] کہاں تو خاموش بیٹھے۔ ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ اور کہاں اب بندریا کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اس کی دم پکڑنے میں مصروف تھے۔ اب مداری اپنے جوہر دکھا رہا تھا۔ کبھی ایک کی رسی کھینچتا تھا اور کبھی دوسرے کو ڈھیل دے دیتا تھا۔ اور جب کبھی دونوں بندر بندریا کے نزدیک پہنچ جاتے۔ تو چپکے سے بندریا کی رسی کھینچ کر اسے غائب کر دیتا۔ اور بندر یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر بھی کچھ سمجھ نہ پاتے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی غلطیاں جوؤں کی طرح نکالتے۔ اور ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے۔ بلکہ بعض دفعہ تو ایک دوسرے سے بری طرح الجھ بھی جاتے۔ ایسے میں کالی ٹوپی والا بندر مداری کے تھیلے میں سے ایک لمبا سا چھرا نکال لاتا۔ لیکن مداری فوراً اس کی رسی کھینچ کر وہ چھرا اس سے لے لیتا۔ اور کہتا۔ کہ نہیں بھائی ابھی نہیں۔ صلح اور آشتی سے رہو۔ ایسی خوشی کے موقعہ پر تو تمہیں ناچنا چاہیئے۔ اور سفید ٹوپی والا بندر اس چھرے کی طرف ایسے تکتا

جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ مداری بے ڈھنگا ہے۔ ورنہ یہی چھرا تمہارے سینے کے پار کر دیتا۔ ذرا جانے دو اس کو۔ دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔ مداری کہہ رہا تھا آخر جھگڑا کیا ہے۔ کیا آفت ہے۔ تم دونوں کیوں نہیں آؤ گے بندریا کی شادی پہ! وہ آہستہ سے دونوں کو سمجھا رہا تھا۔ آخر سفید ٹوپی والا بندر بولا۔ کہ وہ ایک شرط پہ آئے گا۔ اور وہ یہ کہ یہ بندریا اس کا لایا ہوا جھنڈا پہنے۔ سفید۔ سبز۔ اور زرد رنگ کا لہراتا سا۔ قوس و قزح کی مانند۔ ہلکا پھلکا۔ بس ایسے ہی جیسے رات کی سیاہی سے دن پھوٹ رہا ہو۔ لیکن سیاہ ٹوپی والے بندر کو بھلا یہ سب کچھ کہاں پسند تھا۔ سفید اور زرد رنگ دونوں ہی اس کی نگاہ میں منحوس تھے۔ وہ صرف سبز رنگ کا حامی تھا۔ قدرت کا اپنا رنگ۔ سبز چمکتا ہوا رنگ۔ جو آنکھوں میں کھب جائے جیسے بہار آتی ہوئی نظر آ رہی ہو۔ جیسے نئی زندگی پھوٹ رہی ہو۔ مداری نے ایک بار خوب زور سے ڈگڈگی بجائی اور بچوں نے خوب ہی تالیاں پیٹیں۔ کہ یہ دونوں اس لے میں شاید کچھ بھول جائیں لیکن ایک دفعہ پھر ان پر جم گئیں۔ کہ یہ آخر کر کیا رہے ہیں۔ مان کیوں نہیں جاتے۔ گھر میں ست کی ایک تار نہیں۔ اور جا رہے ہیں پہلے ہی گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ یہ لباس پر جھگڑا کیسا۔ چلو بندریا باری باری دونوں پہن لے گی لیکن اب ایک اور جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ اس دوران میں شاید انہوں نے کچھ سوچ لیا تھا۔ اس شور و غل نے الٹا ان کے دماغ کو چلا دی تھی۔ بندریا اپنے ناز نخرے سے انہیں متاثر کرنے کی کوشش کرتی۔ اور بعض دفعہ نہایت دلفریب آنسو بھی آنکھوں میں لے آتی کہ دیکھو اگر تم شادی پہ نہ آؤ گے۔ تو میں کچھ کھا کر سو رہوں گی۔ کہیں ڈوب مروں گی۔ چوک میں بیٹھ جاؤں گی۔ اور پھر تم بجاتے پھرنا اپنی لاج۔ لیکن ان بندروں نے شاید یہ سب کچھ کھایا پیا ہوا تھا۔ ان پہ جوں تک نہ رینگتی تھی۔ ایک گھاگ تھے وہ بھی۔ اب وہ مداری سے پوچھ رہے تھے کہ ہم بیاہ پر کتنے کتنے بلند سامان لائیں۔ مداری نے انہیں ہی تجویز کرنے کے لئے کہا۔ سیاہ ٹوپی والے نے کہا۔ کہ میں تو پانچ لاؤں گا بشرطیکہ سفید ٹوپی والا بھی پانچ ہی لائے۔ سفید ٹوپی والا فوراً بولا۔ کیوں میں پانچ کیوں لاؤں۔ میں تو

بچہ لاؤں گا۔ سیاہ ٹوپی والا بھلا یہ کب گوارا کر سکتا تھا۔ فوراً بولا۔ کہ اگر تم بچہ لاؤ گے۔ تو پھر ہم بھی بچہ ہی لائیں گے۔ ہم کیا تم سے کم بیٹھے ہیں۔ ابھی پچھلے سال ہی جب تماشا ہوا تھا تو تم برابر کے پانچ پانچ ہی مان گئے تھے۔ تو پھر اب یہ کیسا جھگڑا۔ اب سفید ٹوپی والا کہہ رہا تھا۔ کہ پچھلے سال کی اور بات تھی۔ اس وقت ہمیں اس طرف سے ان سفید مدندر مداریوں کا خطرہ تھا۔ اور پھر اس مرتبہ میں نے تمہارے کہنے پر اپنے اس بزرگ بھائی کو چھوڑ دیا تھا لیکن اب نہیں چھوڑ سکتا۔ اس بیچارے نے کتنا کام کیا ہے ہمارے لئے کتنی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ ہماری خاطر۔ تم نے تو اسے پہلے ہی بدلحاظی سے فارغ کر رکھا تھا۔ ہم بھی اس بیچارے کو جگہ نہ دیں۔ اس کے علاوہ یاد ہے۔ وہ بہت چھوٹا سوتیلا بھائی۔ جسے میں نے مداری کے کہنے پر ان پانچ میں شامل کیا تھا۔ کتنی نصرانی ہوئی تھی مجھ پر۔ سبھی کہتے تھے دیکھو اس نے باپ کے بھائی کو چھوڑ دیا۔ جب غریب تھے تو اس بیچارے نے کتنی خدمت کی۔ کتنا دکھ اٹھایا۔ اور اب بڑے بھائی کو عزت ملی۔ تو اس سوتیلے بھائی کو نکال گھر سے باہر کیا۔ اس کو دہلیز تک چھونے کی اجازت نہیں۔ حیف ہے۔ ایسے بھائی پر۔ تو بتاؤ۔ اب میں اس سوتیلے بھائی کو کیسے چھوڑ دوں۔ تمہارا کیا ہے۔ تم نے تو سب سے ہی بگاڑ رکھی ہے۔ وہ لمبی ڈاڑھی والا بندر سے تمہاری ان بن ہے۔ وہ سیاہ چھلے والے تمہیں گالیاں دیتے ہیں۔ خیر نہیں تم کیا سمجھو کہ یہ معمولی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔ ہم بچہ نہیں بلکہ نو بندر ساتھ لائیں گے۔ پھر وہی جھگڑا ہو گیا۔ بندر ایک دوسرے پر کلکل کرنے لگے۔ اور قریب تھا۔ کہ الجھ پڑیں یہ کہ مداری نے برف منگوا کر ان دونوں کے سر پر رکھی۔ کچھ دیر تک تو برف نے اثر دکھایا اور دونوں بندر ایک دوسرے کے قریب ہو کر ہوش و حواس کی باتیں کرتے رہے۔ لیکن جلدی ہی برف کا اثر بھی زائل ہو گیا۔ اور پھر وہی دانتا کلکل۔ مداری بھی تنگ آ چکا تھا۔ اس نے ایک اور چال چلی۔ اس نے خود آرام کرنے کے بہانے ان بندروں اور بندریا کی رسیاں اپنے ساتھیوں کے ہاتھ میں دے دیں اور آپ ذرا پرے ہٹ کر سب کچھ دیکھنے لگا۔ مداری کے ساتھی بھی ویسی ہی چالیں چلتے تھے۔ شطرنج

کی سی۔ بندروں کو آگے بڑھاتے تھے۔ تو بندریا کی رسی کھینچ لیتے تھے۔ اور بندریا کو بڑھاتے تھے۔ تو بندروں کو آپس میں الجھا دیتے تھے۔ کچھ دیر تک خوب تماشا رہا۔ بچے خوش تھے۔ بس ایک ہنگامہ تھا۔ البتہ بندریا بیچاری کا برا حال تھا۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔ اس کا رنگ زرد سے زرد تر ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کی ہڈیاں کسی ہوائی محرابوں کی طرح ابھر آئی تھیں۔ شاید اسے اپنی گزرتی ہوئی جوانی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اب مداری نے ساتھیوں نے بندریا کی شادی پر آنے والوں کی تعداد کو بڑھا کر چودہ کر دیا تھا لیکن سیاہ ٹوپی والا ابھی ناخوش تھا۔ وہ عین بیاہ کے موقع پر ہنگامہ پیدا کرنے کی دھمکی دے رہا تھا۔ مداری کے ساتھی کہہ رہے تھے۔ کہ بھائی ان دنوں قحط کا زمانہ ہے۔ اور اس جنگل میں ویسے ہی اب خوراک کم ہوتی جا رہی ہے۔ کئی درخت تو بالکل برباد ہو چکے ہیں پھل دیتے ہی نہیں۔ اس لئے اتنے ہی ساتھی لاؤ۔ جن کی اشد ضرورت ہو۔ بس کام چل جائے۔ لیکن ایسا کہنے سے بات بنتی نظر نہیں آتی تھی۔ آخر پہلا مداری ہی پھر آیا اور جانے کی تیاری کرتے ہوئے کہنے لگا۔ کہ یہ بندریا اب جوان ہو گئی ہے اپنا برا بھلا خود سوچ سکتی ہے۔ اور یہ بندر بھی اب سمجھدار اور ہوشیار ہو گئے ہیں۔ ہمیں اب ان سے کیا کام۔ اس لئے ہم اب جاتے ہیں۔ ہاں کبھی کبھی اس بندریا کی محبت جوش مارے گی تو اسے دیکھنے کے لئے آ جایا کریں گے۔ یا پھر اشیرباد کے لئے بلاؤ گے تو چلے آئیں گے۔ ہمارا کام ختم ہو گیا۔ یہ کہہ رہا تھا۔ اور اس نے دونوں بندروں کے گلے میں بندھی ہوئی رسی کو پرے پھینک دیا۔ اب مداری بظاہر جا رہا تھا۔ جاتے ہوئے ایک دفعہ پھر اس نے زور سے ڈگڈگی بجائی۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو یہاں بہت دیر ہو گئی تھی۔ ابھی انہیں اور بھی تو بہت جگہ تماشا دکھانا تھا۔ اس طرف اس ریچھ کا جو بہت موٹا ہو رہا تھا۔ کیونکہ ان دنوں جو کچھ اس کے سامنے آتا تھا۔ وہ اسے نگلتا جاتا تھا۔ شہد چڑیوں کے گھونسلے اور ان کے انڈے تک نہ چھوڑتا تھا۔ مداری جا چکا تھا۔ اور اس کے ساتھی بھی۔ سیاہ ٹوپی والے بندر کی نگاہ رہ رہ کر اس

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

اچھی اچھی کتابیں

داستانِ مجاہد - از نسیم حجازی

یہ ان ماؤں کی داستان ہے جن کی گود میں تاروں پر کمندیں ڈالنے والی قوم بیدار ہوئی - یہ ان نوجوانوں کی داستان ہے جنہوں نے اپنی شمشیر سے تاریخ اسلام کا ایک روشن باب لکھا اس انداز کے ناول بہت ایسے دلچسپ ناول بہت کم لکھے گئے ہیں "داستانِ مجاہد" کا ہر لفظ موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے ایک نئی زندگی کا پیغام ہے - دوسرا ایڈیشن قیمت مجلد للعہ ر

زندگی - از چودھری افضل حق

زندگی کے لئے مسافروں کے لئے یہ کتاب بہترین رہنما ہو سکتی ہے - عمر رسیدہ احباب کیلئے بھی اس کے بعض ابواب عمر رفتہ کی شیریں یاد یا آئندہ کا ہولناک تصور ہو سکتے ہیں "زندگی" دور حاضر کی بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے - زبان پیاری اور تخیل نہایت ہی بلند - قیمت للعہ ر

سرورِ کائنات - از سید امیر علی - مترجمہ مقصود احمد مرحوم

یہ کتاب "سپرٹ آف اسلام" کے پہلے حصہ کا ترجمہ ہے جس کو فاضل مترجم نے ایک بے مثل شاہکار کی صورت میں پیش کیا ہے - اس میں آنحضرت کی زندگی پر ایک انسان کامل کی حیثیت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور آپ کی تعلیم کو ایسے پر جوش اور خوبصورت الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ موثر پیرایہ آج تک کوئی سیرت نگار نہیں پیدا کر سکا۔ عالہ ر

پانچ رنگ ۱۲ر - سیرت اقبال للعہ ر - بزم لطائف عہ ر - روائتی افسانے ۱۲ر - پیام مکاروارث ۱۲ر

محمد بن قاسم - از نسیم حجازی

یہ ان کمسن مجاہد کی داستان ہے جس نے سترہ سال کی عمر میں سندھ کو فتح کیا اور اس قوم کی سرگذشت ہے جس کی تاریخ کا ہر صفحہ شہیدوں کے خون سے رنگین ہے - عرب کے ریگزاروں سے ایک آفتاب نمودار ہوا - چمکا اور عین دوپہر کے وقت غروب ہو گیا "محمد بن قاسم" اس کے انداز میں تاریخ اسلام کے ان واقعات کا مجموعہ ہے جب عرب کے مجاہد دنیا پر چھا جانے اور دین کو پھیلانے کیلئے جان ہتھیلی پر رکھے تھے - قیمت مجلد عہ ر

سلطان ٹیپو - مرتبہ عبداللہ بٹ

ٹیپو کی سیرت محض ایک بلند ہمت مجاہد اور شیر دل فرمانروا کی سیرت ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ حفاظت وطن کا ہر ہنگامہ مر گیا - وہ فلادی بند ٹوٹ گیا - جو برسوں اجنبی اقتدار کے سیلاب کو ملک بھر پر چھا جانے سے روکے رہا - اس آزادی ہند کے سب سے بڑے علمبردار کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر ہندوستان بھر کے اہل قلم کے مقالات کا مجموعہ قیمت ۱۲ر

دل کی دھڑکن - از پروفیسر خادم محی الدین ایم اے ڈی لٹ پیرس

دوسرے ایڈیشن ڈرامے - پروفیسر صاحب اسٹیج اور تحریک کے علمبرداروں میں سے ہیں - آپ نہ صرف ڈراموں کے مصنف ہیں بلکہ انہیں خود پیش کر کے سٹیج کا وہ قابل قدر تجربہ بھی بخوبی حاصل کر چکے ہیں - جس کے بغیر ڈرامہ میں لذت پیدا کرنا بعید دشوار ہے - مختصر ڈراموں کا یہ مجموعہ اسکولوں اور کالجوں کی جماعتوں میں عموماً اور تعلیم یافتہ ہزاروں کی ڈرامیٹک کلبوں میں خصوصاً تسکین نگاہ سے دیکھا جائیگا۔ بادلوں میں عالہ ر - ابوالکلام آزاد ۱۲ر - شعلہ ۱۲ر نصب زندگی کا پہلو ۱۲ر

قومی کتب خانہ ریلوے روڈ - لاہور

قریشی صلاح الدین اکبر

جانے سے پہلے

میگارٹ تمہیں معلوم ہے مجھے انگریزوں سے نفرت ہے، میں سیاست میں نہیں الجھ رہا، اس حسین شام کو میں اس آلودگی سے پاک رکھنا چاہتا ہوں، لوگ باہر گلی کوچوں میں چراغاں کا انتظام کر رہے ہوں گے، شام کے دھندلکے میں چراغ روشن آنکھوں کی طرح دمک اٹھیں گے اور کل تو یہ ہے کہ دو سو سال کے متواتر میل جول سے سیاسی فرق رہ بھی کہاں جاتا ہے، مگر یہ نفرت! اب تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر انگریز ہم ہندوستانیوں کے حکمران نہ بھی ہوتے تو میں ان سے نفرت کرتا، مگر تم کس قدر معصوم ہو، تمہیں ذرہ بھر بھی اپنے حسن کا احساس نہیں، یہ تمہاری آنکھوں سے جھانکتی ہوئی پاکیزگی، ادھ کھلی کلی کی پتیوں کی مانند کومل رخسار اور ہونٹوں سے ٹپکتا ہوا شریں بھولپن، اصلی میں یہ کشش حسن میں یہ معصومیت ہے، اس چھوٹے سے کمرے کی ہر چیز پر تمہارے حسن کا رعب طاری ہو گیا ہے، ہر چیز خاموش ہے، امریکن سگریٹوں کا ہلکا سلیٹی دھواں خاموشی سے اس فضا میں تحلیل ہو رہا ہے۔

اگر تم اس قدر معصوم اور سادہ نہ ہوتیں تو میں تمہاری باتوں کو بھی تمہاری قوم کی Diplomacy سمجھ لیتا، تم کہتی ہو بلکہ تمہیں اعتراض ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے میں نے اپنے کمرے میں مہاتما گاندھی کی تصویر کیوں لگا رکھی ہے، تمہیں تعجب ہے کوئی انگریز اپنے گھر میں ہٹلر کی تصویر نہیں لگاتا، کوئی فرانسیسی اپنے گھر میں روزویلٹ یا چرچل کی تصویر نہیں لٹکاتا، تم بھی درست ہی کہتی ہو، ممکن ہے تمہارے یہاں ایسا ہی ہو، ہاں مجھے اس طرف کی کسی بات پر یقین نہیں، شاید میں یہ فرض کر لیتا کہ وہ جگہ خدا کی مملکت میں بھی نہیں، کہیں باہر ہے مگر تمہارا ملک بھی وہیں ہے، یہ احساس اسے جھٹلا دیتا ہے، تمہارا ملک حقیقت ہے اور میری باتیں محض خیال ——

لیکن تمہیں ہیڈی لمار (Heddy Lamar) کی اس تصویر پر کیوں اعتراض نہیں جو تمہاری کرسی کے سامنے، میری پشت کی طرف دیوار پر آویزاں ہے، مجھے ہیڈی لمار کی یہ تصویر پسند ہے۔ حالانکہ یہ میرے دیس کی لڑکی نہیں، اس کا انداز بھی میرے ملک کی لڑکیوں کا سا نہیں، میرے ملک کی لڑکیوں کا انداز، تم یہ پوچھ کر کیا کرو گی، آخر تمہیں میرے ملک سے اتنی دلچسپی کیوں ہے، مجھے تو ان باتوں سے ڈر لگتا ہے، جو شخص یہاں آتا ہے اسے اس ملک سے اتنی دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ یہاں سے جاتا ہی نہیں، تم لوگوں کو آئے ہوئے بھی دو صدیاں ہو گئیں اور ابھی تمہاری دلچسپی ختم نہیں ہوئی، ہر بدیسی سیاح کو یہاں کے جنگلوں، اژدھوں، سنتوں اور سادھوؤں کی دنیا میں دلچسپی محسوس کرنی ہی چاہیے۔ لیکن تم دو سو سال سے ابھی تک یہاں جنگلوں، سانپوں اور فقیروں کے علاوہ اور کچھ دیکھ ہی نہیں سکے —— !

تم بھی اس سے متفق ہو، کیوں؟ تمہیں بھی جب تم اپنے دوستوں کے ساتھ بازار گئیں تھیں۔ فقیروں نے تنگ کیا تھا، "میم صاحب"، "میم صاحب" کہہ کر بھیک مانگنا شروع کر دیا تھا، تمہیں ان سے نفرت ہو رہی تھی، گھن آ رہی تھی، وہ سیاہ اور غلیظ عورتیں تھیں۔ اور یونہی ان کے بچے بھی، تمہارے ساتھ دوسری ہندوستانی لڑکیاں تھیں، انہیں بھی ان سے نفرت تھی —— مگر وہ فقیر عورتیں مجھے ان سے نفرت نہیں وہ بھی میرے ملک کی لڑکیاں تھیں، ان کا رنگ سیاہ تھا، وہ غلیظ تھیں، انہیں عمر بھر صابن سے نہانا نصیب نہیں ہوا۔

کیا کہا، تمہیں تعجب ہے، اس میں تعجب کی بات ہی کیا ہے، ہندوستان میں اکثر ایسی تعجب خیز باتیں ہوتی ہیں، یہاں پچاس لاکھ آدمی روٹی نہ ملنے کی وجہ سے مر گئے، جنگ میں ہندوستان کے اتنے آدمی نہیں مارے گئے —— ہم ہندوستانی ہر بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے عادی سہی مگر بنگال میں کم آدمی نہیں مرے، یہ عورتیں بھی شاید اسی طرف کی ہوں گی، قحط اور وباؤں کی وجہ سے وہ اپنے گھروں سے بھاگ کر

ملک کے مختلف حصوں میں پھیل گئیں، ان کی غزالیں آنکھیں بذاتِ خود ایک جادو ہوتی ہیں اور ان کے بال، بنگال کی زلف مشہور ہے،

ان کے بال، ان میں کوئی جاذبیت نہ تھی، میں مانتا ہوں، وہ بھوے ہو رہے تھے، مٹی سے اٹے ہوئے تھے، الجھے ہوئے تھے — ہاں انہیں کبھی شامپو نہیں ملا مگر قحط سے پہلے — تم لوگ ابھی تک یہی سمجھے بیٹھے ہو کہ بنگال کا جادو مشہور ہے، وہاں آدمیوں کو مکھیاں بنا کر دیواروں سے چپکا دیا جاتا تھا، جہاں کے جنگلوں میں — مگر اب بنگال کا قحط مشہور ہے، آسام اور بہار کے سیلاب، اور ہندستان کی جہالت اور غربت، بنگال میں پچھلے دنوں خدا جانے کیسا جادو نے انسانوں کو مکھیاں بنا کر دیواروں سے نہیں سڑکوں، گلیوں اور چلنے والی پٹڑیوں پر چپکا دیا تھا۔

تم جب گھر جاؤ تو وہاں کے رہنے والوں سے ہندستان کے سب سے بڑے صوبے میں کھیلے گئے اس جادو کا ذکر کرنا اور اس اژدہے کا ذکر بھی کر دینا جو برما سے ہندستان کے راستے میں بل کھائے لیٹا ہوا تھا اور جب وہاں سے لوگ بھاگے ہیں تو اس کالے اژدہے نے بیشمار لوگوں کو نگل لیا، اتنے آدمی جاپانیوں کی بمباری سے نہیں مرے جتنے اس اژدہے نے نگل لئے —

تمہارا منہ حیرت سے کھلا ہے، تمہاری ان خوبصورت آنکھوں میں خلا سا ہے، تمہارے تبسم بناتے ہوئے نازک گلابی ہونٹ، ان کی لپ سٹک اس ہلکی سی روشنی میں بھی نمایاں ہے، میں اپنے کمرے میں زیادہ روشنی نہیں کرتا، روشنی سے ہر چیز عریاں سی ہو جاتی ہے۔ مجھے شام کے اس دھندلکے سے اُنس ہے — اور یوں تو مجھے ہر سانولی سلونی چیز سے لگاؤ ہے، بنگال کی لڑکیوں میں بھی میرے لئے ایسی ہی کشش ہے، وہ لڑکیاں جنہیں تم نے بازار میں دیکھا تھا اسی طرف کی رہنے والی ہوں گی، اسی بنگال کی جہاں بوس رہتا تھا۔

بوس کی زندگی کے متعلق بھی اس وقت یہی گومگو کا عالم ہے، اس کے حالات کے گرد بھی ممکنات اور ناممکنات کا ہلکا سا سیاہ پردہ ہے — وہ ہندوستان سے کیوں چلا گیا، تمہاری حکومت کے ڈر سے، نہیں بیکار تھی، اس کے عقائد سے تو اس نے ٹکر لی، سے یہاں کے ایک بہت بڑے جادوگر نے نکالا تھا، اس نے اپنے چیلے کے زور سے اسے یہاں سے چلے جانے پر مجبور کر دیا، آج بازار میں تمہیں اس کی تصویر بھی دکھاؤں گا۔

تمہیں یہ سب باتیں کہانیاں معلوم ہوتی ہیں، ہم لوگ کہانیاں سنانے میں یوں بھی مشہور ہیں۔ ایک عرصے سے، جب اس ملک میں کھانے پینے کی ہر چیز کثرت سے ملتی تھی، ہر طرح کا سکھ چین نصیب تھا تو یہاں کے لوگ گھروں سے باہر، گھروں کے اندر، سردیوں کی راتوں میں الاؤ کے گرد اور گرمیوں کے موسم میں کھلی چاندنی کے نیچے جمع ہو جاتے تھے اور بڑے بوڑھے انہیں آپ بیتیاں اور جگ بیتیاں سناتے، نئی نئی اور عجیب عجیب کہانیاں طلسم اور جادو کی باتیں —

آج ہمارے یہاں جادو بہت ہوتے ہیں، تم بچ کے رہنا، آج رات کے چراغاں میں تمہارے معصوم رخساروں پہ کھیلتی ہوئی سرخی اور نکھر آئے گی، تمہارے یہ خوبصورت سنہرے بال سونے کی تاروں کی طرح چمک اٹھیں گے، تم ایک دیوی کی مانند نظر آؤ گی، لوگ کہیں تمہیں لکشمی کا سروپ سمجھ کر روک نہ لیں —

تمہارا خیال ہے میں مذاق کر رہا ہوں، یہ محض خیال ہے، میں سچ کہہ رہا ہوں آج رات چراغاں ہوگا، ہر گلی، ہر کوچے، ہر بازار میں روشنیاں ہوں گی۔ رنگ برنگی روشنیاں، اور ان روشنیوں سے فروزاں فضا میں بچے بوڑھے اور جوان، مرد اور عورتیں اپنا بہترین لباس پہنے ان کا نظارا کریں گے —

تمہیں یہ چیزیں بہت مدھم اور معلوم ہوتی ہیں، ہاں، پہلے زمانے میں یہاں بھی معانی چیزیں ہوا کرتی تھیں۔ اب تو یہ لوگ اپنی زندگیوں کی تاریکی کا منہ چڑاتے ہیں۔ ان روشنیوں اور زرق برق لباسوں میں تمہیں مسخ شدہ چہرے، اور طرح طرح کے مریض دکھائی دیں گے۔ روشنی میں

ہماچہرہ عریاں دکھائی دیتی ہے۔ اسی لئے مجھے شام کے دھندلکے کی روشنی پسند ہے، سگرٹ کے دھوئیں کی مانند ——

نیا سگرٹ سلگاؤں، چائے اور سگرٹ کا امتزاج بڑی کیف آور چیز ہے، اں سلگاؤ، میں بھی سلگاؤں گا، مجھے سگرٹ نوشی کی کوئی خاص عادت نہیں، کبھی کبھی جب سے میز زیادہ روشنی ہو یا میرے ساتھ کوئی سفید لڑکی بیٹھی ہو تو میں سگرٹ سلگا لیا کرتا ہوں تاکہ روشنی کو اس کے سلیٹی دھوئیں سے رنگ سکوں، اور میں سگرٹ کو جلا کے سلگنے کے لئے انگلیوں میں تھامے رکھتا ہوں،

دیا سلائی کی روشنی میں تمہارا چہرہ جگمگا سا اٹھا ہے، جیسے یہ شعاعیں خود تمہارے چہرے سے نکل رہی ہیں۔ یہی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے میں سگرٹ کو اچھا سمجھتا ہوں ورنہ اس میں کوئی خاص بات نہیں، میرے کمرے کی نیم تاریکی میں ایک لمحے کے لئے ایک شعلہ سا چمک اٹھتا ہے جیسے زندگی میں کبھی کبھی کہیں کہیں امید سر اٹھاتی ہے، ایک حسین چہرہ جگمگاتا ہے، دو ارغوانی لب دکھائی دیتے ہیں اور میرا دماغ پھر اپنے دھندلکوں میں گم ہو جاتا ہے اور سگریٹ آہستہ آہستہ دھواں بکھیرتا رہتا ہے۔ جیسے زندگی سلگتی رہتی ہے —— اور جب اس کی بے رنگی سے تنگ آتا ہوں تو ایک آدھ کش لگا لیتا ہوں —— سگریٹ فضا کو رومانی بنانے میں مدد دیتا ہے۔ اس کی مدد سے انسان خود کو کامیاب دھوکا دے سکتا ہے اور یوں تو ہر رومان دھوکا ہوتا ہے، تم رنگوں کے رومان ہی کو لیجیے اس دھوکے میں کہ وہ امریکن اسے ساتھ لے جائے گا اس سے دوستی بڑھا رہی ہے اور وہ امریکن خود کو دھوکا دینے کے لئے اس پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتا ہے اور یونہی اس بنگالی کو سہمی لڑکی فوراً کا رومان جو ریڈیو پر بنگالی سنگیت کا پروگرام سننے کی خاطر وہاں کے ایک آدمی سے راہ و رسم پیدا کر رہی ہے ——

تم ہنس رہی ہو اور اس ہنسی سے تمہاری معصومیت میں ذرا فزائشی شامل ہو رہی ہے، تمہارے سپید دانت چمک رہے ہیں، دو حسین شفاف موتیوں کی قطاریں، تم مسکراتی ہوئی ایسے ہی نظر آ رہی ہو جیسے "For whom the bell tolls" فلم میں انگرڈ —— انگرڈ بھی اچھی لڑکی ہے، تمہیں پسند ہے نا! اس میں بڑی معصومیت پائی جاتی ہے —— مگر ہیڈی لمار کی اور بات ہے، یہ تصویر میں نے پچھلے ہی دنوں اس کی نئی فلم دیکھنے کے بعد خریدی تھی اور مجھ سے میرے کئی ایک دوست اس کے متعلق پوچھ چکے ہیں، ایک آدھ نے تو اڑا لے جانے کی دھمکی بھی دی ہے مگر میں اسے کسی کو لے جانے نہ دوں گا۔ مجھے اس کی یہ تصویر بیحد پسند ہے ——

لیکن تم بھی اس سے کم حسین نہیں ہو، تمہارے یہ ریشمیں سنہرے بال، یہ کتابی چہرہ، یہ جھکی جھکی معصوم نگاہیں، یہ پتلے پتلے نقش اور یہ نازک عنابی ہونٹ اور معصوم مسکراہٹ اور بھولی باتیں —— جانے سے پہلے تم مجھے اپنی ایک تصویر دے جانا، میں اسے اس تصویر کے سامنے لگا دوں گا!

تمہارا خیال ہے میں یہ سب خوشامد کے طور پر کہہ رہا ہوں، رومان دھوکا ——! نہیں میکا رتھی! تمہیں یہ معلوم ہے میں انگریزوں سے نفرت کرتا ہوں، مگر پھر بھی تم کس قدر معصوم ہو —— حسین اور معصوم۔

اندریف
ترجمہ: عبدالرحیم شبلی

اور وہ ہنستی رہی!

ساڑھے چھ بجے مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔ اور میں اضطراب انگیز مسرت محسوس کر رہا تھا۔ میرا اوور کوٹ جس کا صرف اوپر کا بٹن بند تھا ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ لیکن مجھے سردی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے سر پر سکول کے بچوں کی سی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اور اسے میں نے پیچھے کی طرف کھسکا کر ذرا ٹیڑھا کر لیا تھا۔ میری گردن غرور سے اکڑی ہوئی تھی۔ اور میں راہگیروں کو اس طرح دیکھ رہا تھا۔ جیسے اُن پر احسان جتا رہا ہوں یا جیسے اُن پر اپنے دکھاوے کی بہادری کا رعب ڈال رہا ہوں۔ لیکن عورتوں کو میں لجاجت اور پیار کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ مجھے اس عورت کی محبت میں مبتلا ہوئے ابھی چار دن بھی نہ گزرے تھے۔ میں اتنا نوجوان اور دل پھینک واقع ہوا تھا کہ دوسری عورتوں سے بھلے پیار رہنا میرے لئے ممکن نہ تھا۔ میں تیز تیز قدموں سے، بہادرانہ انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن میری چال سے لاأبالی پن کا اظہار ہو رہا تھا۔

پونے سات بجے میرے اوور کوٹ کے اوپر کے دو بٹن بند ہو گئے۔ اور میں صرف عورتوں کی طرف دیکھنے لگا —— لیکن پیار کی نظروں سے نہیں، نفرت آلود نگاہوں سے —— میں صرف ایک عورت کو دیکھنا چاہتا تھا۔ باقی سب عورتیں بے شک بھاڑ میں جاتیں۔ کیونکہ وہ میرے رستے میں حائل تھیں۔ لیکن یہ سب عورتیں اُس ایک عورت سے کچھ اتنی مشابہ تھیں کہ میری خود اعتمادی متزلزل ہو گئی۔ اور میں شک و شبے میں پڑ گیا۔

سات بجنے میں پانچ منٹ تھے کہ مجھے گرمی محسوس ہوئی۔
سات بجنے میں دو منٹ تھے کہ میرا بدن ٹھنڈا پڑنے لگا۔
ٹھیک سات بجے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ نہیں آئے گی۔

ساڑھے آٹھ بجے میں حسرت و یاس کا پیکر بن چکا تھا۔ میرے اوور کوٹ کے تمام بٹن بند تھے، کالر اوپر اٹھا دیا گیا تھا، اور ٹوپی کھینچ کر ناک پر رکھ لی گئی تھی۔ کیونکہ ناک کی پھنگل سردی سے نیلگوں ہو رہی تھی۔ میرے بال، میری ناک مونچھیں، اور میری پلکیں برف کی وجہ سے سفید ہو چکی تھیں۔ اور میرے دانت کٹکٹا رہے تھے۔ میرے گھسٹ کر چلنے اور جھکی ہوئی کمر سے خیال ہو سکتا تھا کہ کوئی بہت بوڑھا اپنے دوستوں سے مل کر "گھر" کو واپس جا رہا ہے۔

یہ تبدیلی اُسی ایک عورت کے باعث ظہور میں آئی تھی۔ ہائے کمبخت! —— لیکن نہیں، مجھے ایسا نہیں کہنا چاہیے۔ ممکن ہے اُسے آنے کی اجازت نہ ملی ہو۔ یا ممکن ہے وہ بیمار ہو۔ یا ممکن ہے مر ہی چکی ہو —— مر چکی ہے؟ ہائے۔ اور میں اسے برا بھلا کہہ رہا ہوں!

"شاہدہ بھی آج رات وہیں ہوگی" میرے ایک ہم جماعت نے کہا۔ وہ یقیناً میرا دشمن نہیں تھا۔ کیونکہ اُسے کس طرح معلوم ہو سکتا تھا کہ میں اس سردی میں سات بجے سے ساڑھے آٹھ بجے تک شاہدہ ہی کی راہ دیکھ رہا ہوں۔

"واقعی؟" میں نے پوچھا۔ لیکن دل ہی دل میں کہہ اُٹھا۔ "ہائے کمبخت!"

وہ پروفیسر ناہری کی دعوت پر شام کے وقت وہیں ہوگی۔ میں پروفیسر کے گھر کبھی نہیں گیا تھا۔ لیکن میں نے اُسی وقت فیصلہ کر لیا کہ خواہ کچھ ہو آج رات اُس کے گھر ضرور جاؤں گا۔

"حضرات!" میں نے خوشی میں آ کر کہا۔ "آج کرسمس کی رات ہے۔ آج ہر شخص خوش ہے۔ آؤ ہم بھی خوشی منائیں۔"

"لیکن کس طرح؟" ایک ہم جماعت نے افسردگی کے لہجے میں پوچھا۔

"لیکن کہاں؟" دوسرے نے پوچھا۔

"آؤ۔ ہم بھیس بدل لیں۔ اور آج رات شہر کی تمام دعوتوں میں شریک ہوں" میں نے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا۔

اس مشورے کو خوشی کے نعروں کے درمیان فوراً قبول کر لیا گیا۔ لڑکے نہ صرف خوشی کے مارے ناچنے گانے اور شور مچانے لگے۔ بلکہ اُنھوں نے میری تجویز کا شکریہ بھی ادا کیا۔ ہمارے پاس جتنے پیسے تھے وہ سب یکجا کر لئے گئے۔ اور آدھ گھنٹے کے اندر اندر ہم شہر کے رقص و موسیقی کے بازاروں میں گھومنے لگے۔ ہم شریر بچوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ اور ناچتے ناچتے ہم پوشاک فروش کی دکان میں جا گھسے۔ یہاں کی فضا مات کی ہنسی اور قہقہوں سے معمور تھی۔

میں کوئی ایسا لباس چاہتا تھا۔ جو سیاہ رنگ کا ہو، خوبصورت ہو، اور اُس میں افسردگی کی جھلک پائی جائے۔ میں نے پوشش ساز سے کہا کہ مجھے اسپینی امیرزادے کا لباس دے دو۔

لیکن جو پوشاک مجھے ملی وہ کسی طویل القامت امیرزادے کی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ اُسے پہنتے ہی میں نظروں سے غائب ہو گیا۔ اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک بہت بڑے خالی کمرے میں تنہا کھڑا ہوں۔ میں نے بہروپ اُتار پھینکا۔ اور کوئی دوسری پوشاک طلب کی۔

"کسی مسخرے کے کپڑے دے دوں؟ لہریا رنگ کے ہوں گے۔ اور اُن کے ساتھ گھنٹیاں بھی لگی ہوں گی" دکاندار نے پوچھا۔

"مسخرے کے کپڑے؟" میں نے نفرت آلود لہجے میں کہا۔

"اچھا ڈاکو کے کپڑے دے دو۔ اور اُن کے ساتھ ایک ہیٹ اور خنجر بھی ہو۔"

خنجر ایسی چیز در اصل میری اُس وقت کی ذہنی کیفیت کے عین مطابق تھی۔ لیکن بدقسمتی سے جس ڈاکو کے کپڑے مجھے پہنا دیئے گئے۔ وہ بہت کمسن معلوم ہوتا تھا۔ ممکن ہے آٹھ برس کی عمر ہی میں وہ "بگڑا ہوا بچہ" کہلاتا ہو۔ اُس کی ٹوپی مجھے پوری نہ آتی تھی۔ اور جب میں نے اُس کا تنگ پاجامہ پہنا تو وہ اتنا تنگ نکلا کہ مجھے چھیل کر اُتارنا پڑا۔ پھر مجھے ایک نوکر کے کپڑے دیئے گئے۔ لیکن وہ کوئی کام کے نہیں تھے۔ ان پر جگہ جگہ دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ایک راہب کے کپڑے دیکھے تو ان میں بڑے بڑے سوراخ تھے۔

"بھئی۔ کیا کر رہے ہو؟ جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے" میرے ساتھی اپنا اپنا سوانگ بھر کر چلانے لگے۔ اب دکان میں صرف ایک پوشاک باقی رہ گئی تھی۔ اور وہ چین کے کسی نواب زادے کی تھی۔

"مجھے چینی کے کپڑے دے دو۔" میں نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پوشاک مجھے مل گئی۔ مجھے احمقانہ رنگ دار سلیپروں کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ اتنے چھوٹے تھے۔ کہ میرے نصف پاؤں بھی اُن میں بمشکل سما سکتے تھے۔ اسی طرح گلابی رنگ کی ٹوپی کا ذکر بھی بے سود ہے۔ کیونکہ اس کی ڈوری کو کانوں سے باندھنا پڑتا تھا اور اسے پہن کر میں بالکل ہونق معلوم ہو رہا تھا۔

اس کے بعد نقاب کی باری آئی۔ بس نقاب کی کچھ نہ پوچھیے۔ اس میں ناک بھی تھی۔ آنکھیں بھی تھیں۔ ایک منہ بھی تھا۔ اور سب اعضا اپنی اپنی جگہ بالکل ٹھیک تھے۔ لیکن اُن میں انسانیت کہیں نظر نہ آتی تھی۔ نقاب کیا تھی؟ ایک عجیب سا مصنوعی چہرہ تھا۔ جو اتنا پُرسکون اور سنجیدہ دکھائی دیتا تھا کہ قبر میں بھی انسان اتنا پُرسکون اور سنجیدہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی صورت سے نہ تو خوشی کا اظہار ہوتا تھا، نہ غم کا — بلکہ سچ پوچھئے تو کسی جذبے کا بھی اظہار نہیں ہوتا تھا۔ نقاب کی آنکھیں سیدھی آپ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اور آپ اس کے خدوخال دیکھ کر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ جب میں نے نقاب چہرے پر اوڑھی تو میرے ساتھی ہنستے ہنستے صوفے پر دوہرے ہو گئے اور ہاتھ ہلا ہلا کر قہقہے لگانے اور کرسیوں پر گرنے لگے۔

"یہ بالکل نئی چیز ہے۔" انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ غم کے مارے میرا بُرا حال تھا۔ لیکن جب میں نے آئینہ میں اپنا منہ دیکھا تو میں بھی ہنسی ضبط نہ کر سکا۔ واقعی یہ بالکل نئی چیز تھی۔

"ہمیں قسم کھا لینی چاہیئے۔ کہ ہم کسی حالت میں بھی اپنی نقاب نہیں اُتاریں گے" ایک لڑکے نے دُکان سے باہر نکلتے ہی کہا۔ "ہمیں اپنی عزت کی قسم"

"ہمیں اپنی عزت کی قسم۔ ہمیں اپنی عزت کی قسم" ہم سب ایک ساتھ بولے۔

واقعی چہرے کی یہ نقاب بڑی عجیب چیز تھی۔ تماشائیوں نے میرا تعاقب کیا' مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ میرا مذاق اُڑایا' مجھ پر قہقہے لگائے' میری چٹکیاں لیں۔ اور جب میں تنگ آگیا تو میں نے غضبناک ہو کر ہجوم کی طرف دیکھا۔ لیکن ایک ناقابلِ ضبط قہقہے نے میرا استقبال کیا۔ رستے میں بھی ہنسی کا طوفان برابر اُٹھتا رہا۔ اور میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ لیکن اس مجنونانہ کھلکھلاہٹ کی جھنکار سے میں پیچھا کیوں کر چھڑا سکتا تھا؟ بعض اوقات میں بھی موج میں آجاتا تھا۔ میں شور مچانے لگا! گانے لگا' اُچھلنے لگا۔ اور مجھے ساری دنیا گھومتی ہوئی نظر آنے لگی۔ جیسے میں نے بے تحاشا پی لی ہو۔

ان سب باتوں کے باوجود یہ شور و شغب مجھ سے کتنا دور تھا — ! میں نقاب کے نیچے اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔

آخر تماشائیوں نے میرا تعاقب چھوڑ دیا۔ میں پروفیسر زاہدی کے گھر پہنچ گیا۔ اور اُس لڑکی سے میری ملاقات ہوئی! میں اُس کی طرف لگاتار دیکھتا رہا۔ میرے دل میں یکے بعد دیگرے غصّے اور خوف' ناراضی اور محبت کے جذبات پیدا ہوتے رہے۔

"یہ میں ہوں!" میں نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

اس کی موٹی موٹی پلکیں آہستہ آہستہ اوپر اُٹھیں۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ اس کی تاریک آنکھوں کے ترکش سے نگاہوں کے سارے تیر نکل کر مجھ پر برس پڑے — اور اچانک وہ ہنسنے لگی۔ وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ جیسے بہار کا سُرخ پھول رہا ہو۔

"یہ میں ہوں۔ یہ میں ہوں" میں نے دوبارہ کہا۔ اور مسکرانے لگا۔ "آج شام تم آئی۔ کیوں نہیں؟"

لیکن وہ ہنس رہی تھی۔ ہنسے جا رہی تھی۔ لگاتار قہقہے لگا رہی تھی۔

میں تھک گیا ہوں۔ میرے دل میں درد ہو رہا ہے۔" میں نے ملتجیانہ لہجے میں کہا کہ شاید وہ میری بات کا جواب دے سکے۔

لیکن وہ پاگلوں کی طرح ہنستی رہی۔ اس کی تاریک آنکھوں کی چمک مدھم پڑ گئی۔ اور اس کی کھلکھلاہٹ واضح سے واضح تر ہونے لگی۔ بے شک وہ بہار کے مسکراتے ہوئے سورج کی مانند نظر آ رہی تھی۔ لیکن یہ سورج جھلسا دینے والا اور ظالم تھا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" میں نے تنگ آ کر کہا۔

"یہ تم ہو؟" اُس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "تم کیسے مضحکہ خیز نظر آتے ہو!"

میرے کندھے جھک گئے اور میں نے اپنا سر خم کر لیا۔ میرا چہرہ درد سے اینٹھنے لگا۔ وہ منہ پھیر کر ان نوجوانوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ جو ہنستے کھیلتے ہمارے پاس سے گزر رہے تھے اُس کے چہرے پر جیسے ہنسی کی شفق غروب ہو رہی تھی۔

"یوں ہنسنا تو بڑی بے حیائی ہے" میں نے آخر کہہ ہی دیا۔ "کیا تم نہیں جانتی ہو کہ اس نقاب کے نیچے ایک جیتا جاگتا افسردہ چہرہ ہے؟ میں نے تو محض تمہارے دیکھنے کے بہانے اسے پہن لیا تھا۔ تم نے مجھے اپنی محبت کی اُمید دلائی تھی۔ لیکن اب اتنی جلدی اور اس ظالمانہ طریقے سے اُسے خاک میں ملا رہی ہو؟ تم شام کو آئی کیوں نہیں؟"

وہ جلدی سے میری طرف متوجہ ہوئی۔ جیسے اُس کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر جواب مچل رہا ہے۔ لیکن مجھے دیکھتے ہی وہ کھلکھلا

ہنس پڑی۔ اُس نے اتنے قہقہے لگائے کہ وہ ہانپنے لگی۔ اور اُسے سانس لینا دشوار ہو گیا۔ اُس کی ہنسی تقریباً ایک چیخ بن گئی۔ اُس نے اپنا چہرہ زرتار معطر رومال سے ڈھانپ لیا۔ پھر اُس نے بڑی مشکل سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ذرا اپنی شکل تو دیکھو۔ وہ سامنے آئینہ پڑا ہے۔ ذرا منہ پھیر کر اس میں دیکھو تو سہی۔ واللہ۔ کیا چہرہ پایا ہے!"

میں نے اندرونی کرب سے بے تاب ہو کر اپنے ابرو سکیڑ لیے۔ دانت کچکچائے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا چہرہ ٹھٹھر کر منجمد ہو گیا ہے اور اس پر ایک مرگ آسا زردی رینگ رہی ہے۔ میں نے آئینہ میں دیکھا ــــ ایک احمقانہ سکوت، ایک بے حس و حرکت الاؤ بالیاد، غیر انسانی اور غیرت متحرک مصنوعی چہرہ مجھے گھور رہا تھا ــ میں بے اختیار ہنس پڑا ــ اور ابھی میرا قہقہہ فضا میں گونج رہا تھا کہ میں نے بڑھتے ہوئے غصے کے زیرِ اثر کانپتے ہوئے اور یاس انگیز جنون میں تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"تم کیوں ہنس رہی ہو؟"

وہ خاموش ہو گئی۔ میں محبت آمیز سرگوشی میں اُس سے باتیں کرنے لگا۔ اس سے پہلے میں نے کبھی اتنی لجاجت سے گفتگو نہیں کی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے مجھے اتنی گہری محبت کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اُسے بتایا کہ مجھے انتظار سے کتنی کوفت ہوئی ــ اور میں نے جنونانہ حسد و رشک اور روحانی اذیت سے بیقرار ہو کر کس طرح خون کے آنسو بہائے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اُس کی پلکیں جھک گئی ہیں ــ اور ان کا سایہ اُس کے پژمردہ رخسار پر پھیلا رہا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ جو آگ اُس کے سینہ کے اندر دہک رہی تھی۔ اُس کے سرخ شعلوں کا عکس اُس کے بے رونق چہرے میں جھلک رہا ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ اُس کا نرم و نازک بدن بے اختیار میری طرف جھک رہا ہے ــ!

اُس نے "ملکۂ شب" کا لباس پہن رکھا تھا۔ جس میں وہ ایک چیستاں معلوم ہوتی تھی۔ سیاہ رنگ کے لبادے میں وہ یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے اُس نے تاریکی اوڑھ رکھی ہو۔ وہ ستاروں کے جھرمٹ میں چاند کی طرح ضیا افروز تھی۔ وہ بچپن کے بھولے بسرے خواب کی طرح حسین نظر آ رہی تھی۔ اس کے باوجود میں بولتا رہا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور میرا دل وفورِ مسرت سے دھڑکنے لگا۔ اور آخر میں نے دیکھ لیا ــــ میں نے دیکھا کہ ایک ہلکی سی کریہانہ مسکراہٹ کے زیرِ اثر اُس کے لب نیم وا ہو گئے ہیں۔ اور اس کی پلکوں میں ایک غیر مرئی لرزش پیدا ہوئی ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ لیکن پورے غور کے ساتھ آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ اپنا ننھا سا منہ میری طرف کیا اور ــــ میں نے آج تک اس قسم کا قہقہہ نہیں سنا۔ وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں ایسا نہیں کر سکتی!" وہ جیسے کانپتے ہوئے بولی۔ اور بے اختیار ہنسنے لگی۔

کاش اُس وقت ایک ہی ثانیہ کے لئے میرا چہرہ انسانی ہو سکتا۔ میں نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے۔ میرے دہکتے ہوئے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔ اور وہ احمقانہ مصنوعی چہرہ جس کی ہر چیز ــــ ناک، آنکھیں اور ہونٹ ــ اتنی پُرسکون، سنجیدہ اور تغافل شعار نظر آتی تھی ــــ صدرجہ بے ہودہ معلوم ہونے لگا۔ میں رنگدار سلیپروں پر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور لنگڑاتے ہوئے بھاگ نکلا۔ لیکن اُس کے گونجتے ہوئے قہقہے میرا تعاقب کر رہے تھے جیسے اثیری بلندیوں سے کھنکتی ہوئی چاندی کا دھارا بہہ کر ایک مضبوط چٹان سے ٹکرا رہا ہو۔

ہم خوابیدہ بازاروں میں پھیل گئے۔ اور رات کی خاموشی کو اپنی گھبرائی ہوئی بلند آوازوں سے جگاتے ہوئے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ میرے ایک ساتھی نے کہا۔

"تم خوب کامیاب رہے ہو۔ میں نے آج تک لوگوں کو اس طرح ہنستے نہیں دیکھا۔ حوصلہ کرو۔ تم کیا کر رہے ہو؟ نقاب کیوں پھاڑ رہے ہو؟ دیکھنا بھائیو۔ یہ کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا۔ ارے دیکھو، وہ اپنے لباس کو پھاڑ رہا ہے .... وہ رو رہا ہے!"

ابوسعید قریشی

ایک رات

(ریڈیائی روپک)

(موسیقی ..... سنجیدہ اور طویل جس سے تاریکی کا احساس ہو)

راوی ۱ :- ایک رات ..... لیکن شاعر کی رات نہیں۔

راوی ۲ :- متفکر مدھ بھرے، سرمئی آنکھوں — چھایا پیتی کی امنگ اور جگنوؤں کے آویزوں والی رات نہیں

راوی ۱ :- بلکہ اس دنیا کی ایک رات۔

راوی ۲ :- بہتے وقت کا سایہ ..... انسانوں کی دنیا پر اندھیارے کی پرچھائیاں۔

راوی ۱ :- لیکن ان پرچھائیوں میں اور پرچھائیاں نظر آ رہی ہیں — گہری اور کالی، آسمان کو چیرتی ہوئی اور زمین پر رینگتی ہوئی۔

راوی ۲ :- یہ انسانوں کے گھر ہیں۔ اونچی اونچی ماڑیاں۔ اور نیچے نیچے گھروندے۔

راوی ۱ :- ماڑیوں کے چہروں پر روشنی کے چاک چمک رہے ہیں۔ اور گھروندوں کے سینوں پر اندھیرے کے داغ دکھائی دے رہے ہیں۔

راوی ۲ :- آئیے دیکھئے اور سنئے کہ ان روشن آنکھوں والی ماڑیوں اور اندھے گھروندوں کے اندر کیا ہو رہا ہے۔

راوی ۱ :- آئیے، دیکھئے اور سنئے۔ (موسیقی ..... نومولود بچے کے رونے کی آواز — کھسر پھسر اور بین کرنے کی آوازیں)

ایک بڑھیا :- (بین کرتی ہوئی) ہائے ری بٹیا تو کہاں چلی گئی۔ تجھے جانا تھا تو مجھے بھی ساتھ لے جاتی۔ ہائے ری میری لاڈلی

ایک نوجوان عورت :- صبر کرو چاچی صبر کرو۔ بھگوان کو یہی منظور تھا۔

بڑھیا :- بھگوان ..... ارے میرا گھر اجڑ گیا اور تو کہتی ہے بھگوان میری کوکھ خالی ہو گئی۔ اور تو کہتی ہے بھگوان کو یہی منظور تھا۔ کہاں ہے وہ تیرا بھگوان ذرا میں بھی تو پوچھوں کہ میری لاڈلی کو لے کر اس کے ہاتھ کیا آ گیا ..... بھگوان۔

ایک جوان مرد :- (بڑھیا کا داماد مرنے والی کا شوہر، روتی ہوئی آواز میں) ایسا نہ کہو ماسی ایسا نہ کہو۔ ایسا کہنا پاپ ہے۔

بڑھیا :- (قدرے سنبھل کر لیکن غصے سے ہانپتے ہوئے) پاپ ہے ..... پاپ ہے۔ اور کسی کی کوکھ خالی کر دینا پاپ نہیں — پر تجھے کیا۔ تو تو کل کو دوسری لے آئے گا۔ گھاؤ تو میرے لگا ہے۔ (سینہ کوٹتی ہے) یا اس کے (بچے کے رونے کی آواز) جس کی ماں مر گئی۔ اور تو کہتا ہے پاپ ہے ..... (بین اور بچے کے رونے کی آواز)

سادھو :- پاپ ہے جیون مرن سب پاپ ہے۔ مایا ہے سب مایا۔ یہ گورے گورے گال یہ کالے کالے بال، مایا ہے سب مایا۔ جو کچھ تو دیکھتا ہے وہ نہیں۔ جو کچھ تو نہیں دیکھتا وہ ہے۔ — سادھو ایک سو سال سے چلا رہا ہے۔ لیکن بہرے نہیں سنتے۔ ایک سو سال سے گھر گھر گھوم کر چیخ رہا ہے۔ مگر مورکھ نہیں سمجھتے۔ سمجھ جاؤ مورکھو اب بھی سمجھ جاؤ۔

شہ باز ۱ :- سنا تم نے سادھو مہاراج نے کیا کہا۔

شہ باز ۲ :- ہاں، اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ سمجھ جاؤ۔ مورکھو اب بھی سمجھ جاؤ ......

شہ باز ۱ :- تو اس کا کیا مطلب نکلا۔

شہ باز ۲ :- یہی کہ سو نمبر گھوڑے پر بازی لگاؤ۔

شہ باز ۱ :- (ہاتھ پر ہاتھ مار کر) ہاں! ...... بات ہے! اب سمجھ کر دن پھر گئے۔

شہ باز ۲ :- اب چھوا کا سارا زیور بکا بکایا۔ گہنا [illegible])

شہباز نمبر ۱:- کیا خبر تھا بھلا۔

شہباز نمبر ۲:- تو۔

شہباز نمبر ۱:- ہاں۔ اب تو بھول جائیے۔

شہباز نمبر ۲:- نہیں۔ نہیں اب نہیں بھول سکتا ..... تو .....

شہباز نمبر ۱:- (بے یقینی سے) ہاں، مگر سنو تو اس کا مطلب یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ایک نمبر کے گھوڑے پر بازی لگاؤ — بتیاں صرف دھوکہ دینے کے لئے ہوں۔

شہباز نمبر ۲:- ہاں، یہ بھی ہو سکتا ہے۔

شہباز نمبر ۱:- اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ صرف ایک ہی بتی دھوکہ کے لئے جلی ہو اور ایک سچی ہو۔ (یعنی دس اور دس نمبر گھوڑے پر بازی لگاؤ۔

شہباز نمبر ۲:- ہاں یہ بھی ممکن ہے یوں بھی اور یوں بھی۔

شہباز نمبر ۱:- کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (موسیقی جس سے الجھن کا پتہ چلے)

شہباز نمبر ۲:- ہاں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (موسیقی اور بھی تیز ہو جائے اور چند سیکنڈ تک مختلف ساز الگ الگ اور بے سرے بجیں۔ اس کے بعد سنبھل جائیں اور پھر وہی سنجیدگی)

سلیم:- (ایک ہرجائی مرد) کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن نہیں تم مجھے اس طرح نہیں ٹال سکتیں۔ وعدہ کرو زمرد وعدہ کرو۔ کہ تم مجھ سے شادی کر لوگی۔

زمرد:- (ایک طوائف) ہم لوگ وعدے نہیں کیا کرتے سلیم۔

سلیم:- نہیں! تمہیں وعدہ کرنا ہوگا! وہ مر رہی ہے۔ دق سے مر رہی ہے اور جب وہ مر جائے گی تو میرا کیا ہوگا۔

زمرد:- (زیرِ خند) ..... اب اس کی طرح مجھے بھی مار ڈالنے کا ارادہ ہے کیا؟

سلیم:- یوں نہ کہو زمرد، یوں نہ کہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تم مجھے جان سے زیادہ عزیز ہو۔

زمرد:- تمہاری بیوی بھی تو کبھی اتنی ہی عزیز ہوگی۔

سلیم:- لیکن وہ مر رہی ہے۔ تم سمجھتی نہیں وہ مر رہی ہے۔

زمرد:- اور تم اسے قبر میں دھکا دینا چاہتے ہو۔ میں طوائف ہی سہی لیکن اتنی بے رحم نہیں کہ ایک ہرجائی مرد کی بیمار بیوی کو جیتے جی قبر کا ڈھول — اور ..... اور پھر ضمیر کے کوسنے سہنے کہ اس کی جگہ تمہارے گھر میں بند ہوں۔ اللہ نہ کرے کہ ایسا دن آئے۔

سلیم:- میں تمہیں یقین دلاتا ہوں زمرد کہ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میری بیوی کو تم تھوڑی ہی مار رہی ہو۔ وہ تو خود ہی مر رہی ہے۔ اس میں تمہارا میرا یا کسی اور کا کیا قصور ہے۔ تمہارا ضمیر تمہیں کیوں کوسے گا۔ ہاں جانِ زمرد۔ وعدہ کرو میرے ہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم میرے دل کی ملکہ بن کر میرے گھر پر راج کرو گی۔

زمرد:- (طنزاً) تمہارا راج تمہیں کو مبارک ہو۔ مجھے اس کی خواہش نہیں۔ تم ایسے شرفا کی مہربانیوں سے میری عمر بیت گئی ہے۔ بڑے سے بڑا سیٹھ، بڑے سے بڑا راجہ اور بڑے سے بڑا جاگیردار میرے ہاں آتا ہے۔ اور میری دہلیز پر ناک رگڑتا ہے۔ دولت، شہرت۔ ذرا جا کر مجھے کیا میسر نہیں کہ میں کسی دوسری زندگی کی خواہش کروں۔

سلیم:- لیکن محبت زمرد۔ محبت۔ میں تمہیں اپنی محبت پیش کرتا ہوں

زمرد:- اب مجھے ہنسی آنے لگی ہے۔ جب تم جیسا جہاں دیدہ مرد ایک تجربہ کار طوائف کو محبت کے معنی سمجھانا چاہے تو .....

سلیم:- میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا زمرد۔

زمرد:- اور جب مجھے دق ہو جائے گی تو کسی اور کی طرف متوجہ ہو گے! تم ایسے مردوں کے دیدے کبھی نہیں بھرتے۔ تم نے جب اپنی بیاہتا بیوی کو دغا دیا تو مجھ ایک بازاری عورت کو کیا جانو گے۔

سلیم:- کچھ سمجھ میں نہیں آتا نہ جانے تم اتنی ہٹ دھرمی کیوں کر رہی ہو۔ حالانکہ تم خوب جانتی ہو کہ میں تمہیں کس قدر چاہتا ہوں۔ مجھے تمہارے حسن کی قسم زمرد اگر تم نے میری التجا ٹھکرا دی تو میں مر جاؤں گا۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

زمرد:- (ہنستی ہے) کوئی نئی بات کہئے سلیم صاحب۔ یہ دھمکی تو مجھے بیسیوں نے دی لیکن مرا تو ایک نہیں۔ ایک بزرگ وار نے

تو اسپرٹ پی کر جان دینی چاہی تھی لیکن وہ شراب کے عادی تھے حلق سے اتری تو اور بھی ہوشیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ فدی ایک بوتل شراب تو منگا دینا میرے پاس پیسے نہیں ہیں (ہنستی ہے)

سلیم :- خدارا اتنی بے رحم نہ بنو زمرد۔ یہاں جان پر بنی ہے۔ اور تمہیں مذاق کی سوجھ رہی ہے۔ تنہائی کے خوف سے میرا دل بیٹھا جا رہا ہے زمرد! تم انکار کر رہی ہو اور وہ مر رہی ہے۔ خدا حقیقت کی روشنی میں میرے گھر کی ویرانی کا تصور کرو۔ اور پھر کہو کہ تمہارا منہ کہاں تک حق بجانب ہے۔ لیکن شاید تم نہیں جان سکتیں کہ اکیلے پن کسے کہتے ہیں۔ تم ... تم .....

زمرد :- (ایک اداس قہقہہ لگاتی ہے اور پھر طنزیہ لیکن غمگین انداز میں) تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مجھے اکیلے رہنے کا کیا علم۔

(موٹر کے ہارن کی مبہم آواز کسی خاص قسم کے موٹر کے ہارن کی آواز)۔

اے لو سیٹھ لکھی رام کی کار بھی آ گئی۔ اب میں چلتی ہوں۔

سلیم :- لیکن جانے سے پہلے اتنا بتاتی جاؤ کہ میں کیا کروں؟

زمرد :- گھر جاؤ اپنی بیوی کی تیمارداری کرو اور اپنی مغفرت کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا کرو۔ میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گی۔

(وقفہ)

سلیم :- (آہ بھرتے ہوئے) اللہ جانے اب میرا کیا بنے گا ..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا میں بالکل اکیلا رہ جاؤں گا۔ (صرف عاشقوں پر مبہم ... اور تشنگی میں بعد اور ساز بھی شامل ہو جائیں)۔

(موسیقی ابھرے اور مدھم ہو جائے۔ کنڈی کھٹکھٹانے کی آواز)

چودھری فقیر الدین :- (مکان کے اندر سے دور سے آواز آتی ہے) کون ہے بھئی کون ہے۔ (دروازہ کھلتا ہے)

تار والا :- چودھری فقیر الدین کا گھر یہی ہے ....

چودھری :- ہاں۔ ہاں۔ میں ہی فقیر الدین ہوں ...... خیریت۔

تار والا :- آپ کا تار۔

چودھری :- میرا تار ...... ہوں (لفافہ چاک کرنے کی آواز) بیگم بیگم (زینے پر چڑھنے کی آواز) اری او منی کی ماں۔

بیگم :- کیا ہوا۔ خیریت تو ہے؟

چودھری :- لاٹری ..... اری کیا سو رہی ہو۔ ذرا بستر سے تو اٹھو۔ یہ دیکھو تار۔ مبارک باد کا تار سوا لاکھ کی لاٹری۔ کیا سنتی ہو میرے نام سوا لاکھ کی لاٹری نکلی ہے (ہنستا ہے)

بیگم :- اب میرا ہار نہ بھول جانا۔ بہت دنوں سے ترس رہی ہوں۔

چودھری :- ہاں ہاں۔ ہار اور کنگن اور بندے اور پازیبیں۔

بیگم :- نہیں اب پازیبوں کا فیشن نہیں رہا کوئی اور فیشن والی چیز۔

چودھری :- میں تمہیں تانگے پر اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ جو تمہارے جی میں آئے وہی لے دوں گا۔ سوا لاکھ کی لاٹری ہے۔ پوری سوا لاکھ کی! ہاتھی بیٹھتا ہے چھاؤں میں

بیگم :- اور منی کیلئے بھی تو کچھ لینا ہے .. سوچتی ہوں سارا جہیز ابھی بنا لوں۔ بے فکر ہو جاؤں گی۔

چودھری :- ٹھیک کہتی ہو۔ بازار کا کوئی اعتبار تھوڑی ہے۔ گہنا کپڑا برتن سب کچھ ابھی بنا لیں گے ...... سوا لاکھ۔ میں بھی کہوں کہ میری دائیں آنکھ اتنے دنوں سے کیوں پھڑک رہی ہے۔ اب پتہ چلا ہے کہ لاٹری نکلی ہے۔ (ہنستا ہے)۔

بیگم :- یہ لاٹری والے بھی بڑے ایماندار ہی نکلے۔ میں تو سمجھی تھی کہ اپنوں ہی میں بانٹ لیتے ہوں گے۔ (دونوں ہنستے ہیں۔ دستک)۔

چودھری :- ذرا کھونٹی سے اچکن تو اتار دو۔ شاید کوئی پڑوسی مبارکباد دینے آیا ہے۔ (پھر دستک) ذرا ٹھہریئے گا۔ ابھی حاضر ہوا ابھی حاضر ہوا۔ (زینے سے اترنے کی آواز)

تار والا :- فقیر الدین آپ ہی کا نام ہے۔

چودھری :- ہاں ہاں چودھری فقیر الدین۔

تار والا :- آپ کا تار۔

چودھری :- اوہ۔ مبارک باد کا ہوگا ...... پہلی لاٹری نکلی ہے۔

شاید کسی کے مرنے سے بھیجا ہے۔

تار والا:۔ کھول بعد میں لیجئے گا۔ پہلے یہاں دستخط کر دیجئے۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔

چودھری:۔ کہاں دستخط کرنے ہیں مجھے؟ یہاں؟۔ ہاں.... انگریزی میں یا اردو میں

تار والا:۔ چاہے عالم میں کر دیجئے میرے لئے سب ایک ہے۔ لیکن جلدی کیجئے۔

چودھری:۔ (ایک ایک لفظ پر زور دے کر) چودھری قمرالدین رئیس اعظم، لو اب تو خوش ہو۔ اے ہاں اپنا انعام تو لیتے جاؤ۔

تار والا:۔ شکریہ....

چودھری:۔ (لفافہ چاک کرنے کی آواز) "پہلے تار کو منسوخ کیجئے۔ لاٹری آپ کے نام نہیں نکلی بلکہ آپ کے ہم نام کے نام نکلی ہے۔ غلطی کیلئے معافی"..... کچھ سمجھ میں نہیں آتا (موسیقی میں سے الجھن کا احساس ہو)۔

یہ کیسے ممکن ہے (موسیقی اور بلند ہو جاتی ہے) یہ نہیں ہو سکتا۔ کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں لیکن یہ پہلا تار میرے ہاتھ میں موجود ہے۔ اُف.... (زینہ پر چڑھنے کی آواز)۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اُف میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا ہے۔ کہاں سوا لاکھ اور کہاں راکھ۔ (زینے سے پھسلنے اور لڑھکنے کی آواز۔ موسیقی الملل اور سنجیدہ بلند ہو کر مدھم پڑ جائے)

شرابی:۔ (بڑبڑاتا ہے) دکھ کے اب دن بیتت ناہیں۔

دوسرا شرابی:۔ ارے یہ گیت کیوں گا رہے ہو۔ تم کوئی سہاگن تھوڑی ہو۔

پہلا شرابی:۔ نہیں۔ میں دیوداس ہوں۔ دیوداس۔

دوسرا:۔ تمہاری پارو کہاں ہے؟

پہلا شرابی:۔ مجھ سے کسی زیادہ امیر کے گھر۔ (سسکیاں) دکھ کے اب دن بیتت ناہیں۔

دوسرا شرابی:۔ تم.... تم.... بیٹھ کیوں گئے دیوداس۔ اپنی پارو کو نہیں ڈھونڈو گے؟

پہلا شرابی:۔ پارو پارو پکارو ہیں بن بن میں۔ موری پارو بسے موسے من میں۔

آتی ہے صدائے جرس ناقہ لیلے
صد حیف کہ مجنوں کا قدم اٹھ نہیں سکتا

حولدار:۔ اٹھئے اٹھئے حضرت اٹھئے ساب کی وہ یہاں نہیں آنے کی۔ وہ تو کوتوالی میں آپ کی انتظار کر رہی ہے۔ اب ذرا جلدی کیجئے۔ آپ کے کئی اور بھائی بھی اپنی پارو کو ڈھونڈ رہے ہوں گے۔ مجھے ان کا بھی تو کچھ بندوبست کرنا ہوگا۔

شرابی نمبر۱:۔ کوتوالی۔..... تو چلو کوتوالی ہی چلو۔ پر میری پارو مجھے مل جائے گی نا!

حولدار:۔ ہاں ہاں مل جائے گی۔ مل جائے گی۔

شرابی نمبر۲:۔ اور مجھے میرا کیمیا کا نسخہ میری عمر بھر کی کمائی۔ جانتے ہو میں کون ہوں؟ اور میرا کیا نام ہے؟ میرا نام ہے حکیم کیمیا ذوس۔ آج بیس برس ہو گئے کہ ایک حریف میرے نسخے اٹھا کر لے گیا تھا۔ اس دن سے ڈھونڈ رہا ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ تو پاگل ہے۔ تم تو مجھے پاگل نہیں سمجھتے حولدار صاحب تم تو مانتے ہو کہ پیتل سے سونا بن سکتا ہے۔ پیتل کا سونا۔ کوئلہ کا کندن۔

حولدار:۔ ہاں۔ ہاں۔ بالکل پیتل سے سونا بن سکتا ہے۔ اور کوئلہ کا کندن بھی بن سکتا ہے۔ پر اب ذرا رفتار بڑھائیے۔

شرابی نمبر۱:۔ ٹن.... ٹن.... ٹن.... ٹن۔ بالم آ کر بسو مورے من میں۔ .. (کوئی ایک منٹ بعد)۔

سپاہی:۔ کہو دلی حولدار جی یہ اور دو پنچھی کہاں سے پکڑ لائے۔

حولدار:۔ بس پوچھو نہیں ننھے خان۔ یہ دکھائی دیتا ہے جیسے ان کا ماننا کچھ سست ہو گیا ہے۔

سپاہی:۔ (ہنستا ہے)۔

حوالدار:- یہ تو دیوداس ہیں اور اپنی پارو کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

سپاہی:- اور یہ ؟

حوالدار:- کیمیا گر۔ کسی دشمن نے ان کی بیا من اٹھالی ہے۔ اور یہ بیس برس سے اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

(اندہ میز چیزوں کی آواز)

حوالدار:- مائی یہ حالات میں کیا ہو رہا ہے ؟

سپاہی:- انہیں کا کوئی بھائی بند ہے۔ منت کی مل گئی ہوگی۔ اب بکھرو دیکھ رہے ہیں۔ (چیخیں پھر بلند ہوتی ہیں اور ساتھ ہی کوئی چلائے کہ مجھے کوئی بچاؤ مجھے بچاؤ — فیڈ آؤٹ، موسیقی طول اور سنجیدہ ابھرے اور ڈوب جائے)

لڑکا:- (عمر دس بارہ برس۔ اسکول کا سبق یاد کر رہا ہے)۔ ہندوستان میں چالیس کروڑ انسان بستے ہیں لیکن ان کی حالت حیوانوں سے بھی بری ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے ہندوستانیوں کو اپنے تن کے مقابلہ میں اپنی آتما کا زیادہ خیال ہے۔ کبھی ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا کرتے تھے۔ لیکن اب —

سنتری:- (ذرا دور سے) ابے او لونڈے تو یہاں کیا کر رہا ہے ؟

لڑکا:- (گھبرا کر) اسکول کا سبق یاد کر رہا ہوں سنتری جی۔

سنتری:- جگہ تو اچھی ڈھونڈی ہے تو نے سبق یاد کرنے کے لئے یہ سڑک ہے یا تیرے دادا کا گھر۔ باپو بننے کا اتنا ہی چاؤ ہے تو بابا سے کہہ کر مکان پہ بجلی لگوا لے نا۔

لڑکا:- (اداس) میرا باپ نہیں ہے سنتری جی۔

سنتری:- ہوں ... تو۔ تو اس میں میرا کیا دوش ہے۔ مجھے تو بس اتنا معلوم کہ تم یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔

لڑکا:- گھر میں تیل کیلئے پیسے نہیں ہیں سنتری جی۔ اس لئے یہاں آ جاتا ہوں۔ سبق یاد نہ ہو تو ماسٹر جی مارتے ہیں۔

سنتری:- تو میرا اس میں کیا قصور ہے۔ میرے کو تو بس اتنا معلوم ہے۔ کہ قانون قانون ہے اور قانون کہتا ہے کہ رات کو کوئی آدمی بے فضول ادھر نہیں بیٹھ سکتا۔ اور بس۔ راہ گیر میں آوارہ گردی کی مناہی ہے۔

لڑکا:- لیکن میں آوارہ گردی تو نہیں کر رہا ہوں سنتری جی۔ میں تو اسکول کا سبق یاد کر رہا ہوں۔

سنتری:- ہوں ... ویسے اسکول کے سبق یاد کرنے کے بابت مناہی کا کوئی علم میں نے دیکھا تو نہیں پر اتنا ضرور معلوم ہے کہ قانون کی کتاب میں یہ بھی نہیں لکھا کہ اسکول کے لونڈے رات کو سڑک کی بجلی کے نیچے بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے تم یہاں نہیں رک سکتے۔

(دور سے پولیس کی سیٹیوں کی آوازیں)

سنتری:- ایک کوئی اور مصیبت آئی !

لڑکا:- کیا ہوا سنتری جی کیا ہوا ؟

سنتری:- ابے ہونا کیا ایک بھوکے نے اپنے سے کم بھوکے کو لوٹ لیا ہوگا۔ اور کیا ہوا ہوگا۔ اب یہ بھی کیا میرا قصور ہے۔ پر میں تو اتنا جانتا ہوں کہ قانون قانون ہے۔ لے اب چلتا ہوا دکھائی دے —

(سیٹیوں کی آوازیں۔ جیسے کوئی ہنگامہ ہو گیا ہو۔ سنتری دوڑتا ہے۔)

لڑکا:- (اپنے آپ سے) قانون قانون ہے۔ ایک بھوکے نے اپنے سے کم بھوکے کو لوٹ لیا۔ سڑک کی بجلی کے نیچے بیٹھ کر پڑھنے کی مناہی تو نہیں لیکن اس کی اجازت بھی نہیں اور اس میں اس کا کوئی ذکر بھی نہیں ...... کچھ بھی نہیں آتا۔

(گیارہ بجنے کی آواز آتی ہے)۔

ہائیں گیارہ بج گئے (جماہی لیتے ہوئے) اچھا اب گھر چلنا چاہئے اماں راہ تک رہی ہوگی۔

(موسیقی کا ٹکڑا ...... موٹر رکتی ہے دروازہ کھلتا ہے)۔

ہسپتال کا ملازم:- سی ! ...... سر کی چوٹ ہے بھیا ... ذرا احتیاط سے ہاں ! اب اٹھاؤ ...... (ابھرتے قدموں کی آواز)۔

کمپاؤنڈر (قدرے دور سے قریب آتے ہوئے) کچھ بھی کوئی اور Carnal ہے آئے اسے یا کیسے وہیں سے بیٹھے ملا کر

ہسپتال کا ملازم:- اس بوں — یہاں ایمرجنسی پر..... احتیاط سے۔ بس!

کمپاؤنڈر:- اب ہٹ گئے ہیں..... ذرا دیکھوں تو کیا ہوا ہے اسے — یہ مشکل سے بارہ تیرہ برس کا ہوگا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ماں باپ انہیں رات گئے گھر سے باہر کیوں نکلنے دیتے ہیں۔

ڈرائیور:- اجی بابو جی گھر کیا اور باہر کیا۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ آ گئی تھی۔

کمپاؤنڈر:- ہاں! یہ یوں دکھائی دیتا ہے کہ بچے یہاں کچھ ضرورت سے زیادہ ہی آ رہے ہیں۔ ان دو گھنٹے میں پانچ کیس آ چکے ہیں۔ ذرا روئی تو دینا۔ جمعدار اس کی ناک سے خون تو پونچھو۔ اور تم جا کر ڈاکٹر صاحب کو بلا لاؤ۔ اب کھانا کھا لیا ہوگا۔ ارے اس کے تو کان سے بھی خون بہہ رہا ہے۔ یہ ہوا کیسے

ڈرائیور:- جی یہ تو پولیس ہی بتائے گی۔ میرے کو تو بس اتنا معلوم ہے کہ فٹ پاتھ کے پاس پڑا ہوا تھا۔ اور اس کے چاروں طرف کتابیں گری پڑی تھیں۔ یوں جان پڑتا ہے کہ کہیں سے پڑھ کر آ رہا تھا۔

کمپاؤنڈر:- اور ٹرک کے ڈرائیور کا کیا ہوا۔

ہسپتال کا ملازم:- موڑ کے بھاگ گیا۔

کمپاؤنڈر:- چلو چھٹی ہوئی۔ اب کہاں ہاتھ آنے کا۔

ڈرائیور:- ارے نہیں بابو جی۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ پولیس کو تم نہیں جانتے وہ تو بیس پچیس برس پیچھے بھی ڈھونڈ نکالیگی۔

کمپاؤنڈر:- (زہرخند) اس سے کیا فرق پڑ جائیگا۔ یہی نا کہ زیادہ سے زیادہ تین چار برس کی سزا ہو جائے گی۔ اور سزا بھگت کر جب باہر نکلے گا تو باقاعدہ مجرم بن جائے گا۔ لیکن مرنے والا پھر بھی زندہ نہیں ہو سکے گا۔

(ٹیلیفون کی گھنٹی کی آواز)

کمپاؤنڈر:- یہ ٹیلیفون بابو کدھر غائب ہو گیا؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (ٹیلیفون پر) سیٹھ کروڑی مل خیراتی ہسپتال۔ او جو تیسری منزل سے کود پڑے...... جی...... جی...... جی۔ جی اس غم میں بہتوں کے حواس بجا نہیں رہتے۔ کیا فرمایا؟ اچھا صرف ٹانگ کو چوٹ آئی ہے۔ چلئے شکر کیجئے۔ سر بچ گیا ٹانگ تو لکڑی کی بھی لگ جائے گی۔ جی... جی میں تو اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا یہ تو بڑے ڈاکٹر صاحب بتائیں گے۔ ویسے ہڈی عام طور سے جڑ جایا کرتی ہے بشرطیکہ بڑھاپا نہ ہو — کیا فرمایا پچاس سے اوپر — پھر تو — خیر میں ایمبولنس کار بھیج دیتا ہوں (چونگا رکھنے کی آواز)

ڈرائیور:- اب کیا ہوا؟

کمپاؤنڈر:- ارے بھائی ہونا کیا تھا۔ کوئی زعفران والے ہیں ہزاری مل ان کا دیوالہ نکل گیا ہے۔ اور وہ تیسری منزل سے کود پڑے ہیں۔

ڈرائیور:- ہزاری مل کا دیوالہ؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ تو لاکھوں کی اسامی تھے۔ میں تو ان کی موٹر پر کام کر چکا ہوں — ہزاری مل کا دیوالہ۔

کمپاؤنڈر:- ارے ہاں بمبئی کروڑ پتی بننے کا جادو ہوگا۔ سٹے نے دیوالیہ اور صاحب ٹانگ بھی گئی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ (موسیقی)

راوی نمبر ۱:- ٹھیک ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔

راوی نمبر ۲:- اگر آتا ہے تو وہ چپ رہتا ہے۔

راوی نمبر ۱:- رات کی سیاہی کی طرح چپ۔ (وقفہ)

راوی نمبر ۲:- بے بسی کے اعلان کی طرح۔

راوی نمبر ۱:- اور یوں انسانوں کی دنیا ایک ابدی رات میں لپٹی ہوئی ہے صرف چند گھنٹوں کے لئے سورج اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ سایہ سورج کے سامنے آ جاتی ہے اور اس کے بعد پھر وہی رات..... بیتے وقت کا سایہ.......

(موسیقی اٹھول اور سنجیدہ آہستہ آہستہ ابھرے اور ڈوب جائے)۔

نئی کتابیں

وطن سے باہر :- آغا محمد اشرف ایم اے نے دنیا کی سیر و سیاحت کے بعد یہ علمی و ادبی مضامین لکھے ہیں۔ قیمت مجلد عہ
لندن سے آداب عرض :- آغا محمد اشرف ایم اے کے ان مضامین کا مجموعہ جو جنگِ عظیم کے دوران میں بی بی سی لندن سے نشر کئے گئے۔ مجلد عہ
ادبستان :- مولانا خلیق دہلوی کے حسین اور دلکش ادبی مضامین کا بے نظیر مجموعہ۔ آپ ایک بار ملاحظہ فرما کر بار بار مطالعہ فرمائیں گے۔ تیسرا ایڈیشن قیمت مجلد عہ
صبح بہار، اختر ستان، لالۂ طور :- ہندوستان کے نامور رومانی شاعر اختر شیرانی کے مجموعے کلام۔ ہر جلد خوبصورت گرد پوش سے مزین ہے۔ قیمت فی جلد تین روپے۔
تذکرہ حسینی :- مولانا علم الدین صاحب کراچوی نے علمائے اہلسنت والجماعت کی مستند تصانیف و اقوال سے مناقب محرم پر سلیس اردو زبان میں قابل قدر کتاب لکھی ہے۔ قیمت ما/ر

طیور آوارہ :- از اختر شیرانی۔ قیمت فی جلد تین روپے آٹھ آنے۔

جدید اُردو شاعری :- پروفیسر عبد القادر کی مشہور کتاب۔ جس کو قابل مصنف نے ریوائز کر کے جدید شاعری کے موجودہ دور تک مکمل کر دیا ہے۔ قیمت مجلد تین روپے آٹھ آنے۔

معاشیات قومی :- ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے فریڈرش لسٹ کی جرمن کتاب سے براہ راست ترجمہ کیا ہے۔ قیمت مجلد آٹھ روپے۔
تاریخ انقلاب روس :- شیر جنگ کی انقلاب پسند طبیعت نے روس کے انقلابی پس منظر تاریخی و ملکی ردوبدل کی تاریخ کو الفاظ کا خوشنما جامہ پہنایا ہے۔ اتنی دلچسپ کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر آپ دم نہیں گے۔ قیمت مجلد چار روپے۔
کارل مارکس اور اس کی تعلیمات :- شیر جنگ نے کارل مارکس کے حالات زندگی، اُس کی تعلیمات اور اس سلسلہ میں عام جدوجہد کی تاریخ کو دلچسپ انداز میں کئی برس کی محنت سے تحریر کیا ہے۔ قیمت مجلد چھ روپے۔

اوراق پارینہ :- شیر جنگ کے ادبی مضامین کا مجموعہ، جن کا مطالعہ آپ کے ذہن کیلئے نئی راہیں کھول دیگا۔ قیمت عہ
رحمۃ للعالمین (کامل تین جلد) قاضی سلیمان منصور پوری کی مشہور عالم سیرۃ نبی الامی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ تین جلدوں میں مکمل مجلد سترہ روپے۔
مقالاتِ شیرانی :- حافظ محمود شیرانی کے تنقیدی مضامین جو علمی حلقوں میں نہایت بلند درجہ پا چکے ہیں۔ قیمت تین روپے آٹھ آنے۔
دھڑکتے دل :- اختر شیرانی کو آپ اُس کی شاعری سے بھی بلند جگہ دیں گے۔ جب اُس کے یہ افسانے آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ قیمت تین روپے۔
وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ :- چوٹی کے ڈراموں کا انتخاب از اختر شیرانی۔ آپ کا ذوقِ سلیم داد دیئے بغیر نہ رہے گا۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے۔
ماڈرن اُردو ڈکشنری :- صاحبزادہ ابو نعیم عبد الحکیم خاں نشتر جالندھری نے اُردو کے طالب علموں اور ضرورت مند اصحاب کیلئے ہر حرف کے ذیل میں تمام ضروری الفاظ درج کرنے کے بعد ضرب الامثال اور قانونی اصطلاحات بھی درج کر دی ہیں۔ قیمت مجلد تین روپے آٹھ آنے۔
سازِ فطرت، نیلوفر، صبر و ضبط، قسمت :- حسن عزیز جاوید کے بلند پایہ افسانوں کے چار مجموعے حسین گرد پوش سے مزین۔ مجلد قیمت فی جلد عہ
شیشہ و سنگ، اتفاقات :- شبیر لکھنوی بہت کہنہ مشق بلند پایہ ادیب ہیں اور دونوں کتابیں ان کے چوٹی کے معاشرتی اور اصلاحی افسانوں کا مجموعہ ہیں۔ قیمت عہ۔ ہم علمی و ادبی اور اسلامی کتابیں اور ٹیکسٹ بکس شائع کرتے ہیں۔ فہرست کتب مفت طلب فرمائیں۔

کتاب منزل۔ کشمیری بازار۔ لاہور

عالمگیر خاص نمبر ۱۹۴۷ء

رسالہ عالمگیر ۲۴ برس سے اردو علم و ادب کی جو شاندار خدمات انجام دے رہا ہے اہلِ ذوق اس سے ناواقف نہیں ہیں ہندوستان کا یہ ممتاز ترین ماہنامہ عام پرچوں کے علاوہ ہر سال تین ضخیم خاص اشاعتیں اپنے سالانہ خریداروں کو مفت پیش کرتا ہے یعنی اپریل میں افسانہ نمبر جولائی میں سالنامہ اور دسمبر میں خاص نمبر حالانکہ ان کی مجموعی قیمت چھ روپے اور ضخامت چھ سو صفحات سے کم نہیں ہوتی اس گرانی و نایابی کے زمانہ میں بھی عالمگیر کے خاص نمبر اور سالنامے اسی آن بان اور شان و شوکت سے شائع ہو رہے ہیں اور مضامین کے لحاظ سے بھی وہ رفتارِ وقت اور ماحول کے تقاضوں کا ساتھ دے رہا ہے چنانچہ جنوری میں خاص نمبر پیش کیا جا رہا ہے جو ادبی و فنی خوبیوں کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہوگا ضخامت دو سو صفحات قیمت صرف دو روپے سالانہ چندہ چھ روپے چار آنے مع محصول ڈاک سالانہ خریداری کی رعایتوں سے مستفید ہونے کیلئے خاص نمبر سے اپنا سلسلۂ خریداری شروع کیجئے۔

خاص نمبر کے مضامین نظم و نثر کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے اس فہرست میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہے —!

مینیجر رسالہ عالمگیر سید مٹھا بازار لاہور

"خاص نمبر" کی ایک جھلک

شعر و سخن

اے جانِ من	جوش ملیح آبادی
شاہِ خوباں آ گیا	ڈاکٹر تاثیر
نغمہ و رقص	فراق گورکھپوری ایم اے
خواجہ فریدؒ	سید عطاء اللہ بخاری
بیوہ اور برسات	ثاقب کانپوری
دو آتشہ	ماہر القادری
نیا موڑ	اشعر ملیح آبادی
شاعرِ مشرق اور بندۂ محکوم	افسر احمد نگری
نغمۂ سروج	راز یزدانی رامپوری

علم و ادب

دولتِ سکندری	محمود خاں شہاب
حالی کی غزل گوئی	پروفیسر حامد حسن قادری
اسلوبِ بیان	محمد عظیم
سلامِ جلیل	احمد علی شاہ

افسانے اور ڈرامے

حُسنِ خوابیدہ	شبلی بی کام
شادی طے ہو گئی ہے	شیش بترا ایم۔ اے
کاش میں بھول سکتا	ظہیر الحسن ڈار
اک تیرے جانے سے پہلے	طفیل ملک
پرندے	ایوب سرور
ٹیلی گرام	مقبول حسین احمد پوری
کرڈوا اس	رحمان مذنب
ظلم	شاہین
جھلکیاں	زینت جہاں
چھایا پاتر	برق صہبائی

(نامکمل)

ڈھائی ہزار روپے کے انعامات

۲۵۰۰

اشارے سیدھے

اردو انعامی معمے (رجسٹرڈ) دہلی

اشارے کھڑے

پہلا انعام ۱۲۰۰
دوسرا انعام ۵۰۰
تیسرا انعام ۵۰۰
چوتھا انعام ۱۰۰
زیادہ سے زیادہ حل بھیجنے والے کو

(۱) ہمارے معمات ذہانت اور ربودونکشا ... (۲) بعض مفتی و بے بنیاد اشخاص سے بہت قبل ہوا ہے ... (۳) پہلے الفت کر کے ... دی ہو گا ... سمجھتے ہیں (۴) زیادہ عرصہ تک ... قائم نہیں رکھ سکتے جس کی بنیاد بنا وٹی ہوں (۵) محبت کرنے کے اہل غالباً وہی ہوتے ہیں جو ... کو صحیح اٹھانا جانتے ہیں (۶) جاہل طبقے ... نہایت ضروری ہے کہ آپ کافی ... چھوٹا ہو یا بڑا اکثر دور اندیش لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے میں کبھی دیر نہیں کرتے (۷) ہندوستان میں کتنے ہونگے ایسے لوگ جو سیاست میں محض اس کی خاطر حصہ لیتے ہوں (۸) بلا سوچے سمجھے یہ کرنا سمجھ داروں کا شیوہ نہیں۔

(۲) آج کے بعد (۳) فلمی دنیا میں ... کامیاب ہو سکتی ہے جسے اچھے گانے کے ساتھ ... پر پوری قدرت حاصل ہو (۵) ایک نصیب ... سب کچھ بھول سکتا ہے لیکن محبوب کیسا تھا ایک آخری ... کو فراموش نہیں کر سکتا (۷) قمار بازی کیسا تھا اس کو ... کرنا برباد ہونا ہے (۸) اس کو ایک بار ... تک قابو میں نہیں آتا (۹) بچوں کو دیکھ کر ... کی آنکھیں کا ... ہو جانا کچھ فطری سی بات ہوتی ہے (۱۱) کتنے لائق عزت ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنے اکثر مدارج سے گذرنے کے بعد بھی اپنی زندگی کا مقصد خدمت سمجھتے ہیں (۱۲) بد مزاج محبوب کی پیشانی ... بے جواب ... کرنے سے بھی باز رکھتی ہے (۱۳) ایسی حالت میں عبادت کرنا شاید ہی کسی مذہب نے پسند کیا ہو (۱۵) عورتوں کا ... کرنا غالباً ان کے موروثی اثرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اردو کا سب سے پہلا معیاری معما

اردو انعامی معمے نمبر ۳ (رجسٹرڈ) جامع مسجد دہلی

— اشارے سیدھے —

اشارے کھڑے

میں نے قواعد و شرائط کو بغور پڑھ لیا ہے اور اس معمے میں شرکت کرتے ہوئے مجھے اقرار ہے کہ منیجر معما ہذا کا فیصلہ میرے حق میں قطعی اور قانوناً قابل تسلیم ہوگا

نام و پتہ خوشخط

کل تعداد حل ملفوفہ

نمبر رسید منی آرڈر یا کراسڈ پوسٹل آرڈر ملفوفہ

نام اخبار یا رسالہ جس سے معما حاصل کیا

دستخط

فیس و داخلہ ... دور و پیہ لیکن ... کے ساتھ تین حل ... لیا جائیگا یعنی فی تین کوپن دو روپیہ ... ایک ہی نام سے بھیجے جا سکتے ہیں ... تمام حل ... صرف منی آرڈر یا کراسڈ پوسٹل آرڈر کے ذریعہ منیجر اردو انعامی معمے (۳) جامع مسجد دہلی آنے چاہییں ... کی ذمہ داری نہیں لیجا سکتی ... رسید آپ کو مل سکتی ہے ... پر صرف تعداد حل ملفوفہ اور اپنا نام خوشخط لکھئے مختلف ناموں کے حل اور فیس یکجا روانہ کئے جا سکتے ہیں۔

آخری تاریخ جس کی آخری ڈاک سے تمام داخلے وصول ہو جانا چاہییں ۳۰ دسمبر ... ہے تمام وہ حل یا داخلے وصول شدہ سمجھے جائیں گے جو کہ تاریخ مذکور تک کراسڈ پوسٹل آرڈر مل جائیں یا منی آرڈر ... مل جائے خواہ منی آرڈر ... تاریخ کے بعد وصول ہو

صحیح حل مع فہرست انعامات ... تاریخ اشاعت ... جنوری ... میں دیکھئے اگر ... فیس داخلہ کے ساتھ بھیج دیے جائیں تو صحیح حل و فہرست انعامات آپ کو براہ راست بھیج دیے جائینگے

صحیح حل منیجر آئیڈیل بنک کے پاس محفوظ ہے

Correct Deposited With the Manager Ideal Bank Delhi

ضوابط و قواعد (۱) ... [illegible] ... (۲) ... [illegible] ... (۳) ... [illegible] ... (۴) ... [illegible] ... (۵) ... [illegible] ... جائیگی۔

بھیجنے کا پتہ:- منیجر اردو انعامی معمے (رجسٹرڈ) جامع مسجد دہلی

پانچ نئی کتابیں

دنیائے تبسم

شوکت تھانوی کا شاہکار

ہر شخص کی زندگی کا راز خوش رہنا ہے۔ اور اگر خوشی کے چند لمحے نصیب نہ ہوں تو پھر وہ جلدی بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے شوکت تھانوی کی " دنیائے تبسم " کی سیر کیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہنسی کی دنیا میں کیسے کیسے دلفریب و دلآویز نظارے موجود ہیں۔ تیسرا ایڈیشن۔ لکھائی چھپائی عمدہ۔ گردپوش رنگین۔ دیدہ زیب۔

قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔ عہ۸ر

افادی ادب

گزشتہ دس سال کے اندر ترقی پسند ادب کے متعلق ہزاروں صفحات لکھے گئے ہیں۔ مگر اختر انصاری کے اس مقالہ میں بصیرت، بالغ النظری، وسعتِ فکر و مطالعہ اور تخلیقی تنقید کا جو حیرت انگیز امتزاج نظر آتا ہے۔ وہ شاید ہی کسی دوسری جگہ ملے۔ ادب کے متعلق ترقی پسند نظریے کی اس سے بہتر توضیح اب تک نہیں کی گئی۔ یقیناً یہ اس موضوع پر سب سے مستند کتاب ہے۔ کتابت، طباعت دیدہ زیب۔ سفید کاغذ۔ خوبصورت گردپوش

قیمت ایک روپیہ چار آنے۔ عہ۴ر

سیاسی نظریئے

از ہیرنشا پروفیسر سیاسیات لندن یونیورسٹی

یہ کتاب لندن یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر سیاسیات کی کتاب "ارتقائے تفکرات سیاسی" کا ترجمہ ہے۔ ہماری سیاست جن منزلوں سے گزری ہے ان کی نہایت جامعیت کے ساتھ توضیح کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی کے دلنشین اسلوبِ ترجمہ نے کتاب میں اور بھی جان ڈال دی ہے۔ سفید کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ۔ گردپوش رنگین۔

قیمت ایک روپیہ عہ۸ر

غبارِ خاطر

کا دوسرا ایڈیشن

مولانا ابوالکلام آزاد کی وہ معرکتہ الآرا کتاب جو انہوں نے احمد نگر کے قلعہ میں لکھی۔ اور جس کا پہلا ایڈیشن ہزاروں کی تعداد میں چند ہفتوں میں ختم ہو گیا اب دوبارہ شائع ہو گئی ہے۔ آج ہی اپنی کاپی طلب فرمائیے ورنہ تیسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑیگا۔

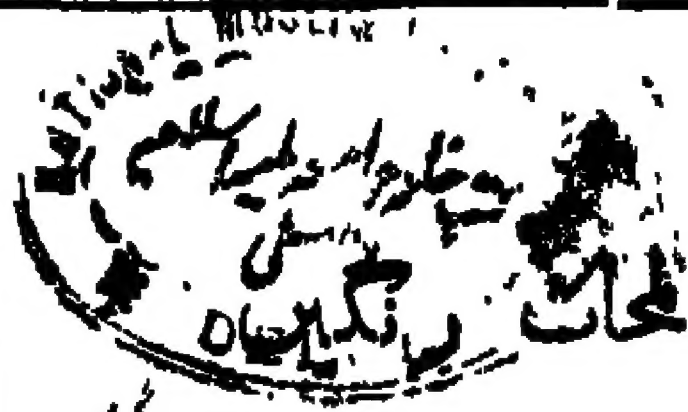
سفید کاغذ، مجلد ہے، گردپوش خوشنما۔ قیمت چار روپے للعہ۸ر

مولینا محمد علی مرحوم

از: خواجہ احمد عباس

یہ سوانح ایک نئے زاویے سے لکھی گئی ہے ہندوستانیوں اور ہندوستانی مسلمانوں کی قومی تشکیل میں مولانا مرحوم نے جو حصہ لیا ہے محتاجِ بیان نہیں۔ انکا عزم انکا استقلال، انکی وطن پرستی اور قوم پروری یہ سب وہ صفات ہیں جو ہمارے نوجوانوں کیلئے ہدایت اور نمونہ ہو سکتی ہیں۔ کتابت طباعت عمدہ۔ سفید کاغذ۔ دیدہ زیب رنگین ٹائٹل۔ قیمت آٹھ آنے ۸ر

حالی پبلشنگ ہاؤس (اہل) اردو بازار دہلی



نجات رنگیاں

زبیدہ سلطانہ کے چودہ افسانوں کا مجموعہ ہے جس میں انہوں نے ہندوستانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں کو انسانی نفسیات کے گہرے مطالعے سے اجاگر کیا ہے۔ اس ترشے ہوئے ہیرے کی مانند جس کا ہر پہلو نظر افروز ہونے کے باوجود ایک الگ کیفیت کا حامل ہے۔ ان افسانوں میں دکھ، سکھ، رنج اور خوشی اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ ان پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ اور پڑھنے والا پہروں ہی ان کے طلسم میں کھویا رہتا ہے۔ کتاب میں چند مزاحیہ افسانے بھی شامل ہیں جو زندگی کی بڑھتی ہوئی کشمکش اور اس کی بوجھل زنجیروں کو پرے پھینک اس میں سکون اور فرحت پیدا کرنے ضامن ہیں۔

قیمت ۲/-

ناظمہ کی آپ بیتی

ہر حقیقت افسانہ سے زیادہ دلکش اور رنگین ہے۔ ناظمہ کی آپ بیتی بھی ایک شریف زادی کی زندگی ہے۔ اتنی عبرتناک کہ پڑھنے والا حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ حقیقت اتنی رومان پرور اور اتنی بیرحم ہے کہ افسانوی رنگ آمیزی اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچتی۔

ناظمہ کی آپ بیتی کوئی افسانہ یا ناول نہیں بلکہ ایک عورت کی داستان حیات ہے جو آغاز سے انجام تک یکساں طور پر دلچسپ ہے۔

ڈاکٹر ایم۔ڈی تاثیر کا لکھا ہوا دیباچہ، خان بہادر عبدالرحمان چغتائی کا بنایا ہوا چھ رنگا سرورق اور ایم اسلم کا کتاب کا مصنف ہونا کتاب کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کی ضمانت ہے۔

قیمت ۳/۴

پبلشرز:
پنجاب بکڈپو لاہور

مطبوعہ دین پریس، لاہور

دوسوں کی عورتوں کی گرد ذی الخلصہ کے ف دوس نام ہے۔ عرب کی ایک قوم کا ان میں ایک بت تھا۔ اس کا نام ذی الخلصہ پیغمبر خدا کے وقت برباد ہو گیا تھا۔ مگر قیامت کے نزدیک اس کو لوگ پھر ماننے لگینگے۔ اور عورتیں اس کے گرد طواف کرینگے۔ سرین ہلتے ہوئے اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ اللہ کے گھر کے سوائی اور کسی کا طواف کرنا شرک کی بات ہے۔ اور کافروں کی رسم ہے ہرگز نہ کیا چاہیے۔ ش اور اس حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے۔ کہ ذُو الْخَلَصَۃِ طَاغِیَۃُ دَوْسٍ الَّتِی کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ فِی الْجَاہِلِیَّۃِ اور اس بت کے بت خانے کو جاہلیت کے عرب کعبہ یمانیہ کہا کرتے تھے۔ م

پانچویں فصل اشراک فی العادت کی برائی

کے بیان میں

یعنی اس فصل میں ان آیتوں اور حدیثوں کا ذکر ہے۔ جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ آدمی اپنے دنیا کے کاموں میں جیسا معاملہ اللہ سے رکھتا ہے اسکی تعظیم طرح طرح سے کرتا ہے۔ ویسا معاملہ کسی سے نہ کرے۔ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ اِلَّا اِنَاثًا وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطَانًا مَّرِیْدًا لَعَنَہُ اللّٰہُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا وَلَاُضِلَّنَّہُمْ وَلَاُمَنِّیَنَّہُمْ وَلَاٰمُرَنَّہُمْ فَلَیُبَتِّکُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّہُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ وَمَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطَانَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا یَعِدُہُمْ وَیُمَنِّیْہِمْ وَمَا یَعِدُہُمُ الشَّیْطَانُ اِلَّا غُرُوْرًا اُولٰٓئِکَ مَاْوٰہُمْ جَہَنَّمُ وَلَا یَجِدُوْنَ